نَفَحَاتُ اللّاهُوتِ ترجمہ

فی

لَعْنِ الجِبْتِ وَ الطَّاغُوتِ

تالیف

شیخِ فقیہ علی بنِ عبد العال

المعروف

محققِ کرکی

Presented by Ziaraat.Com

کتاب : نفحات اللاهوت فی لعنِ الجبت و الطاغوت (ترجمہ)

تالیف : شیخِ فقیہ علی بنِ عبدالعال المعروف محققِ کرکی

سنِ ترجمہ: ۲۰۲۰

Presented by Ziaraat.Com

انتساب

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

فہرست

مقدمہ محققِ کرکیؒ ۹

مقدمہ ۱۷

بحثِ اوّل (لعنت کے معانی) ۱۸

بحثِ دوّم (لعنت کرنا ایک عبادت) ۱۹

بحثِ سوم (مستحقینِ لعنت کے بارے میں) ۲۵

بحثِ چہارم (لعنت کرنا واجب ہے یا جائز) ۲۷

امامت کے دلائل ۳۱

پہلی دلیل: ۳۱

دوسری دلیل: ۳۲

تیسری دلیل: ۳۳

چوتھی دلیل: ۳۸

بحثِ پنجم (منافقوں کے بارے میں) ۴۰

نکتۂ اول: ۴۰

نکتۂ دوم: ۴۶

نکتۂ سوم: ۴۹

پہلی فصل (جوازِ لعنت پر دلائل) ۵۷

پہلی وجہ: ۶۰

Presented by Ziaraat.Com

قیاسِ منطقی کے صغرا کی پہلی صورت: ۶۰
قیاسِ منطقی کے صغرا کی دوسری صورت: ۷۸
پہلی صورت: ۸۳
دوسری صورت: ۸۴
تیسری صورت: ۸۴
دوسری وجہ: ۸۶
تیسری وجہ: ۸۷
چوتھی وجہ: ۸۸
پانچویں وجہ: ۸۹
چھٹی وجہ: (عظیم عہدۂ اسلام منصبِ امامت پر ظلم کیا) ۹۰
دوسری فصل (سورۂ احزاب کی آیت ۵۷ سے استدلال) ۹۳
استدلال کی پہلی صورت: ۹۴
صغرا پر پہلی دلیل: ۹۴
صغرا پر دوسری دلیل: ۱۰۷
استدلال کی تیسری صورت: ۱۱۰
استدلال کی چوتھی صورت: ۱۱۳
استدلال کی پانچویں صورت: ۱۱۵
تیسری فصل (سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۹ سے استدلال) ۱۲۱
(تیسری فصل کا نتیجہ) ۱۳۰
چوتھی فصل (سورۂ انفال کی آیت ۱۵، ۱۶ سے استدلال) ۱۳۱
پانچویں فصل (سورۂ مائدہ کی ۴۵، ۴۷، ۴۴ آیات سے استدلال) ۱۴۱

Presented by Ziaraat.Com

بحثِ اوّل: ۱۴۲
بحثِ دوّم (اعتراضات): ۱۵۱
بحثِ سوم (اعتراضات) ۱۶۲
چھٹی فصل (تبرّا مصادرِ اہلِ سنّت میں) ۱۸۶
ساتویں فصل (تبرّا مصادرِ اہلِ تشیع میں) ۲۱۹
خاتمہ ۲۳۹
بحثِ اوّل (عائشہ کے بارے میں): ۲۴۰
بحث دوم (اجتہاد وتقلید): ۲۴۳

۞۞۞۞

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

مقدمہ محققِ کرکیؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے میرے بے مثل زمین و آسمان خلق کرنے والے، اے غیب وشہود کے مالک، اپنے بندوں کے درمیان ہونے والے اختلافات کا فیصلہ کرنے والے۔ میں تیری ایسی ثنا کرتا ہوں جس کا تو اہل ہے، میں تیری ایسی تقدیس وتسبیح کرتا ہوں جو تیرے جلالِ قُدس اور عطائے جزیل کے شایانِ شان ہے، میں تیری حمد وشکر میں مبالغہ کرنا چاہتا ہوں کہ تو نے مجھے اپنے اولیا علیہم السلام کے تابع قرار دیا، نیز مجھے توفیق بخشی کہ میں اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کروں کہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں جو خامیاں مجھ سے رہ گئی ہے، میں اپنے دل وجان سے تیری خدمت کرنے کی کوشش کرتا ہوں، تو نے مجھے اپنے پسندیدہ اور خالص بندوں کی خدمت کرنے کی توفیق بخشی، میں اپنی کمی وکوتاہیوں کا اقرار کرتا ہوں۔

افضل واکمل درود وسلام ہو محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب پر جو اشرف المخلوقات اور اعظم الکائنات ہیں کہ جن کو تو نے پیکرِ کرم وسخا قرار دیا اور جو اولادِ آدم کے آقا وسردار ہیں اور درود وسلام ہو ان کے اہلِ بیتؑ پر کہ جو خزانُ العلم اور معادن الحکمت ہیں کہ جن کا گھرانہ وحی کی آماج گاہ ہے کہ جو سبیل الھدیٰ اور عروت الوثقی، ہر اس شخص کے لیے جس نے ان کی ان کے پلو کو تھام لیا، وہ ذریّتِ طاہرہ جن سے تم نے رِجس ونجاست اور جن وانس کی گندگی وغلاظت کو دور رکھا، نیز باقی گیارہ ائمہؑ جن کے ذریعے سے نعمت تمام فرمائی، دینِ قیم کو کامل کیا اور بہت بڑا احسان کیا، وہی تیری طرف راہنمائی کرتے ہیں اور صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں، ان پر درود وسلام بھیج کر اور ان کی ولایت کا اقرار کر کے میں تیری قربت چاہتا ہوں اور اعدائے آلِ محمدؐ پر لعنت بھیج کر اور ان سے ہر قسم کا قطعِ تعلق کر کے میں تیری رِضا کا امیدوار ہوں، پس یہ میرا عمل قبول فرما! کیوں کہ تو سمیع وعلیم ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

حمد وثنا اور درود وسلام کے بعد اللہ تبارک وتعالی کے حمد وثنا اس احسان وعطا پر کہ اس امت پر سے گم راہی کے بادل چھٹے اور اللہ رب العزت کی تائید ونصرت موسوی صفوی شاہی خاندان کی باہمت وتوانا، صحیح العقیدہ اور علوی طرزِ عمل کی حکومت قائم ہوئی۔ اللہ تعالی ہمیشہ اپنی مدد سے اور فرشتوں اور انسان وجن کی مدد سے ان کی تائید ونصرت فرمائی، اور ان کے پیغام کو وقعت عطا فرمائی اور کافروں کے پیغام کو قیامت تک کے لیے کم تر قرار دیا کہ اہلِ بدعت کی گردنوں کو جھکا دیا جو اہلِ سنّت کا نام استعمال کر کے بغاوت کر رہے تھے، ابھی وہ وقت آن پہنچا ہے کہ صاحبانِ عقل وشعور ان کی اصلیت جان لیں کہ انھوں نے اپنی طاقت وحکومتوں کے بل بوتے پر بے سر وپا باتیں لوگوں میں پھیلائیں اور چاہا کہ لوگ ان پر یقین کریں اور ان کی ہی بتائی ہوئی باتوں کو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین سمجھ بیٹھیں، صاحبانِ عقل وخرد ان کی ماضی کو ہی دیکھ لیں کس طرح ائمۂ کفر نے فرعونیت دکھائی اور حبِّ آلِ محمد کو لوگوں کے دلوں سے نکالنے کی کوشش کی، سب سے بڑی مصیبت جو اس امت پر آئی وہ یہ تھی کہ عترتِ محمدیؐ جو خطاؤں، لغزشوں، ضلالت و گم راہی، حبِّ دنیا و ما فیہا سے پاک و طاہر ہیں اور جن کے پاس علومِ نبویہ تھا ان کو دولتِ اسلامیہ کی باگ ڈور سے الگ کر دیا جاتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ فسق و فجور کے عادی لوگ جنھوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا، جو سنا اس کا انکار کیا، امیر المونینؑ اور اولادِ امام علیؑ کا حق ادا نہیں کیا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو مجلس و مقام امیر المومنینؑ کا تھا اسی پر بیٹھ گئے، یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے ہم تو صرف زبانی ایمان لائے ہیں۔ یہ لوگ دھاندلی و بد دیانتی میں مشہور بھی تھے باوجود ان تمام باتوں کے اپنے آپ کو خلیفۂ رسول اللہ کہلوایا جب کہ علم وتقوا میں ان کی کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی کوئی سابقہ فضیلت تھی اور نہ ہی کوئی نیک نامی اور ان کی پہچان مکر وفریب، دھوکہ دہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیتِ رسول علیہم السلام سے دشمنی تھی۔

اگر کسی کو ہماری باتوں پر شک ہے تو وہ ذرا سقیفہ میں ہونے والے معاملے کو ہی دیکھ لے، تم کیا جانو سقیفہ کیا ہے؟، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل وکفن ودفن کے مراسم میں شریک نہ ہو سکے، جب رسول

Presented by Ziaraat.Com

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل وکفن دیا جا رہا تھا اور ان کی تدفین کی جا رہی تھی اس وقت یہ عاشقانِ رسول کہلوانے والے حکومت وامارت حاصل کرنے میں مشغول تھے، وہ بھی ان لوگوں کی مدد سے جن کے باپ دادا اور بیٹے امام علیؑ کی تلوار سے واصلِ جہنم ہوئے اور وہ اپنی جان کی امان کی خاطر مسلمان ہوئے تھے۔

ایک عاقل انسان سمجھ سکتا ہے کہ منصبِ امامت جو دراصل ترجمانِ نبوت ہے اس پر ایسا بوڑھا تیمی جاہل جو امورِ دین سے نابلد ہے[1]، یہاں تک کہ نانی دادی کے میراث کے مسائل نہیں جانتا، یا بتوں کی عبادت میں بال سفید کر دیے ہیں، اسی طرح روکھا اکڑ ومزاج، مکر وفریب کا ماہر، بدتمیز، جس کے حسب ونسب مشکوک ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر حدِّ ادب سے باہر ہو جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشہ کے ساتھ ایسا سلوک کیا جو زمانۂ جاہلیت میں جاہل قومیں بھی اپنے اعدا سے اس طرح کا سلوک نہیں کرتیں تھیں۔

چنانچہ بنی امیہ کا بیل جس کو اٹھا کر مسلمانوں کے سروں پر بٹھا دیا، مال وغنائم میں سے اتنا حصہ دیا کہ جتنا انصار ومہاجرین میں سے بڑے بڑوں کو بھی کبھی نہیں ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن، ذریتِ بتول علیہم السلام کا دشمن، اس کی تلوار سے وہ مجاہدین مارے گئے جنھوں نے بدر واحد میں مشرکوں کا مقابلہ کر کے ان کو واصلِ جہنم کیا تھا۔

غور کریں اس وقت بات کہاں تک پہنچ گئی تھی کہ بنی امیہ کے شرابی وکبابی لوگ جو اعلانیہ فسق وفجور کے مرتکب ہوتے تھے وہ دینی معاملات میں مداخلت کرتے تھے، سونے اور حریر کا پہننا حلال قرار دے دیا اور ذریتِ مصطفا علیہم السلام اور محبانِ علیؑ کا قتلِ عام کیا۔

بعد ازآں بنی عباس انھیں ارجاس کے نقشِ قدم پر چل پڑے۔

پھر دیکھیں کہ ان بے وقوفوں نے امّت کے کس مجوسی کے لیے جگہ بنائی اور کہا کہ اگر آرائے امت قائم ہو جائے تو کوئی بھی امام بن سکتا ہے، جس سے ان کی غرض تھی کہ دنیا میں نظامِ امّت کی

---

[1] تفسیرِ طبری ج:۶ ص:۳۰، الغدیر، ج:۷، ص:۱۵۴

Presented by Ziaraat.Com

حفاظت ہو، اس قاعدے سے یہ بھی ممکن ہوگیا کہ کوئی جاہل وفاسق بلکہ کافر کی بھی اگر چند سرکردہ لوگ بیعت کرلیں تو وہ امام بن جائے گا اور اس کا حکم نافذ ہے، بلکہ اگر وہ امامِ عادل سے جنگ کرے، جنگ جیت جائے تو وہی شخص امام بن جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہوگا، خواہ بدمعاش وقماش ہی کیوں نہ ہو۔ پس مناصبِ شریعت وشرع کسی اور کے ہاتھوں میں چلے گئے۔

ایک دفعہ دعوا کرتے ہیں کہ ابوبکر کی امامت پر نص موجود ہے، پھر اس کے افضل ہونے پر بھی آپس میں اختلاف ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِيْلاً لَا تَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلاً۔

اگر مجھے خلیل بنانے کی اجازت ہوتی تو میں ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔

اور چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سبحانہ کے خلیل تھے لہٰذا کسی غیر کو خلیل نہیں بنایا۔

ایک انصاف پسند انسان اگر دقّت کرے گا پھر اس طرح کے جب جھوٹ سنے گا تو اس کے تعجب میں اضافہ ہوگا، کیوں کہ ابوبکر کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان کسی ایک بھی صفتِ حسنہ پر اتفاقِ رائے نہیں ہے کہ وہ بہت بڑے عالم ہوں، فقیہ ہوں یا بڑے متقی و پرہیزگار ہوں۔ یا دین کی سُوجھ بُوجھ میں سب سے زیادہ اہلیت رکھتے ہوں، تو کیا مطلب اس کے خلیل ہونے کا راز یہ ہے کہ وہ بتوں کے پجاری تھے، اور اسی عمل کو دہراتے ہوئے اس کے بال سفید ہوگئے تھے، جب ان لوگوں کو اپنی غلطی کی بھنک پڑ گئی تو دوسرا راستہ لے لیا اور کہہ دیا کہ بھائی دیکھیں امامت کا جو موضوع ہے وہ کوئی اصولی بحث نہیں ہے لہٰذا اس موضوع پر بحث وتحقیق واجب نہیں ہے اور نہ ہی کوئی رائے قائم کرنا ضروری ہے۔

اس کے باوجود اپنی کتابوں میں روایت کرتے ہیں کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً

اگر کوئی اپنے زمانے کے امام کی معرفت کے بغیر مر گیا تو وہ جہالت کی موت مرا۔[1]

---

[1] ینابیع المودۃ، قندوزی، ج ۳، ۵۶ ؛ احقاق الحق، شوستری، ج ۱۳، ۸۶ ؛ صحیح بخاری، بخاری، کتاب فتن باب ۲

Presented by Ziaraat.Com

ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ اسلامی مرکز اور شریعت کی حفاظت، گورنروں اور قُضات کی تقرر و معزولیت، جنگی امور، کفار اور باغیوں پر لشکرکشی، مظلوم کی حمایت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ یہ سب منصبِ نبوت کے تابع ہیں، اور نبی کے بعد یہ سارے امور امام کی ذمہ داری ہے کیوں کہ وہ نبی کا جانشین ہوتا ہے۔

پھر اللہ سبحانہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کو اپنا خدا بنایا ان کی پردہ پوشی میں حد سے گزر جاتے ہیں، احوالِ صحابہ پر نظرِ ثانی سے منع کرتے ہیں۔ اگر کوئی محقق صحابہ کے آپسی تعلقات پر تحقیق کرتا ہے، جوانھوں نے کفریہ کارنامے کیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بغاوتیں کیں، یہاں تک کہ رسولِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اختلاف کیا تو اس محقق کو بتایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَصْحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔

میرے صحابی ستاروں کے مانند ہیں کسی کی بھی پیروی کروگے تو راہنمائی حاصل کرلوگے۔

جب کہ ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ظاہری طور پر ایمان لانے والے منافقین بھی موجود تھے جو دل سے مسلمان نہیں تھے، اب ان کی صورتِ حال تو تب پتہ چلے گی جب ہر ایک کی زندگی میں سے ان کے اقوال و افعال پر نظر ڈالی جائے، جیسے عمر کا حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کی کتاب کو پھاڑنا اور پھر یہ کہنا:

مُتْعَتَانِ کَانَتَا عَلَی عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ حَلَالاً أَنَا أَنْهَی عَنْهُمَا وَ أُعَاقِبُ عَلَيْهِمَا۔

رسول اللہؐ کے دور میں دو متعہ حلال تھے اور میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں اور انجام دینے والے کو سزا دوں گا۔[۱]

لیکن وہ یہاں تک نہیں رکے بلکہ اگر کوئی ان دونوں میں سے کسی کو برا بھلا کہتا تو اس پر فاسق ہونے کا حکم نہیں لگاتے بلکہ اس کو کافر کہہ دیتے، اس کی تادیب واجب قرار دیتے، اور بغیر کسی دلیل کے اس شخص کا قتل واجب قرار دیتے، بلکہ ان کے اس طرح کے فتوے اللہ سبحانہ و

۱۔ تفسیر طبری، طبری، ج۵، ۹؛ تفسیر قرطبی، قرطبی، ج۵، ۱۳۰؛ سنن بیہقی، بیہقی، ج۷، ۲۰۶؛ تفسیر فخر رازی، رازی (سورۂ بقرہ ۱۹۶ اور سورۂ نسا ۲۴ کے ذیل میں)۔

Presented by Ziaraat.Com

تعالی کی شریعتِ مقدس پر افترا تھے اور پروردگار عنقریب ان کو ان کے اس عمل کی سزا دے گا۔

جب بنی امیہ و بنی عباس کے سلاطین نے دھوکے و مکر سے طویل المدت حکومتیں کیں، اور یہ سب جھوٹ لوگوں پر دہراتے رہے اور پھیلاتے رہے، جھوٹ در جھوٹ اتنا تکرار ہوا کہ ایک مدت گزر گئی جس کے بعد لوگوں نے جھوٹ وافترا کو ہی دین مان لیا، یہاں تک کہ بعض ضعیف الاعتقاد لوگ جو اپنے آپ کو شیعہ کہلواتے تھے بعض اوقات ان کو گمان ہوتا تھا کہ اِن نجس لوگوں پر لعنت کرنا شاید جائز نہ ہو، ان کا گمان تھا کہ کتاب وسنّت اور ائمۂ اہلِ بیتؑ سے اس طرح کی تعلیمات منقول نہیں ہوئی ہیں جن میں پلید لوگوں پر لعنت کی گئی ہو، تو میں نے دیکھا ایک مختصر سی کتاب اس موضوع پر لکھ دوں، جس میں اس موضوع پر پائے جانے والے ابہام دور ہو جائیں، کہ میں اس کتاب میں ان لوگوں کا کفر اور جوازِ لعنت ثابت کروں گا اور قرآن وسنّتِ رسول سے دلیل دوں گا اور وہ دلائل اہلِ سنّت کے ثقہ علما سے وارد ہوئی ہیں، جو انھوں نے اپنی کتب میں لکھی اور ثابت کی ہیں، تا کہ ہر طبقے سے تعلق رکھنے والا انسان بآسانی غور وفکر کر سکے، ہمارے پاس قطعی دلائل ہیں جن کی تعداد بے انتہا ہے، لیکن ہماری بھی دیگر مصنفین کی طرح موضوع کو مختصر رکھنے کی کوشش رہے گی، میرا مقصد قربتِ الٰہی ہے، نیز پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آنحضرتؐ کی اولادِ طاہرہؑ ہے، اور میں اس عالی شان حکومت کی خدمت کرنا چاہتا ہوں، کیوں کہ یہ حکومت شجرۂ آلِ محمد کی ٹہنی، اور ان کے چشمے کی ایک شاخ ہے، کیوں کہ میں اگر تیر وتلوار سے نہیں لڑ سکتا تو کم سے کم زبانی کلامی لعنت تو بھیج سکتا ہوں، میں امید کرتا ہوں اللہ سبحانہ میری اس ادنی سی کوشش کی وجہ سے بہت سے گم راہ لوگوں کو راستہ دکھائے گا اور وہ جہالت کی زندگی سے باہر نکل کر نورانی زندگی گزاریں گے، میں امید کرتا ہوں بروزِ محشر ذاتِ باری کی قربت نصیب ہوگی، اس کتاب کا نام "نَفَحَاتُ اللَّاهُوتِ فِي لَعْنِ الْجِبْتِ وَ الطَّاغُوتِ" (یعنی بتوں اور سرکشوں پر لعنت کرنے کے لیے آسمانی تحفے) رکھا ہے۔

اس کتاب میں ایک مقدمہ، چند فصول اور آخر میں ایک خاتمہ ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

مقدمہ

Presented by Ziaraat.Com

بحثِ اوّل (لعنت کے معانی)

لعنت عربی میں دھتکارنے اور دور کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، کتاب الصحاح کے مصنف کا کہنا ہے:

"لعن" کا معنی دھتکارنے اور خیر سے دور کرنے کے ہیں، اس عمل کا نام "لعنت" ہے، عربی زبان میں لعن کی جمع لِعَانٌ اور لَعَناتٌ ہے، اور مرد کے لیے لَعِینٌ اور مَلْعُونٌ کہا جائے گا اور خاتون کے لیے بھی لَعِینٌ کہا جائے گا،

اسی طرح سے مثال ہے کہ:

وَرَجُلٌ لَعَنَتْهُ النَّاسَ كَثِيراً۔

لوگوں نے آدمی کو بہت زیادہ دھتکارا۔

اور کلمۂ (لَعْنَةٌ) کا عین (ع) ساکن ہے۔

علامہ زمخشری نے اساس البلاغہ میں کہا ہے:

اس کے خاندان والوں نے اس پر لعن کیا یعنی اس کو دھتکار دیا اور خود سے دور کر دیا اسی طرح سے کہا جائے گا کہ مرد لعین ہے یعنی مرد دھتکارا ہوا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے ابلیس پر لعنت کی، یعنی اس کو جنّت سے دھتکارا اور ملائکہ سے دور کر دیا، میں نے کتے بھیڑیے پر لعن کی یعنی میں نے ان کو دھتکارا۔

میرا ماننا ہے کہ جب (لَعْنَةُ اللهِ عَلَيْهِ) بد دعا کے طور پر کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس کو دھتکار دیا اور اپنی رحمت سے دور کر دیا اور یہاں پر دھتکارنے کا مطلب رحمتِ الٰہی سے دوری اور نزولِ عقوبت وعذاب ہے (یہ لعنت کے معنا کا ملازمہ ہے) اور لعنت سے غضب کا معنا لینا بھی بعید نہیں ہے، کیوں کہ غضبِ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ پروردگار حالتِ غضب میں کوئی فعل انجام دے، نہ کہ خود غضبِ حقیقی کیوں کہ غضبِ حقیقی کے لیے جسم ہونا لازمی ہے، اور خدا جسم سے مبرّا ہے لہٰذا غضبِ حقیقی کہنا محال ہوگا۔

Presented by Ziaraat.Com

بحثِ دوّم (لعنت کرنا ایک عبادت)

جو شخص مستحقِ لعن ہے اس پر لعنت بھیجنا بسا اوقات نماز کی طرح عبادت بن جاتا ہے، کیوں کہ اس کے مستحق کی بہ نسبت وہ عبادت ہے، چنانچہ نماز پڑھنے سے ثواب ملتا ہے بالکل اسی طرح لعنت بھیجنے سے بھی ثواب ملتا ہے، بشرطی کہ تقرّبِ الٰہی کی خاطر ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اپنی کتابِ عزیز میں لعنت بھیجی ہے اور بعض آیات میں لعنت بھیجنے کا حکم بھی دیا ہے:

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِينَ

پس کافروں پر خدا کی لعنت ہے۔[1]

نیز ارشادِ الٰہی ہے کہ:

أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

ان پر اللہ، ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔[2]

اور ارشادِ باری تعالی ہے:

أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ

ان پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔[3]

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَن يَلْعَنِ اللّٰهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور جس پر خدا کی لعنت ہو تو پھر آپ اس کا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔[4]

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا

اور اس پر خدا غضب ناک ہے اور خدا لعنت بھی کرتا ہے اور اس نے اس کے لیے عذابِ عظیم بھی مہیاّ کر رکھا ہے۔[5]

نیز ارشادِ خدا ہے:

١۔ سورۂ بقرہ: ٨٩۔

٢۔ سورۂ بقرہ: ١٦١۔

٣۔ سورۂ بقر: ١٥٩۔

٤۔ سورۂ نسا: ٥٢۔

٥۔ سورۂ نسا: ٩٣۔

Presented by Ziaraat.Com

نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا

ان پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ہم نے اصحابِ سبت پر لعنت کی ہے اور اللہ کا حکم بہر حال نافذ ہے۔[۱]

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ

آگاہ ہو جاؤ کہ ظالمین پر خدا کی لعنت ہے۔[۲]

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا

یقیناً جو لوگ خدا اور اس کے رسول کو ستاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں خدا کی لعنت ہے اور خدا نے ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیّا کر رکھا ہے۔[۳]

مذکورہ آیات کے علاوہ بھی بے شمار آیات ہیں:

وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

ان پر ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔[۴]

اس آیت میں پروردگار اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ ملائکہ اور لعنت کرنے والے مستحقِ لعنت پر لعنت کرتے ہیں۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روک کر رکھتی ہیں۔[۵]

اب ظاہر ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے طلاق یافتہ خواتین کے لیے خبر نہیں بلکہ امر ہے۔ کیوں کہ خبر دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس کو خبر مان لیا جائے

---

[۱] سورۂ نسا: ۴۷۔

[۲] سورۂ ہود: ۱۸۔

[۳] سورۂ احزاب: ۵۷۔

[۴] سورۂ بقرہ: ۱۶۱۔

[۵] سورۂ بقرہ: ۲۲۸۔

Presented by Ziaraat.Com

تو اس دوران اس طرح ہوتا ہی نہیں تھا (یہ آیت نازل ہونے کے بعد اس پر عمل ہوا) جس کا مطلب یہ ہوا کہ خبر واقع سے مطابق ہی نہیں ہے، اور یہ امر محال ہے کہ اللہ سبحانہ خبر دیں اور ایسا در حقیقت نہ ہو۔ آیاتِ الٰہیہ میں لعن کا ذکر تکرار سے ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبادت زیادہ پسندیدہ ہے، آپ ذرا سوچیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لعنت کو اپنے سید الانبیا سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ثبوت کا ذریعہ بنایا، نجران کے نصارا کے ساتھ چنانچہ ارشاد ہے:

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ

پھر ہم مباہلہ (یعنی گڑگڑا کر دعا) کرتے ہیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں۔[۱]

یہ ہی وجہ تھی کہ نصارا گھبرا گئے اور صلح کرنے کی خواہش کی اور جزیہ دیا مگر آنحضرتؐ کی لعنت کا سامنا نہیں کیا، یہ ہی صورتِ حال اس فقہی مسئلے میں بھی ہے جو میاں بیوی کے درمیان لعان (یعنی خاوند کا زوجہ پر بدکاری کا الزام لگانے) پر ہے، جو دونوں سے حد کو ساقط کر دیتا ہے، اور لعان کرنے والوں کی طرف بچے کی بھی نسبت نہیں دی جاتی، بعض دفعہ عورت پر حد جاری ہو سکتی ہے اگر وہ شہود و بینہ کے بغیر پیچھے ہٹ جاتی ہے، یہ سب لعن کے اعلا قدر اور بلند مرتبہ ہونے پر دلالت ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا احکامِ شرعیہ اس پر مرتب ہیں۔

آنحضرتؐ سے روایت ہے:

لَعَنَ اللهُ اَلْكَاذِبُ وَلَوْ كَانَ مَازِحًا۔

اللہ جھوٹے پر لعنت کرتا ہے اگر چہ وہ مذاق ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔

جب ابوسفیان نے ایک ہزار ابیات میں آنحضرتؐ کے شان میں گستاخی کی تھی تو آپؐ نے فرمایا تھا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي لَا اُحْسِنُ الشِّعْرَ وَلَا يَنْبَغِي لِي اَللّٰهُمَّ اِلْعَنْهُ بِكُلِّ حَرْفٍ اَلْفَ لَعْنَةٍ۔

اے میرے اللہ! میں شاعر نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے شاعر ہونا چاہیے، اے میرے اللہ اس آدمی پر ہر ایک حرف کے بدلے ہزار لعنت بھیج۔

---

[۱] سورۂ آلِ عمران: ٦١۔

Presented by Ziaraat.Com

اس طرح کی اور بہت روایتیں ہیں۔

امیر المومنینؑ ایک جماعت پر لعنت فرمایا کرتے تھے، روایت میں ہے کہ آپؑ واجب نمازوں کی دعائے قنوت میں معاویہ[1] عمرو بن عاص، ابوموسی اشعری، ابی اعور سلمی پر لعنت بھیجا کرتے تھے، جب کہ امیر المومنینؑ انسانوں میں جنایت کاروں کے بارے میں سب سے زیادہ بردبار تھے، آپؑ اپنا وقت کم قیمت چیزوں میں خرچ نہیں کرتے تھے، اگر آپؑ بھی لعنت کرتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ لعنت کرنا مستحقین کے اوپر بہترین عبادت ہے شاید یہ ہی وجہ ہے کہ آپؑ نے افضل عبادات جیسا کہ نماز و دعا میں اس عبادت کو شامل فرمایا۔

اہلِ سنّت روایت کرتے ہیں کہ عائشہ نے عثمان پر لعنت کی اور عثمان نے بھی عائشہ پر لعنت کی، عثمان سے ناراض ہوکر وہ مکۂ مکرمہ چلی گئیں۔

ہمارے اصحاب نے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ اپنے بعض نوافل میں قریش کے دو بتوں پر لعنت فرمایا کرتے تھے اور وہ دو بتوں سے مراد ابوبکر اور عمر تھے۔[2]

شیخِ طوسیؒ نے اپنی کتاب "التہذیب" میں روایت کی ہے کہ امامِ صادقؑ تعقیباتِ نماز میں چار لوگوں پر لعنت بھیجا کرتے تھے جن میں ابوبکر و عمر بھی شامل تھے۔

جو لوگ جانتے ہیں کہ امام حسنؑ و معاویہ اور اس کے اصحاب کے درمیان جو کچھ ہوا اس کے بعد کس طرح امامِ حسنؑ نے ان پر لعنت کی اور ان کی حقیقت کھول کر رکھ دی جس طرح کہ اہلِ سنّت نے خود بھی روایت کی ہے۔

محققین جانتے ہیں کہ جو روایات ائمۂ اطہارؑ سے "الکافی" وغیرہ اور دیگر کتبِ احادیث میں اور دعاؤں میں نقل ہوئیں ہے کہ ائمّۂ اطہارؑ نے مستحقینِ لعنت اور گم راہی پھیلانے والوں کے سرداروں پر لعنت بھیجی ہے اور صراحت کے ساتھ نام بھی مذکور ہیں، اس

---

[1] ۔الغدیر، امینی، ج ۱۰، ۱۵۷۔

[2] دعائے صنمئ قریش، ۲، ۱۷۲-۱۷۴۔

Presented by Ziaraat.Com

سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل شعائرِ اسلام میں سے ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے، اور جو بعض حشویہ فرقے سے تعلق رکھنے والے کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

امام صادقؑ نے فرمایا کہ:

مَنْ شَكَّ فِي كُفْرِ أَعْدَائِنَا وَ الظَّالِمِينَ لَنَا فَهُوَ كَافِرٌ۔

جو ہمارے دشمنون اور ہم پر ظلم کرنے والوں کے کفر پر شک کرے وہ کافر ہے۔

(وسائل الشیعہ، حرّ عاملی، ج۱۸، ۵۴۱)

لَا تَكُونُوا لَعَّانِينَ۔

زیادہ لعنت کرنے والے نہ بنو۔

اور امیر المومنینؑ نے اہلِ شام پر لعنت کرنے سے منع فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ چاہتے تھے کہ لوگ گالم گلوچ میں نہ پڑ جائیں، یہاں تک کہ ہر ایک پر لعنت بھیجنا شروع ہو جائیں، چنانچہ آپؐ نے فرمایا: لعّانین (حد سے زیادہ لعنتیں بھیجنے والے) نہ یہ کہ جو لعنت کا مستحق بھی ہو تو اس پر لعنت نہ بھیجو جیسا کہ بعض افترا پرداز گمان کرتے ہیں، اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہی مراد ہوتی تو آپؐ فرماتے:

لَا تَكُونُوا لَاعِنِينَ۔

لعنت کرنے والے نہ بنو۔

کیوں کہ دونوں تعبیروں میں فرق ہے، لسانِ عرب کے دقائق جاننے والے اس بات کو ٹھیک سے سمجھ سکتے ہیں۔

باقی جو امیر المونینؑ نے اہلِ شام پر لعنت کرنے سے منع فرمایا تو وہ ایک امید کی بنا پر

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ وہ اسلام کی طرف رجوع کرلیں گے، جیسے ایک شفیق ومہربان راہنما کی اپنی رعیت کے بارے میں روش ہوتی ہے، لہٰذا فرمایا:

اَللّٰھُمَّ أَصۡلِحۡ ذَاتَ بَیۡنِنَا۔

اے میرے اللہ! ہمارے باہمی معاملات کو درست فرما۔

اس کی مثال فرعون کے قصّے میں ملتی ہے:

فَقُولَا لَہُ قَوۡلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہُ یَتَذَکَّرُ أَوۡ یَخۡشَیٰ

سوتم دونوں اس سے نرم (انداز میں) گفت وگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔[1]

---

[1] سورۂ طہٰ: ٤٤۔

Presented by Ziaraat.Com

بحثِ سوم (مستحقینِ لعنت کے بارے میں)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے لعنت کا مطلب دھتکارنا اور رحمت سے دور کرنا ہے، نیز مکلف کے اوپر سزا وعقوبت کا آنا، پس ہر فعل وقول جو سزا وعقوبت کا تقاضا کرے جیسا کہ فسق، کفر وغیرہ تو وہاں پر لعنت جائز ہوجاتی ہے، اس پر ارشادِ باری دلیل ہے:

وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ

اور اس پر خدا کا غضب بھی ہے اور خدا لعنت بھی کرتا ہے۔[1]

نیز ارشادِ خدا ہے کہ:

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ

اور پانچویں مرتبہ یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔[2]

اللہ سبحانہ نے جھوٹے پر لعنت کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جھوٹ فسق میں آتا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے زنا کے بارے میں حال آں کہ زنا کفر نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ

آگاہ ہوجاؤ کہ ظالمین پر خدا کی لعنت ہے۔[3]

یعنی ہر ظالم پر لعنت ہے۔ کیوں کہ "الظالمین" پر الف لام عموم کے معنی میں ہیں، اور فاسق اپنے نفس پر ظالم ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ

سو ان میں سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔[4]

اس آیۂ مبارکہ میں اللہ سبحانہ نے "مقتصد" یعنی درمیان رہنے والوں کو اور اللہ کے حکم سے

---

[1] سورۂ نسا: ۹۳۔
[2] سورۂ نور: ۷۔
[3] سورۂ ہود: ۱۸۔
[4] سورۂ فاطر: ۳۲۔

Presented by Ziaraat.Com

نیکیوں میں آگے بڑھ جانے والوں کو قسیم کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔

روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

لَعَنَ اللهُ الْكَاذِبَ وَلَوْ كَانَ مَازِحاً وَلَعَنَ جَمْعًا مِنْ ذَوِي الْمَعَاصِي

اللہ تبارک وتعالی نے جھوٹے پر لعنت کی ہے خواہ مذاق میں ہی جھوٹ بول رہا ہو اور تمام معصیت کاروں پر لعنت کی ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر گناہ پر لعنت جائز ہو جائے گی تو ہم کہتے ہیں کوئی شک نہیں، گناہانِ کبیرہ لعنت کو جائز قرار دے دیتی ہیں، کیوں کہ گناہانِ کبیرہ دنیا و آخرت میں ذم و عقاب کی متقاضی ہیں اور لعنت کے یہ ہی معنی ہے، باقی جیسا کہ گناہانِ صغیرہ ہیں جن کے بارے میں اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ

جو لوگ چھوٹے گناہوں (اور لغزشوں) کے سوا بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔[۱]

علما نے آیۂ مبارکہ میں گناہوں کی تفسیر گناہانِ صغیرہ سے کی ہے، لہٰذا ان کا ایمان ناقص نہیں ہوگا اور اس کے فاعل کی شہادت ردّ نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کی عدالت ساقط ہوگی، جی ہاں! اگر اس نے اصرار و تکرار کیا ان گناہوں پر تو پھر اس پر بھی لعنت جائز ہو جائے گی۔

۱۔ سورۂ نجم: ۳۲۔

Presented by Ziaraat.Com

بحثِ چہارم (لعنت کرنا واجب ہے یا جائز)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنے اولیا کی مودت واجب قرار دی ہے، اسی طرح ہی اپنے اعدا سے برائت اور ان سے دور رہنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ کتنے ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔

اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ

آپ اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اس شخص سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے جو اللہ اور اُس کے رسولؐ سے دشمنی رکھتا ہے خواہ وہ اُن کے باپ (اور دادا) ہوں یا بیٹے (اور پوتے) ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے قریبی رشتہ دار ہوں۔[1]

الصحاح کے مصنف نے کہا:

"اَلْمُحَادَۃُ" کا معنی مخالفت اور واجبات سے روکنے کے ہیں۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مومنین کا دشمنِ خدا کے ساتھ دوستی رکھنا محال ہے جب کہ اس آیت سے غرض یہ ہے کہ کسی مومن کا خدا کے دشمن سے محبت کرنا سزاوار نہیں ہے کیوں کہ اگر مومن کا ایسا کرنا محال ہوتا تو اس بات پر مبالغے کے ساتھ نہی وارد نہیں ہوتی۔

ممتنع ومحال ہے کہ تم کسی ایسی قوم کو دیکھو جو مومن ہو اور اللہ تبارک وتعالی کے مخالفین سے محبت رکھتے ہو، غرض یہ ہے کہ اس طرح ہونا نہیں چاہیے، (مگر آیۂ مبارکہ میں) تعبیر اس طرح بیان کرنا کہ "اس طرح نہیں ہوتا" اس کا مطلب یہ ہے کہ اعدائے الٰہی سے تعلقات استوار کرنے کے بارے میں نہی وزجر میں مبالغہ ہے خواہ خونی رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں، ان سے دور رہنا ہے۔

---

[1]۔ سورۂ مجادلہ: ۲۲۔

Presented by Ziaraat.Com

الکشاف کے مصنف نے کہا:

یہ آیۂ مبارکہ کا حکم بابِ تخیل میں سے ہے۔[۱]

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

نبیؐ اور صاحبانِ ایمان کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے حق میں استغفار کریں چاہے وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ اہلِ جہنّم ہیں۔[۲]

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ

اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ (یعنی چچا آزر، جس نے آپ کو پالا تھا) کے لیے دعائے مغفرت کرنا صرف اس وعدہ کی غرض سے تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے، پھر جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے (اس سے لاتعلق ہو گئے اور پھر کبھی اس کے حق میں دعا نہ کی)۔ بے شک ابراہیمؑ بڑے دردمند (گریہ وزاری کرنے والے اور) نہایت بردبار تھے۔[۳]

مذکورہ آیات صراحت کے ساتھ حکم دے رہی ہیں کہ اعدائے الٰہی سے عداوت واجب ہے بلکہ ایمان کا جز ہے کیوں کہ اس امر کی مخالفت کرنے والا مومن شمار نہیں ہوگا، نیز زبانِ عرب کا قاعدہ بھی اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے، شاعر کہتا ہے:

تَوَدُّ عَدُوّی ثُمَّ تَزعُمُ أَنَّنی
صَدیقُكَ إِنَّ الرَّأیَ مِنكَ لَعازِبُ

میرے دشمن سے دوستی کر کے تم یہ گمان کر رہے ہو کہ تم میرے دوست ہو یہ بات تم سے بعید ہے۔

پس دشمن کی مودّت انسان کو ولی کی ولایت سے خارج کر دیتی ہے، چنانچہ خدا اور اس کے

۱۔ تفسیر الکشاف۔
۲۔ سورۂ توبہ: ۱۱۳۔
۳۔ سورۂ توبہ: ۱۱۴۔

Presented by Ziaraat.Com

اولیا سے مودت نہ کرنا حرام ہے اسی طرح سے دشمنِ خدا سے مودت کرنا حرام ہے۔

روایت ہے کہ آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لاَ تَجْعَلْ لِفَاسِقٍ وَلاَ فَاجِرٍ عِنْدِی نِعْمَةً فَإِنِّی وَجَدْتُ فِیمَا أُوحِیتُهُ۔

اے میرے اللہ! کسی فاجر و فاسق کی نعمت میرے پاس نہ قرار دے؛ کیوں کہ میرے پاس تیری وحی موجود ہے[1]۔

مزید یہ کہ شارعِ مقدس مشرکین سے فقط اقرارِ وحدانیت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ تمام مدعیانِ ربوبیت کا انکار کرے۔ چناچہ جب کوئی یہودی اسلام قبول کرے گا تو اسے شہادتین بھی پڑھنا پڑیں گی۔ اسی طرح اس عیسائی کا اسلام بھی قبول نہیں ہے جو یہ مانتا ہو کہ حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اعراب کے لیے مبعوث کیے گئے تھے جب تک کہ وہ آنحضرتؐ کی مطلق نبوت پر ایمان نہیں لے آتا۔ پس معلوم ہوا کہ اعدائے الٰہی پر تبرا ایمان کا جز ہے، اور بروزِ محشر اس کے متعلق اللہ سبحانہ سوال کرے گا، ہر وہ شے جس سے عداوت ظاہر ہو رہی ہو وہی تبرا و بےزاری اور لعنت ہے، اگرچہ وہ بالواسطہ طور پر ہی کیوں نہ ہو، یعنی التزامی معنی کے طور پر ہو لیکن ہونی عداوت ہی چاہیے۔

امیر المومنینؑ کا فرمان ہے:

فَأَمَّا السَّبُّ فَسُبُّونِي فَإِنَّهُ لِي زَكَاةٌ وَ لَكُمْ نَجَاةٌ وَ أَمَّا الْبَرَاءَةُ فَلَا تَتَبَرَّءُوا مِنِّي فَإِنِّي وُلِدْتُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَ سَبَقْتُ إِلَى الْإِيمَانِ وَ الْهِجْرَةِ۔

جہاں تک برا بھلا کہنے کا سوال ہے تو مجھے برا بھلا کہو کیوں اس میں میرے لیے بھلائی ہے اور تمھارے لیے نجات ہے، لیکن اگر وہ برائت کرنے کے بارے میں کہے تو مجھ سے برائت مت کرنا کیوں میں دینِ

[1]۔ یہاں سورۂ مجادلہ کی آیت ۲۲ کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ ہے: آپ اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اس شخص سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی رکھتا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

فطرت پر پیدا ہوا ہوں اور اسلام و ہجرت میں سبقت رکھتا ہوں۔[1]

پس اگر مکلف اس طرح کی (دشمنانِ اہلِ بیت پر) بدگوئی کرنے پر اکتفا کرے جو لوازمِ برائت ہوں تو بھی کافی ہے، اور وہ اپنے خیر کی جزا پائے گا، اس صورت میں بھی برائت واجب اور ایمان کا جز ہی رہے گی، اور اس پر اس کو ثواب ملے گا، لیکن اگر اس بدگوئی اور لعنت کو برائت کے ساتھ انجام دے تو یہ اولا اور مستحب مؤکد ہے، کیوں کہ اللہ سبحانہ نے اس کے ذکر کو کلامِ مجید میں تکرار فرمایا۔

ایک سوال کا جواب رہ گیا ہے، کہ آیا دشمنانِ خدا سے بے زاری و برائت میں ان کی پہچان واجب ہے یا اجمالی طور پر کہ جو بھی اللہ سبحانہ کا دشمن ہے اس سے بے زاری کر لے اگرچہ مکلف اس دشمنِ خدا کو نام سے نہ جانتا ہو؟

حق یہ ہے کہ اصولِ دین کی ایک مقدار دشمن کی پہچان پر موقوف ہے۔ چنانچہ کوئی شخص نبوت کا مستقل دعوا کرتا ہے یا ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں شرکت کا دعوا کرتا ہے تو ہر مکلف پر واجب ہے اسی دعوے کے اعتبار سے اس سے برائت کرے اور اس کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھے، اگر ایسا نہیں کرتا تو گویا اس نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی بھی تصدیق نہیں کی، کس کس نے نبوت کا دعوا کیا ہے؟ اس سوال کا جواب جاننا واجب نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شخص جس نے بھی اس طرح کا دعوا کیا ہے خواہ وہ ان کو جانتا ہو یا نہیں جانتا ہو ان سے بے زاری و لعن کرے، لیکن اگر وہ جانتا ہو تو بے زاری و لعنت پر زیادہ تاکید اور حکم اقوا ہو جائے گا۔ کلمۂ توحید میں بھی یہ ہی حکم ہے، اور یہ ہی حکم امامت کا بھی ہے کیوں کہ امامت بھی اصولِ دین میں سے ہے۔

---

[1]۔ یہ روایت کا ایک ٹکڑا ہے، اس کے شروع میں امام علی علیہ السلام نے ایک خبر دی ہے کہ ایک ظالم تم لوگوں کو مجبور کرے گا میرے بارے میں برا بھلا کہو اور مجھ سے بے زار ہو جاؤ، تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: ابنِ ابی الحدید کی شرح نہج البلاغۃ، ج ۴، ص: ۵۴۔۵۶، وسائل الشیعۃ، ج ۱۶، ص: ۲۲۸۔ مرآۃ العقول فی شرح أخبار آل الرسول، ج ۹، ص: ۱۷۴۔ مترجم

Presented by Ziaraat.Com

امامت کے دلائل

پہلی دلیل:

امامت، نبوت کا بدل ہے، اور نبوت اصولِ دین میں سے ہے تو بس امامت بھی اصولِ دین میں سے ہونی چاہیے۔ اگر کوئی کہے کہ جو کچھ نبوت کے لیے ثابت ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ سب کچھ اس کے جانشین کے لیے بھی ثابت ہو تو ہم کہیں گے کہ ہم نے آپ کی بات تسلیم کر لی۔ لیکن ہر وہ چیز جو جانشینی کے لیے ضروری ہے وہ جانشین کے لیے ثابت رہے گی کیوں کہ اس کے بغیر جانشینی محال ہو جائے گی، اور وہ تقاضا کرتی ہے کہ امامت اصولِ دین میں سے ہو کیوں کہ اگر امامت اصولِ دین میں سے نہ ہو تو عمومی جانشینی نہیں رہے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں مکلفین پر امامت کی معرفت کا حصول واجب نہیں رہے گا کیوں کہ عوام پر تمام شرعی احکام جاننا واجب نہیں ہیں کہ وہ تقلید کرتے ہیں، بس وہ فروعات میں مجتہد کے فتاوا کی طرف رجوع کرتا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ

اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو اسے عذابِ الٰہی سے ڈرائے کہ شاید وہ اسی طرح ڈرنے لگیں۔[۱]

تقلیدی طور پر امام کی امامت کا یقین حاصل نہیں ہوگا، عین ممکن ہے کہ تقلید کرتے ہوئے کسی غیرِ امام کو امام مان لے، تو امام کا امر و نہی کے نافذ کرنے کا فائدہ فوت ہو جائے گا، بلکہ اس عمل کا لازمہ یہ ہے کہ شر و فساد اور فتنوں کے ساتھ فسق و فجور عام ہو جائے گا، اگر بحث و تحقیق واجب نہ ہو (جس طرح کہ اصولِ دین میں ہوتا ہے) اور امامت کے دعوادار زیادہ لوگ ہوں، سب کی خواہشات مختلف ہوں جیسا کہ معاویہ کے زمانے میں ہوا تھا تو ایسی صورت میں ویسے ہی تقلید ممنوع ہو جائے گی کیوں کہ اختلاف کی صورت میں عقل اجازت نہیں دیتی کہ کسی ایک کو امام

۱۔ سورۂ توبہ: ۱۲۲۔

Presented by Ziaraat.Com

تسلیم کرلیا جائے اور دوسرے کو بغیر کسی وجہ کے ترک کر دیا جائے۔

دوسری دلیل:

وہ علت اور وجہ اور ضرورت جو نبی کی طرف ہوتی ہے، نبی کی رحلت کے بعد امام کی طرف ہوتی ہے، لوگوں کی وہ ضروریات جو نبی سے پوری ہوتی تھیں وہ امام پوری کرے گا، کیوں کہ واضح سی بات ہے لوگوں کو ایک سردار و مرشد اور رہنما کی ضرورت رہتی ہے، کیوں کہ شر کا داعی انسان میں ہر زمانے کے اندر پایا جاتا ہے، پس جس طرح اللہ سبحانہ کی حکمت کے مطابق نبی کا وجود لازم ہے اسی طرح اللہ سبحانہ کی طرف سے امام کا ہونا بھی لازم ہے۔

لیکن اگر کہا جائے کہ یہ امّت معصوم ہے اور دلیل کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مندرجہ حدیث پیش کی جائے کہ:

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِي عَلٰى خَطَاءٍ۔

میری امت خطا پر اجماع نہیں کرسکتی۔

تو ہم جواب میں کہیں گے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اس روایت کو قبول نہیں کرتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم اسی حدیث کے مطابق کہتے ہیں کہ امام (معصوم از خطا) ہر زمانے میں امت کے درمیان موجود ہوتا ہے، اور وہ گم راہی سے معصوم ہوتا ہے، لہٰذا امت کا اجماع گم راہی پر نہیں ہوسکتا، کیوں کہ امام (جو ہر خطا سے مبرا ہے) ان کے درمیان میں ہے، تو پھر آپ کیوں اس حدیث کو امت کی عصمت کی دلیل قرار دیتے ہیں اور امام کی عصمت کا انکار کرتے ہیں؟

تیسری بات یہ ہے کہ حدیث کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی آپ لوگوں کا دعوا ثابت نہیں ہوسکتا، ممکن ہے امت گم راہی پر جمع نہ ہو لیکن صرف ایک ہی شخص ہدایت یافتہ ہو تو باقی افراد کے لیے ایک راہنما و مرشد لازم ہو جائے گا۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس صورت میں عہدۂ امامت کا عمومی نہ ہونا لازم آئے گا۔

تو ہم کہیں گے کہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ ممکن ہے کہ ایک آدمی کسی ایک مورد میں گم راہ

Presented by Ziaraat.Com

ہوجائے اور باقی مسائل میں آگاہ ہو۔ پس ہر ایک کے لیے امام کا وجود ضروری ہوجائے گا، اس بنا پر امامت، نبوت کی طرح اصولِ دین میں سے ہے اور، اجتہاد امامت کا نعم البدل نہیں ہے۔

تیسری دلیل:

آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد سب سے اہم امر یہ ہے کہ دین کی حفاظت کی جائے اور دین کو تبدّل وتغیّر سے بچایا جائے۔ مکلفین کی تعلیم، دین کی تبلیغ، مسائل کا حل، کفار سے جہاد (تا کہ وہ اسلام قبول کرلیں یا جزیہ دیں اگر جزیہ کے اہل ہوں)، یہ تمام مذکورہ امور منصبِ نبوت کے تابع ہیں، بے شک یہ امورِ دین ہیں، اور یہ امور آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد منصبِ امامت کی ذمہ داری ہیں، پس ان امور کی اصل امامت ہوگی، اور اصل سے ہماری مراد بھی یہ ہی ہے۔

اگر کہا جائے کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ۔[1]

آج میں نے تمھارا دین کامل کردیا۔

نیز ارشادِ باری ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔[2]

اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شے کی وضاحت موجود ہے۔

ان آیات کے مفہوم سے پتا چلتا ہے کہ احکام وشریعت میں امام کی ضرورت نہیں ہے۔

ہم کہیں گے کہ زیادہ تر مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ پہلی والی آیت غدیرِ خم میں تب نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ علیؑ کو اپنے بعد امام کے طور پر متعارف کروایا تھا، لیکن اگر ہم آپ کی مان لیں تو بھی اکمالِ دین سے مراد اکمالِ اصولِ دین ہے کیوں کہ فروعِ دین کے اکمال کا ارادہ محال ہے کیوں کہ صورتِ حال گواہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اسی روز ہر فرعی مسئلے پر خصوصی

۱۔ سورۂ مائدہ: ۳

۲۔ سورۂ نحل: ۸۹

Presented by Ziaraat.Com

گفت وگو نہیں فرمائی تھی۔ اور یہ ویسے بھی ممکن نہیں ہے کیوں کہ روزمرہ کے واقعات وحوادث زمانے کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں (تو احکام بھی اسی اعتبار سے ہوں گے)۔

باقی دوسری آیت اس بات پر دلیل ہے کہ کتابِ حکیم میں ہر شے کا بیان ہے لیکن اس بات پر دلالت نہیں کر رہی ہے کہ اس کو شرح وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، اسی گمان کے بطلان میں کوئی شک نہیں ہے کیوں کہ ہر واقع کا خصوصی حکم کلامِ مجید میں مذکور نہیں ہوسکتا، اس کے لیے بیان کرنے والے کی ضرورت ہے اور وہ نبی ہوگا یا امام، چنانچہ ارشاد ہے:

أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ۔

اور آپ کی طرف بھی ذکر (قرآن) نازل کیا ہے تا کہ ان کے لیے ان احکام کو واضح کردیں جو ان کی طرف نازل کیے گئے ہیں۔[۱]

نیز ارشاد ہے:

وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ۔

اور ہم نے آپ پر کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے کہ آپ ان مسائل کی وضاحت کردیں جن میں یہ اختلاف کیے ہوئے ہیں۔[۲]

اگر کہا جائے کہ کتابِ کریم میں احکام کا اجمال موجود ہے اور ان کی تفصیل کے لیے مجتہد کافی ہے، جو ہر حکم کی تفصیل بیان کرے گا۔

تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی باطل جواب ہے کیوں کہ کتنے ہی ایسے احکامات ہیں جن کی دلیل مجتہدین کے پاس کلامِ مجید میں سے نہیں ہے، ان کو معلوم نہیں ہوتا کہ حکم کہاں سے اخذ کریں، بلکہ سنّت میں سے بھی دلیل معلوم نہیں کرسکتے، بلکہ جب سے اہلِ سنّت نے ائمۂ اہلِ بیتِ اطہارؑ سے منہ موڑا ہے تب سے وہ قیاس واستحسان وغیرہ سے کام چلا رہے ہیں، بس دین کے ساتھ دل لگی کر

۱سورۂ نحل: ۴۴

۲سورۂ نحل: ٦۴

Presented by Ziaraat.Com

رہے ہیں۔ چنانچہ ابوحنیفہ کہتا ہے کہ نماز کی ہر ایک رکعت میں آیہ "مُدْهَامَّتَانِ[۱]" کا ترجمہ بھی پڑھنا کافی ہے۔[۲]

بالفرض قولِ باطل کے قائل ہوجائیں تو اس زمانے میں احکامِ شرعی بیان کرنے والا موجود نہیں ہے، کیوں کہ اہلِ سنّت کے ہاں مجتہد صرف چار ہیں، کسی پانچویں کو اجازۂ اجتہاد نہیں ہے، (مزید وضاحت آئندہ کی بحثوں میں ہے) حال آں کہ یہ قول صریحاً قرآن وسنّت کے خلاف ہے، اسی وجہ سے ان میں سے بعض نے مجتہد کو مطلق ومقید میں تقسیم کیا ہے، مجتہدِ مقید کو مذاہبِ اربعہ میں جائز اور مجتہدِ مطلق کو حرام قرار دیا، اس طرح کی خرافات جن کو سن کر پاگل بھی ہنس پڑے، لیکن جو لوگ جادۂ حق سے ہٹ جاتے ہیں پھر وہ اس طرح کی بے کار باتوں سے ہی کام چلاتے ہیں۔

بے سَروپا دعووں کے تسلیم کے باجود تغیّر وتبدّل سے شریعت کی حفاظت کے لیے امام کا ہونا لازمی ہے، ایسا امامِ معصوم جو عصمت کی وجہ سے فعلِ معصیت انجام نہ دے سکے، ایسا شخص نہ ہو جو دنیا کی خاطر آسانی سے دین کو چھوڑ دے، چنانچہ عثمان نے اس شخص کو مال ودولت سے نوازا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر بدر کردیا تھا، اور معاویہ جو حریر کی پوشاک پہنتا تھا، ابنِ عباس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّهُ مُحَرَّمٌ عَلٰی رِجَالِ أُمَّتِي۔

یہ حریر میری امت کے مردوں پر حرام ہے۔

تو اس نے کہا میری نظر میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں تک کہ حضرتِ ابنِ عباسؓ کو کہنا پڑا کہ کوئی معاویہ کے خلاف میری مدد کرنے والا ہے؟، میں اس سے کہتا ہوں: رسول اللہ۔ (یعنی رسول اللہؐ نے فرمایا ہے) وہ کہتا ہے:

لَا أَرَى بَأسًا۔

مجھے اس میں (حریر پہننے میں) کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

۱۔ سورۂ رحمان: ۶۴

۲۔ وفیات الاعیان، ابن خلکان، ج ۵، ۱۸۰؛ طبقات الشافعیہ سبکی، ج ۴، ۱۴

Presented by Ziaraat.Com

یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ظاہری اسلام لے کر آئے تھے کیوں کہ عہدِ نبوی کے قریب زمانے سے تھے، باقی جو یزید، بنی مروان اور بنی عباس کے سے ہیں اگر کوئی ان کی زندگی کا مطالعہ کرے تو جان جائے گا کہ دین پر کیسی مصیبت تھی، بلا شک ثابت ہو جائے گا کہ تمام مکلفین تک یہ بات پہنچ جائے کہ دینِ اسلام کی بقا کے لیے امام کا ہونا ضروری ہے جو معصوم ہو۔ پس اسی وجہ سے امامت اصولِ دین میں سے ہے۔

اگر کہا جائے کہ امام کا ظاہر ہونا ضروری ہے تا کہ وہ لوگوں کے درمیان موجود رہے ان کی اصلاح کرے، جو نافذ ہونا چاہیے اس کو نافذ کرے، شریعت کو ہر قسم کی تغیّر و تبدّل سے محفوظ رکھے، لیکن اگر آپ لوگوں نے اس کے لیے تقیہ اور غیبت کو جائز قرار دے دیا تو دین کی حفاظت

امامِ حسن عسکریؑ اپنے اجداد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کسی صحابی سے فرمایا کہ:

يَا عَبْدَ اللّٰهِ أَحْبِبْ فِي اللّٰهِ وَ أَبْغِضْ فِي اللّٰهِ وَ وَالِ فِي اللّٰهِ وَ عَادِ فِي اللّٰهِ فَإِنَّهُ لَا تُنَالُ وَلَايَةُ اللّٰهِ إِلَّا بِذٰلِكَ وَ لَا يَجِدُ رَجُلٌ طَعْمَ الْإِيمَانِ وَإِنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ وَ صِيَامُهُ حَتّٰى يَكُونَ كَذٰلِكَ وَ قَدْ صَارَتْ مُوَاخَاةُ النَّاسِ يَوْمَكُمْ هٰذَا أَكْثَرُهَا فِي الدُّنْيَا عَلَيْهَا يَتَوَادُّونَ وَ عَلَيْهَا يَتَبَاغَضُونَ وَ ذٰلِكَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئاً

"اے بندۂ خدا! خدا کی خاطر محبت، بغض، دوستی اور دشمنی کیا کرو پس اسی کے سبب تمھیں خدا کی خوشنودی حاصل ہوگی اور جب تک کوئی شخص ایسا نہ ہو جائے وہ اس وقت تک ذائقۂ ایمان کو حاصل نہیں کر سکتا، اگرچہ وہ کثرت سے نماز روزے کا پابند ہو اور آج کل لوگوں کا آپس میں بھائی چارہ اور دوستی دنیا کے لیے ہوتی ہے اور زیادہ تر دنیا ہی کے لیے ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور دنیا ہی کے لیے ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں اور اس طرح کے لوگ بارگاہِ الٰہی میں بے نیاز نہیں ہو سکتے۔"

پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ میں کس طرح سے یہ جانوں کہ میری محبت اور دشمنی خدا کی خاطر ہے کہ نہیں؟ اور کون اللہ کا دوست ہے کہ میں اس سے محبت کروں اور کون اللہ کا دشمن ہے کہ میں اس سے دشمنی کروں۔

پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنینؑ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ: "ان کو جانتے ہو؟"

اصحاب نے فرمایا کہ جی ہاں! ہم جانتے ہیں۔ پھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَلِيُّ هٰذَا وَلِيُّ اللّٰهِ فَوَالِهِ وَ عَدُوُّ هٰذَا عَدُوُّ اللّٰهِ فَعَادِهِ وَ وَالِ وَلِيَّ هٰذَا وَ لَوْ أَنَّهُ قَاتِلُ أَبِيكَ وَ وُلْدِكَ وَ عَادِ عَدُوَّ هٰذَا وَ لَوْ أَنَّهُ أَبُوكَ وَ وَلَدُكَ

ان (مولا علیؑ) کا دوست اللہ کا دوست ہے تو ان کے محب سے محبت کرو اور ان (مولا علیؑ) کا دشمن دشمنِ خدا ہے تو ان کے دشمن سے دشمنی رکھو اور ان (مولا علیؑ) کے محب کے محب سے بھی محبت کرو اگرچہ وہ تمھارے باپ یا اولاد کا قاتل ہی کیوں نہ ہو اور ان (مولا علیؑ) کے دشمن کے دشمن سے بھی دشمنی رکھو اگرچہ وہ تمھارا باپ یا اولاد ہی کیوں نہ ہو۔

Presented by Ziaraat.Com

کیسے ہوگی اور اس کے وجود سے مکلفین کو کیا فائدہ پہنچے گا[۱]، پس منصبِ امام کے وجوب کی دلیل ویسی کی ویسی ہی رہ جائے گی؟

ہمارا جواب یہ ہے کہ جو لیل ہم نے بیان کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کا وجود حکمتِ الٰہیہ کے تحت لازمی ہے، جس طرح اللہ سبحانہ نے نبوت کو لازم قرار دیا ہے، امام کے پاس نبی کی طرح وہ تمام اختیارات ہوں جس کی رعیت کو ضرورت ہے تاکہ امام ایک حکومت تشکیل دے سکے، اگر لوگوں نے اس کی اطاعت کی اور اس کی بات مانی اور اس کا حق ادا کیا تو اس کا فائدہ خود لوگوں کو ہے، لیکن اگر اطاعت نہیں کی، جس کے باعث امام کے دشمن اس پر غالب آجائیں اور امام کی مدد ونصرت سے باقی لوگ کنارہ کش ہوجائیں تو ایسی صورتِ حال میں کوتاہی خود لوگوں کی ہے کیوں کہ اللہ سبحانہ کی حکمت میں امام کی مدد ونصرت کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ملائکہ کو نازل کرے تاکہ وہ دین کو زمین پر قائم کرسکے، پس دلیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام کا نصب ہونا لازم ہے، نہ اس سے زیادہ اور نہ کم۔

نیز اللہ سبحانہ کی مراد اطاعت سے اطاعتِ اختیاری ہے نہ زور زبردستی والی اطاعت ہے لہٰذا ایسی معرفت جو مجبوری یا کسی ایسی وجہ سے ہو جیسا کہ قیامت کو دیکھ کر، موت کو دیکھ کر ایمان لے کر آئے وہ ایمان قبول نہیں کیا جاتا۔

نیز مخالفین کا سوال کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکۂ مکرمہ کی دس سال کی زندگی کے بھی خلاف ہے، آنحضرتؐ نے کارِ نبوت انجام نہیں دیا، قریش کی طرف سے اجازت ہی نہیں تھی بلکہ آپؐ سے میل جول ہی ممنوع تھا۔ اور جس وقت آپؐ غار میں تشریف لے جاتے تھے، کیا اسی اثنا میں اسلام وشریعت، عدل وانصاف لوگوں کے درمیان میں قائم ہوتا تھا، آنحضرتؐ کے منصب سے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تھا؟ ہمارا مخالف اس سوال کے جواب میں جو کچھ کہے گا، امام کی غیبت وتقیہ کے متعلق ہمارا بھی جواب وہی ہوگا۔

---

[۱]۔ اس کی مزید تفصیل اجتہادِ عامہ کی بحث میں آئے گی۔

Presented by Ziaraat.Com

چوتھی دلیل:

خداوندِ متعال نے قرآن میں اس موضوع پر ارشاد فرمایا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں۔[۱]

اسی طرح ارشاد ہے کہ:

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ۔

اور جو نماز قائم کرتے ہیں۔[۲]

اللہ سبحانہ نے اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں اطاعتیں، فرماں برادری، اور معرفت یہ سب اصولِ دین میں سے، پھر دونوں اطاعتوں کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا حکم دے دیا، پہلے اللہ سبحانہ کی اطاعت کا حکم اس کے رسول اللہؐ اور آخر میں اولی الامر کی اطاعت کا حکم، پس معلوم ہوا کہ معرفتِ اولی الامر بھی اصولِ دین میں سے ہے۔

اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔

جسی کسی کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اپنے زمانے کے امام کی معرف نہ رکھتا ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا ہے۔

یہ روایت صراحت کے ساتھ دلالت کر رہی ہے کہ امامت اصولِ دین میں سے ہے کیوں کہ فروعِ دین کے کسی بھی مسئلے سے جاہل مرجانے والا جاہلیت کی موت نہیں مرتا خواہ وہ مسئلہ شرعیت کے واجبات میں سے ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ کسی فروعی مسئلے سے جاہل ہونا اس کے اسلام وایمان کو زائل نہیں کرتا، پس جب بات یہاں تک ثابت ہوگئی تو معلوم ہوا کہ ائمہؑ کی

[۱]۔ سورۂ نسا: ۵۹

[۲]۔ سورۂ مائدہ: ۵۵

Presented by Ziaraat.Com

امامت کی تصدیق تب ممکن ہوگی جب مکلف کو معلوم ہوگا کہ جس نا اہل کے لیے امامت کا دعوا کیا گیا ہے (ائمہؑ اطہارؑ کے علاوہ) وہ ظالم وافترا پرداز ہے اور حدّ سے گزر جانے والا ہے، اور اس کا دعوا باطل ہے، نیز اقرار کرے کہ وہ امامِ حق کی رعیت میں سے ہے، اور ائمہؑ کی عمومی امامت کا اقرار کرے، غیر (دشمنِ اہلِ بیتؑ) سے بے زاری وتبرا کرے اور نیز ان کے افعال سے لاتعلقی کرے، خواہ وہ ان کی شخصیات کو ناموں کے ساتھ جانتا ہو اور پھر ان پر تبرا کرے تو یہ اکمل واوثق ایمان کا درجہ ہے، مکلف کے لیے کافی نہیں ہے کہ وہ اعدائے اہل بیتؑ سے بے زاری ولاتعلقی تو کرے اور امام کی معرفت جس طرح ہم نے بیان کی ہے (کہ عہدۂ امامت اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے) حاصل نہ کرے تو یہ کافی نہیں ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

بحثِ پنجم (منافقوں کے بارے میں)

اہلِ سنّت کا گمان ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور ان میں سے کسی ایک پر بھی طعن و اعتراض اور لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کم کوئی چیز جائز ہے اگر چہ ان کی بعض لغزشیں (بے دینی وجرائم) اور غلطیاں معلوم بھی ہو جائیں، لوگوں کو منع کر دیا کہ ان کے آپسی معاملات میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ انھوں نے کہا اس سے صرفِ نظر کریں، اگر ان کے بارے میں کوئی ایسی بات معلوم ہو جو شریعتِ مقدس کے خلاف ہو یا عقل سے سازگار نہ ہو تو اس کی تاویل کریں، حال آں کہ یہ عجیب و غریب باتیں ہیں۔

اس مسئلے کے حوالے سے چند مطمعِ نظر ہیں:

نکتۂ اول:

دعوا کیا ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ بے شک جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے وہ صحابی ہے، نیز ایمان و عدالت دونوں ایسی صفات ہیں جو خود بخود کسی کے اندر نہیں ہوتے بلکہ ان کے حصول کے لیے انسان کو ریاضت کرنی پڑتی ہے، پس جس طرح غیر صحابی کا ایمان اور اس کی عدالت کے لیے دلیل و برہان چاہیے بالکل اسی طرح صحابی کے ایمان و عدالت کے ثبوت کے لیے بھی دلیل و برہان کی ضرورت ہے۔

مذکورہ دعوے کے بطلان میں کوئی شک ہی نہیں ہے، کیوں کہ واضح سی بات ہے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں منافقین موجود تھے، آپؐ کے شہر میں موجود تھے، مسلمانوں کے ساتھ گھلے ملے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آتے تھے بات چیت ہوتی تھی، وہ کہتے کہ ہم اصحاب میں سے ہیں، لوگ ان کے بارے میں نہیں جانتے تھے، اور نہ ہی ان کی کوئی خاص پہچان تھی؛ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ

Presented by Ziaraat.Com

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۔

اگر ہم چاہیں تو وہ لوگ آپ کو دکھا دیں اور آپ انھیں علامتوں سے پہچان لیں اور (خاص کر) آپ انھیں ان کے اندازِ گفت و گو سے تو ضرور پہچان لیں گے اور اللہ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے۔[۱]

منافقین کی موجودگی میں ہر صحابی کی عدالت کا حکم لگانا کس طرح کی عقل مندی ہے، مگر یہ کہ کسی خاص دلیل سے ثابت ہو جائے کہ فلاں صحابی مومن و عادل ہے۔

اگر کہا جائے کہ آنحضرتؐ ان کو جانتے تھے، چوں کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ[۲] ۔

اور (خاص کر) آپ انھیں ان کے اندازِ گفت و گو سے تو ضرور پہچان لیں گے۔

تو ہمارا جواب ہوگا کہ ہماری بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان کے بارے میں نہیں ہے، ہم بات کر رہے ہیں کہ باقی لوگوں کو کس طرح معلوم ہو کہ کون مومن ہے اور کون منافق؟

اگر کہا جائے کہ باقی صحابہ بھی جانتے تھے کہ کون کون منافق ہے، کیوں کہ روایت ہے کہ ایک جماعت کا نفاق معروف و مشہور تھا۔

تو ہمارا جواب ہوگا کہ اگر یہ بات ٹھیک بھی ہو تب بھی منافقین صرف اسی ایک گروہ میں منحصر نہیں تھے جو مشہور ہو گیا تھا، بلکہ عدالت اگر ایک بار ثابت ہو جائے تو بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ زائل نہیں ہو سکتی، بلکہ ممکن ہے کوئی مسلمان ہو کر ترکِ اسلام کر دے، جیسا کہ حضرتِ موسیٰؑ کے ایک صحابی کے بارے میں ارشاد ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ۚ ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ

۱۔ سورۂ محمد: ۳۰

۲۔ سورۂ محمد: ۳۰

Presented by Ziaraat.Com

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔

اور انھیں اس شخص کی خبر سنایۓ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا کیں پھر وہ ان سے بالکل الگ ہو گیا اور شیطان نے اس کا پیچھا پکڑ لیا تو وہ گم راہوں میں ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان ہی آیتوں کے سبب بلند کر دیتے لیکن وہ خود زمین کی طرف جھک گیا اور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کر لی تو اب اس کی مثال کتّے کے سی ہے کہ اس پر حملہ کرو تو بھی زبان نکالے رہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہ اس قوم کی مثال ہے جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی تو اب آپ ان قصّوں کو بیان کریں کہ شاید یہ غور و فکر کرنے لگیں۔[1]

حال آں کہ اس شخص کو اللہ سبحانہ نے اپنی آیات عطا فرمائیں، کہا گیا ہے کہ وہ شخص اسمِ اعظم جانتا تھا مگر پھر کافر ہو گیا، اگر ایسے بھی ہو سکتا ہے تو صحابہ کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہو جاتا ہے کہ انھوں نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کیا کیا اور رحلتِ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کیا کردار تھا، تاکہ پتا چل سکے کہ کس کی موت عدالت پر واقع ہوئی اور کس کی نہیں، یہ سب معلوم کرنے کے لیے سیرت و تواریخ کے مطالعے کے علاوہ کوئی اور صورت نظر نہیں آتی۔

بخاری نے اپنی صحیح میں کتابِ تفسیر میں آیت:

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔

کہ میں ان کا حال دیکھتا رہا جب تک میں ان کے درمیان رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا (جب سے) تو ہی ان پر نگراں ہے۔[2]

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

ابنِ عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ:

۱۔ سورۂ اعراف: ۱۷۵، ۱۷۶

۲ سورۂ مائدہ: ۱۱۷

Presented by Ziaraat.Com

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ إِلَى اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا

اے لوگو! تم اللہ کے پاس ننگے پاؤں ننگے جسم اور بغیر ختنے کے جمع کیے جاؤ گے۔

پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ، وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ۔

اور جس طرح ہم نے تخلیق کی ابتدا کی ہے اسی طرح انھیں واپس بھی لے آئیں گے یہ ہمارے ذمے ایک وعدہ ہے جس پر ہم بہر حال عمل کرنے والے ہیں۔ (آخر آیت تک)[1]

پھر فرمایا کہ:

"أَلَا وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ، أَلَا وَإِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ

آگاہ رہو! قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے حضرتِ ابراہیمؑ کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔

اور ہاں! میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا اور انھیں جہنم کی بائیں طرف لے جایا جائے گا۔

میں عرض کروں گا، میرے رب! یہ تو میرے صحابی ہیں؟ مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔ اس وقت میں بھی وہی کہوں گا جو عبدِ صالح حضرتِ عیسیٰؑ نے کہا تھا:

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ، فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ[2]۔

کہ میں ان کا حال دیکھتا رہا جب تک میں ان کے درمیان رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا (جب سے) تو ہی ان پر نگراں ہے۔

مجھے بتایا جائے گا کہ:

۱۔ سورۂ انبیا: ۱۰۴

۲۔ سورۂ مائدہ: ۱۱۷

Presented by Ziaraat.Com

إِنَّ هَؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ۔

آپ کی جدائی کے بعد آپ کے یہ اصحاب مرتد ہو گئے تھے۔[1]

مسلم نے اپنی صحیح[2] میں روایت کی ہے:

حضرتِ ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان نصیحت آموز خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تُحْشَرُونَ إِلَى اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا،

"اے لوگو! تم کو اللہ کے سامنے ننگے پاؤں بے لباس بے ختنہ اکٹھا کیا جائے گا۔

پھر آیتِ قرآن کی تلاوت فرمائی:

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ۔

"جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کا آغاز کیا تھا اسی کو دوبارہ لوٹائیں گے۔ یہ ہم پر (پختہ) وعدہ ہے ہم یہ ہی کرنے والے ہیں۔[3]

پھر فرمایا کہ:

أَلَا وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسَى، يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ. أَلَا وَإِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي، فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ،

یاد رکھو! مخلوقات میں سے سب سے پہلے جنھیں لباس پہنایا جائے گا وہ حضرتِ ابراہیمؑ ہوں گے۔ اور یاد رکھو! میری امت میں سے کچھ لوگ لائے جائیں گے، پھر انھیں پکڑ کر بائیں (جہنم کی) طرف لے جایا جائے گا۔

میں کہوں گا کہ اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں۔ تو مجھے کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ تو میں وہی کچھ کہوں گا جو عبدِ صالح (حضرتِ عیسیٰؑ) کہیں گے کہ:

۱۔ صحیح بخاری، بخاری، ج ۶، ۵۵

۲۔ صحیح مسلم، مسلم، الجنۃ وصفۃ نعیمہا، فناء الدنیا؛ مسند، ابن حنبل، ج ۱، ۳۳۵۔ ۳۵۳۔

۳۔ سورۂ انبیا: ۱۰۴

Presented by Ziaraat.Com

وَ كُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ، فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ، وَأَنتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ، إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ، وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ، فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔

میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان کے درمیان رہا، جب تو نے مجھے اٹھالیا تو ان پر تو نگہبان تھا۔ اگر تو انھیں عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو یقیناً تو ہی بڑا غالب اور بڑا دانا ہے۔[1]

پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بتایا جائے گا کہ:

إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ۔

آپ کی جدائی کے بعد آپ کے یہ اصحاب مرتد ہو گئے تھے۔ یہ مسلسل اپنی ایڑیوں پر لوٹتے چلے گئے۔

وکیع اور معاذ کی حدیث میں یہ ہے کہ "تو کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟۔[2]

صحیح مسلم وصحیح بخاری کی روایت کو ابو ہریرہ کی روایت کے ساتھ جمع کرنے کے بعد یہ روایت موردِ اتفاق ہوجاتی ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں بھی ایسے ہی ہے، زہری کی حدیث ہے سعید بن مسیب سے آنحضرتؐ اپنے بعض اصحاب کے بارے میں گفت وگو فرما رہے تھے:

يَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ رِجَالٌ مِنْ أُمَّتِي فَيُحَلَّئُونَ عَنْهُ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ إِنَّهُمْ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى۔

حوض پر میرے صحابہ کی ایک جماعت آئے گی۔ پھر انھیں اس سے دور کر دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا میرے رب! یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا تھا، یہ الٹے پاؤں (اسلام سے) واپس لوٹ گئے تھے۔

پھر کہتا ہے کہ حدیثِ ابنِ ابی شہاب سے بھی ایسی روایت نقل کی ہے۔

۱۔ سورۂ مائدہ: ۱۱۸

۲۔ صحیح مسلم، مسلم، ج ۴: - كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها ۱۴- باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة۔ (مترجم)

Presented by Ziaraat.Com

میں کہتا ہوں کہ جب ارتداد اصحاب رسول سے واقع ہوسکتا ہے تو یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں سب کے سب ایمان وعدالت پر تھے؟

مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

يَكُونُ بَعْدِى أَئِمَّةٌ لَا يَهْتَدُونَ بِهُدَایَ، وَلَا يَسْتَنُّونَ بِسُنَّتِي، وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ۔

میرے بعد ایسے امام ہوں گے جو میری دی ہوئی ہدایت نہیں بتائیں گے، اور نہ ہی میری سنّت کی روشنی میں عمل کریں گے، ان میں ایسے لوگ قیام کریں گے جن کے دل شیطانوں کے دل کے سے ہوں گے اور جسم انسانوں کے۔

حضرتِ حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ:

كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللهِ، إِنْ أَدْرَكْتُ ذَلِكَ؟

اگر میں اسی زمانے کو پالوں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

تَسْمَعُ وَتُطِيعُ لِلْأَمِيرِ، وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ، وَأُخِذَ مَالُكَ، فَاسْمَعْ وَأَطِعْ۔

سنو اور حکم کی اطاعت کرو، اگرچہ تمھاری کمر توڑ دی جائے، اور تمھارا مال لے لیا جائے، سنو اور اطاعت کرو۔[1]

اس روایت کو مشکات نے بھی روایت کیا ہے۔

نکتۂ دوم:

صحابہ میں سے کسی کی بھی برائی اور ان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ اس کی اصلیت آشکار ہو جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شرف وتقدم اور بلند مرتبہ دینِ مقدس کی پابندی سے حاصل ہوتا ہے، نیز کوئی شک نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جس میں کوئی موجبِ واعتراض فعل

---

[1] صحیح مسلم، مسلم، کتاب الامارۃ۔

Presented by Ziaraat.Com

ہو اس کا انکار واجب ہے، دین کی اتباع اور اس کا اعتقاد، اس کی طرف رجحان رکھنے والے سب برابر ہیں کیوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سب کے لیے ہے، مخلوق میں سے کسی کی بھی کوئی خاص اہمیت (دین سے ہٹ کر) اور شارع کی (کسی سے دین سے ہٹ کر) محبت نہیں ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی معصیت کار کو نہی عن المنکر کرنے سے منع کرے؛ چوں کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصبِ نبوت کا فائدہ ختم ہوجاتا ہے، اگر اس میں امتیازی سلوک ہو، کوئی شخص علی الاعلان دین کی مخالفت کرتا ہو اور دین کی تعظیم کرنے کا حکم دے، ایسے دین کی اتباع کرنے سے فطرت منع کرتی ہے، اس قول کا بطلان دلیل کا محتاج نہیں ہے، حال آں کہ اللہ سبحانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، جب کہ آنحضرتؐ اللہ سبحانہ کی عزیز ترین تخلیق ہے:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔

اگر تم شرک اختیار کروگے (گو کہ یہ محال ہے) تو تمھارے تمام اعمال برباد کردیے جائیں گے اور تمھارا شمار گھاٹے والوں میں ہوجائے گا۔[۱]

نیز ارشادِ الٰہی ہے کہ:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ۔ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ۔

اور اگر یہ پیغمبر ہماری طرف سے کوئی بات گھڑ لیتا (گو کہ یہ محال ہے)۔ تو ہم اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتے۔ اور پھر اس کی گردن اڑا دیتے۔[۲]

نیز روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

۱۔ سورۂ زمر: ۶۵

۲۔ سورۂ حاقّہ: ۴۴، ۴۵، ۴۶

Presented by Ziaraat.Com

لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ سَلَامُ اللهِ عَلَيْهَا لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔

اگر حضرتِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا چوری کرتیں (گو کہ یہ محال ہے) تو میں ان کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

پس کسی بندے کے لیے کیوں کر جائز ہے کہ جو بندۂ خدا ہے، روزِ قیامت ملاقات بھی کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ یزید لعنہ اللہ صحابی ہے اور عادل ہے جب کہ اس نے نواسۂ رسولؐ کا قتل کیا، ان کی عورتوں اور اہل وعیال کو قیدی بنایا، ان کو اپنے پاس شام بلوایا نہایت بے ادبی اور گستاخی کے ساتھ، جس طرح کفارِ روم و دیلم کے کفار کو لایا جاتا تھا، امامؑ کا سر اپنے سامنے رکھ کر شراب پی رہا ہے اور اپنی چھڑی دندانِ مطہر پر مار رہا تھا، مدینۂ رسول اللہ پر حملہ کرایا اور اس کو دیگر بلادِ کفر کی طرح مباح قرار دیا، حرمِ نبوی اور قبرِ مطہرِ رسول کا بھی لحاظ نہیں کیا، نیز (مکۂ مکرمہ پر حملہ کا حکم دے کر) مسجد الحرام تک کی توہین کرادی۔

یہ ہی قول معاویہ کے بارے میں بھی ہے کہ جس نے فتحِ مکۂ مکرمہ کے بعد تلوار کی خوف سے اسلام قبول کیا تھا اور ۱۸ ماہ امیر المومنینؑ سے حالتِ جنگ میں رہا۔

حال آں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنینؑ سے فرمایا تھا کہ تم سے جنگ مجھ سے جنگ ہے۔ علی الاعلان امیر المومنینؑ پر لعنتیں بھیجیں، کئی سالوں تک منبر سے امیر المومنینؑ پر سب وشتم ہوتا رہا۔[۱]

حال آں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا يُحِبُّكَ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُكَ إِلَّا مُنَافِقٌ۔

تم سے صرف مومن محبت کرے گا اور صرف منافق بغض رکھے گا۔[۲]

۱۔ حدیثِ نبی: جس نے علیؑ پر سب وشتم کیا اس نے مجھ پر سب وشتم کیا اور جس نے مجھ پر سب وشتم کیا اس نے خدا پر سب وشتم کیا اور جس نے خدا پر سب وشتم کیا خدا اسے منہ کے بل جہنم میں پھینکے گا۔ المستدرک علی الصحیحین، حاکم، ج ۳، ۱۲۱۔ ۱۲۷۔ ۱۳۰؛ مسند احمد، احمد، ج ۶، ۳۲۳؛ فرائد السمطین، ابراہیم خراسانی، ج ۱، ۳۰۲؛ شرح نہج البلاغہ، ابن حدید، ج ۴، ۵۴

۲۔ صحیح مسلم، مسلم، ج ۱، ۸۶؛ مسندِ احمد، احمد بن حنبل، ج ۶، ۲۹۲؛ فرائد السمطین، ابراہیم خراسانی، ج ۱، ۳۶۶؛ مختصر تاریخِ دمشق، ابن منظور، ج ۱۷، ۳۶۷۔ ۳۶۹۔

Presented by Ziaraat.Com

اس کے علاوہ ان دونوں باپ بیٹوں کی ایسی ایسی بدترین مثالیں موجود ہیں کہ صاحبِ بصیرت انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔

نکتۂ سوم:

صحابہ کے درمیان جو معاملات ہوئے اور جو افعال ان سے صادر ہوئے ان پر غور وفکر کرنا جائز نہیں ہے اوران کا کوئی فعل اگر شریعتِ مطہرہ کے خلاف ثابت ہوجائے تو اس کی تاویل کریں تو یہ سب افترا پردازی اور جہالت ہے؛ اللہ سبحانہ نے حکم دیا ہے کہ سابقہ امتوں کے حالات کا جائزہ لیں اوران کے انجام کو دیکھیں، تو اللہ سبحانہ وتعالی اس امت کے حالات کا جائزہ لینے سے کیسے منع کرے گا، حالہ آں کہ اس امت کے حالات و واقعات کا جائزہ لینا زیادہ ضروری ہے، چوں کہ روایات کا اقبال ان پر موقوف ہے۔ روایت قبول کرنا ان کی صورتِ حال جاننے اور سیرت و عدالت کے معلوم ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے، ان بے وقوفوں کے گمان میں صحابہ کی کوئی ایسی خاصیت ہے کہ جس کی وجہ سے ان کو معصیت پر بھی عقاب نہیں ہوگا اوران کے گناہ کی تاویل کی جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی وہ بات معلوم ہوجائے جو شریعت میں جائز نہیں ہے تو وہ مواخذہ نہیں فرمائیں گے؟ یعنی اللہ سبحانہ نے کچھ خاص لوگ ایسے قرار دیے ہیں جن کے گناہ پر ان سے باس پرس نہیں کرے گا اور معصیت پر عقاب نہیں کرے گا؟ میرے اللہ تو اس بہتانِ عظیم سے بہت بلند و بالا ہے، تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماعز کو کیوں رجم کیا تھا؟ حالہ آں کہ وہ تو صحابی تھے، اصحابِ افک (عائشہ پر تہمت لگانے والوں) کو کوڑے مارے، حالہ آں کہ حضرتِ مسطح بنِ اثاثہؓ بھی ان میں شامل تھے، وہ بدری صحابی تھے، اوران کے دیگر صحابی بھی تھے، کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ وہ سب صحابی ہیں، بلکہ خونی رشتہ داریاں کام نہیں آئیں، بلکہ آنحضرتؐ نے اپنے چچا کے بیٹے کا خیال نہیں کیا، اپنے چچا عباس کو گرفتار کرلیا، حال آں کہ چچا باپ کے درجے پر ہوتا ہے، نیز عقیل بنِ ابی طالب کو قیدی بنایا، کسی رشتہ داری کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا، ان بے عقل لوگوں نے اپنے بے وقوفانہ دعووں پر عمر بنِ

Presented by Ziaraat.Com

خطاب سے جعلی روایت نقل کی اور اس سے استدلال کیا، کہ وہ کہتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

سَأَلْتُ رَبِّي عَنِ اخْتِلَافِ أَصْحَابِي مِنْ بَعْدِي

میں نے اپنے رب سے میرے بعد اپنے اصحاب کے بارے میں سوال کیا

تو اللہ سبحانہ نے مجھے وحی فرمائی:

يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ أَصْحَابَكَ عِنْدِي بِمَنْزِلَةِ النُّجُومِ فِي السَّمَاءِ بَعْضُهَا أَقْوَى مِنْ بَعْضٍ وَلِكُلٍّ نُورٌ فَمَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَيْهِ فَهُوَ عِنْدِي عَلَى هُدًى۔

اے محمدؐ! یقیناً تمھارے اصحاب میری بارگاہ میں آسمانی ستاروں کی مانند ہیں بعض ایک دوسرے سے قوی ہیں، اور ان میں سے ہر ایک نور ہے، پس جو شخص ان میں سے کچھ لے لے تو وہ میری بارگاہ میں اپنا ہدف حاصل کر چکا ہے۔

نیز عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ۔

صحابی ستارے ہیں کسی کی بھی اتباع کرلو ہدایت پالوگے۔

یہ احدیث چند وجوہ کی بنا پر من گھڑت ہے:

پہلی وجہ:

یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ خداوندِ عادل وحکیم ایک جماعت وگروہ کے بارے میں (جو ان کے مستقبل کے بارے میں جانتا بھی ہے) جن میں سے کوئی بھی معصوم نہیں ہے، نیز خطا و جہالت بھی ممکن ہے، بلکہ ان میں سے بہت سوں سے پیماں شکنی بھی صادر ہوئی ہے، ان کے درمیان آپس میں اس قدر اختلاف کے باوجود حکم دے کہ ان میں سے کسی کی بھی اتباع کرلو یہ ہدایت ہے، حال آں کہ غلطی، جہل، فراموشی، فسق وفجور اور کفر کے وقوع کا امکان ہے، اور سب کا اتفاق ہے کہ وہ معصوم نہیں ہیں، آیا یہ عقیدہ بدی کی طرف راغب کرنے اور جہالت کا حکم دینے کے علاوہ کچھ ہوسکتا ہے؟!

Presented by Ziaraat.Com

لیکن اہلِ بدعت جب اپنے امام کے لیے (یا بہترین تعبیر کہیں کہ اپنے خدا کے لیے) زنا کرنا جائز قرار دیتے ہوں، اسی وقت اگر کوئی اور زنا کرے تو اس کو عقاب کرتے ہیں! تو ایسے لوگوں کو اس طرح کی افترا پردازی سے کوئی روکنے والا نہیں ہے؟۔

دوسری وجہ:

آنحضرتؐ نے اپنی متعدد احادیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد فتنے ہوں گے، رات کی تاریکی کی مانند اندھیرا چھا جائے گا، گم راہ امرا ہوں گے جو میری روش پر نہیں چلیں گے مالِ خدا کا ناجائز استعمال کریں گے، صحابہ میں سے ایک جماعت مرتد ہو جائے گی وہ الٹے پاؤں واپس ہو جائیں گے، قیامت کے دن ان کو کافروں کے ساتھ کھڑا ہونے کو کہا جائے گا، کیا یہ چیزیں ان صحابہ کی ہیں جن میں سے کسی کی بھی راہنمائی حاصل کی جائے تو ہدایت نصیب ہوگی؟ یا یہ گم راہی ہے اور ان سے اجتناب ضروری ہے، ان فاسق و فاجر لوگوں کا بہانہ خودساختہ حدیثیں ہیں تب اللہ سبحانہ ان کے دلوں کو اندھا کر دیتا ہے اس طرح کے لوازمات سے جن کا ہم نے ذکر کیا تاکہ ایک مدبر و دانا شخص جان سکے کہ کس طرح انھوں نے من گھڑت اور زبردستی کا دین بنایا ہوا ہے۔

تیسری وجہ:

آنحضرتؐ کا مقید کرنا "میرے بعد" اس سے مراد اگر اولاً یہ ہو کہ آنحضرتؐ کی حیاتِ مبارکہ میں اصحاب کے درمیان اختلاف موجبِ ہدایت نہیں ہے، تو پھر یہ صورت واضح طور پر باطل ہے کیوں کہ اگر آنحضرتؐ کے زمانے میں پیغمبرِ اسلام کی موجودی میں ہی ان کا اختلاف موجبِ ہدایت نہیں ہے، تو پھر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے بعد کس طرح ہدایت ہو سکتا ہے؟! اور اگر یہ مان لیا جائے کہ نبیؐ کے زمانے میں اصحاب کا اختلاف موجبِ ہدایت تھا تب بھی اس حدیث کا بطلان واضح ہے کیوں کہ مسطح بنِ اثاثہ کا اختلاف اور حاطب بنِ ابی بلتعہ جس نے قریش کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرگرمیوں کے بارے میں خبر بھجوائی تھی،

Presented by Ziaraat.Com

ابوبکر وعمر کے جنگ سے فرار ہونے کی اس قدر مثالیں موجود ہیں کہ یہ رسالہ ان کے ذکر کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

اگر کہا جائے کہ آپ نے جو ذکر کیا ہے وہ (حدیثِ رسول اللہ سے) مراد نہیں ہے بلکہ اختلاف کا تعلق احکامِ دین ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ اگر مراد احکامِ فرعیہ و اصولیہ ہیں تو بلاشک ثانی (احکامِ اصولیہ) میں اختلاف کسی صورت میں ہدایت نہیں ہے، خواہ وہ اختلاف صحابہ کا ہو یا کسی اور کا ہو، اگر مراد اول (احکامِ فرعیہ) میں ہو تو لازم ہے کہ اہلیتِ اجتہاد شرط ہوگی یا نہیں ہوگی، کیوں کہ صحابہ میں سے جو شخص احکام نہیں جانتا سوائے بعض موارد کے اس کو کسی چیز کا علم ہی نہیں ہے کہ استنباط کس طرح ہوتا ہے، جیسا کہ بادیہ نشین اور ان کی طرح دیگر علاقوں سے آئے ہوئے مہاجرین تو ایسی صورت میں مرادِ ثانی کے بطلان میں بھی کوئی شک نہیں ہے، اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ۔

اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو۔[1]

پس اس آیۂ مبارکہ کے باوجود کس طرح ممکن ہے کہ مذکورہ روایات کی نسبت رسول اللہؐ کی طرف دی جائے:

فَمَنْ اَخَذَ بِشَيْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَيْهِ فَهُوَ عَلَىٰ هُدًى ۔

کسی نے بھی کوئی چیز ان سے لے لی وہ ہدایت یافتہ ہوگیا۔

اسی طرح یہ روایت ہے کہ:

بِأَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ ۔

جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔

اس طرح کی عمومیت کے ساتھ اگر عمومی معنا مراد نہ ہو تو ان کے فائدے کے لیے اس

---

[1] سورۂ حجرات: ۶

Presented by Ziaraat.Com

حدیث میں کوئی چیز قابلِ ذکر نہیں ہے، ان سب باتوں کے باوجود اختلاف کی صورت میں مجتہدین میں سے ایک ہی مجتہد حق پر ہوتا ہے اور وہ مجتہد جو خطا پر ہے اگر چہ گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا لیکن مذکورہ روایات کی بنا پر اس کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہدایت پر ہے۔

وہ لوگ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

لَا تُؤْذُونِي فِي أَصْحَابِي۔

میرے اصحاب کے بارے میں مجھے اذیت مت دو۔

نیز اسی طرح سے روایت کرتے ہیں کہ:

لَا تَمَسُّ النَّارُ مَنْ رَآنِي أَوْ رَأَى مَنْ رَآنِي۔

جس نے مجھے دیکھا اور جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا آگ اس کو نہیں چھوئے گی۔

ان دونوں حدیثوں کی طرح بہت ساری خرافات ہیں جن کو منافقین نے گھڑا ہے ہم اگر ان کی ساری من گھڑت باتوں کو جمع کرنے بیٹھیں گے تو اس کتاب کے مقصد سے خارج ہو جائیں گے۔ پس اگر رسولِ حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ حق گوئی میرے اصحاب کے متعلق مجھے اذیت پہنچاتی ہے تو یہ بات آنحضرتؐ کے منصب اور ان کے مقصد سے سازگار نہیں ہے، کیوں کہ آپؐ کا مقصد ہی حق گوئی اور منکرات (افعال قبیحہ) کا انکار تھا، لیکن اگر مراد یہ ہو کہ ان کے بارے میں باطل گفت و گو نہ کی جائے تو یہ امر صرف اصحاب کی خاصیت نہیں ہے بلکہ پوری امت اس میں شامل ہے۔ (یعنی کسی بھی مسلمان کو اذیت نہیں دینی چاہیے)

چنانچہ یہ کہنا کہ جس نے مجھے دیکھا، اور جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا جہنم کی آگ اس شخص کو نہیں جلائے گی۔ تو اس کا لازمہ یہ ہوا کہ عبداللہ بنِ ابی اور حکم بنِ عاص اسی طرح عمر بنِ سعد اور یزید لعنۃ اللہ علیہم قاتلانِ امام حسین لعنۃ اللہ علیہم[1] عبداللہ بنِ خطاب قاتلِ ہرمزان[2]، اس طرح کے دیگر

۱۔ سننِ بیہقی، بیہقی، ج ۲، ۲۱۳۔ ۲۶۳؛ صحیح ترمذی، ترمذی، ج ۲، ۲۴۰۔ ۳۰۷؛ مسند احمد، ابن حنبل، ج ۵، ۳۶۹۔

۲۔ حدیقۃ الشّیعہ، اُردبیلی، ج ۱، ۴۰۴؛ شرح نہج البالغہ، ابنِ حدید، ج ۱۷، ۲۳۰، ہرمزان کے قتل کا واقعہ۔

Presented by Ziaraat.Com

لوگ بھی اسی روایت میں شامل ہوجائیں گے، حال آں کہ حقیقت اس طرح نہیں ہے۔

پھر ان لوگوں کا عثمان کے قاتلوں میں آ کر تعارض کرنا، کیوں کہ جنھوں نے عثمان کو قتل کیا تھا ان میں دو طرح کے لوگ تھے یا تو وہ تھے جنھوں نے آنحضرتؐ کو خود دیکھا یعنی صحابی، یا جنھوں نے صحابہ کو دیکھا یعنی تابعی (اور ان دونوں کو حدیث کے مطابق جہنم نہیں چھوئے گی) تھے تو پھر ان لوگوں پر اعتراض کیوں؟ اور جن اصحابِ رسول نے عثمان کا قتل کیا تھا ان ہی اصحاب کی مخالفت کر کے آنحضرتؐ کو اذیت کیوں دی؟ بلکہ عثمان کے واقعے میں کیوں پڑے اور جو کچھ ان کے درمیان ہوا تھا اس پر نظر کیوں ڈالی، حال آں کہ خود ہی تو اس بات سے منع کرتے ہیں۔ خود صحابہ نے کیوں آنحضرتؐ کے حکم پر عمل نہیں کیا اور ایک دوسرے کو اذیتیں دیں یہ جانتے ہوئے کہ یہ اذیت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا ہے، یہاں تک کہ عثمان نے عبداللہ بنِ مسعودؓ اور عمار بنِ یاسرؓ[1] کے ساتھ جو کیا سو کیا اور دونوں کے علاوہ دیگر صحابہ کے ساتھ، اور وہ لوگ بھی عثمان کو برا بھلا کہتے رہتے تھے، لیکن اہلِ سنّت نے جو روش اپنائی وہ اپنے مذہب کو بچانے کے لیے ہے، لیکن جیسے ہی کوئی ظلم و ستم اہلِ بیتِ اطہارؑ پر ہوا وہیں پر انجام دینے والے شخص کے بارے میں خاموش ہوجائیں گے، پھر اس شخص کے بارے میں حدیثیں گھڑنا شروع کر دیں گے، اور ان احادیث سے وہی شخص مقصود ہوگا جس نے آلِ محمد علیہم السلام پر ظلم کیا ہے، چنانچہ حضرتِ علیؑ کے ساتھ جنگ کرنے کے معاملے پر عائشہ، طلحہ، زبیر، معاویہ کے لیے کہا کہ وہ اللہ سبحانہ کے پاس ماجور ہیں ان کو اجتہادی غلطی کا اجر ضرور ملے گا کیوں کہ وہ لوگ مجتہد تھے، پھر وہ حضرتِ زہرسلام اللہ علیہا کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے کہ سیدہ سلام اللہ علیہا نے ابوبکر کی خلافت کا انکار کیا اور انھیں لوگوں نے حضرتِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو مجتہدہ قرار نہیں دیا تاکہ آپؑ کا قولِ معتبر قرار نہ پائے، تو پس لازم آئے گا کہ وہ شخص امام نہیں ہے۔ اور نہ ہی حضرتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قولِ مبارک کو ذہن میں رکھا جس میں رسول اللہؐ نے فرمایا:

---

[1] حدیقۃ الشیعہ، اُردبیلی، ج ۱، ۳۹۶-۳۹۸۔

Presented by Ziaraat.Com

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي يُؤْذِينِي مَا يُؤْذِيهَا ۔

فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے ان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔[۱]

اس ڈر سے کہ بی بی سلام اللہ علیہا کو ارث اور فدک منع کرنے پر[۲] کہیں ابوبکر وعمر کی خلافت غیر شرعی نہ ہو جائے کیوں کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت لازم آتی ہے۔ غور وفکر کرنے کے بعد جو نتیجہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا سارا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اعدائے اہلِ بیتؑ کو مکمل تحفظ فراہم کریں اور ان کو کسی بھی قسم کے اعتراض سے بالا وبرتر کر کے پیش کریں اور اس کے برعکس اہلِ بیتؑ سے سلوک کرنا، اور ان کی قدر ومنزلت کو گھٹا کر پیش کرنا ہے۔

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ۔

کیا ہی بری چیز ہے جو انھوں نے اپنے (حسابِ آخرت) کے لیے آگے بھیج رکھی ہے (اور وہ) یہ کہ اللہ ان پر (سخت) ناراض ہو گیا، اور وہ لوگ ہمیشہ عذاب ہی میں (گرفتار) رہنے والے ہیں۔[۳]

یہاں پر پانچ مقدمات (لعنت کی، ۲ لعنت عبادت ہے، ۳ استحقاقِ لعنت، ۴ لعنت کا واجب ہونا، ۵ صحابہ کے درمیان منافقین کا موجود ہونا) کی بحث ختم ہوتی ہے۔

درجِ ذیل فصول میں چند دلائل کا ذکر ہے جو لعنت کے جواز پر دلالت کررہے ہیں، اور وہ سات فصلوں پر مشتمل ہیں۔

---

[۱]۔ مسند احمد، ابن حنبل، ج ۴، ۳۲۹؛ صحیح بخاری، بخاری، ج ۵، ۹۲؛ صحیح مسلم، مسلم، ج ۴، ۱۹۰۲؛ مستدرک، حاکم، ج ۳، ۱۵۴۔

[۲]۔ وفاء الوفاء، سمہودی، ۱۵۳؛ صحیح بخاری، بخاری، ج ۵، ۱۷۷؛ ج ۸، ۱۸۵؛ صحیح مسلم، مسلم، ج ۵، ۱۵۳؛ شرح نہج البالغہ، ابنِ حدید، ج ۱۶، ۲۷۴۔

[۳]۔ سورۂ مائدہ: ۸۰۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

پہلی فصل

(جوازِ لعنت پر دلائل)

Presented by Ziaraat.Com

لعنت کے جائز ہونے پر اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے:

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ۔

جان لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔[1]

یعنی ہر ظالم پر لعنت ہے، کیوں کہ جمع (ظالمین) جب معرفہ ہو جائے تو عموم پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے:

فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ۔

پھر ان کے درمیان ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔[2]

اسی طرح ارشادِ باری تعالی ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ۔

جس دن ظالموں کو اُن کی معذرت فائدہ نہیں دے گی اور اُن کے لئے پھٹکار ہوگی اور اُن کے لئے (جہنّم کا) بُرا گھر ہوگا۔[3]

اگر کہا جائے کہ پہلی دونوں آیات سے جن الفاظ کا اتصال ہے وہ دلالت کر رہی ہیں کہ یہاں پر ظالمین سے مراد کفار ہیں، کیوں کہ دوسری نمبر والی آیت کے بعد والی آیت یہ ہے:

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا۔

(یہ وہی ہیں) جو (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے۔[4]

ہم کہتے ہیں کہ یہ بیان بھی کفار کے خلاف ان کی ظلم کی وجہ سے صادر ہوا ہے جو لعنت کا متقاضی ہے، جس طرح ہر ظالم پر لعنت ہے، کیوں کہ حکم کو وصف کے ساتھ بیان کرنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ حکم کی علتہے، نیز دوسری آیت اس اشکال سے سلامت ہے اور

۱۔ سورۂ ھود: ۱۸

۲۔ سورۂ اعراف: ۴۴

۳۔ سورۂ مومن/ غافر: ۵۲

۴۔ سورۂ اعراف: ۴۵

Presented by Ziaraat.Com

اللہ سبحانہ کے اس ارشاد کی مانند ہے:

فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ۔

توسوائے ظالموں کے کسی پر زیادتی روانہیں۔[۱]

نیز ارشادِ الٰہی ہے کہ:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ۔

اور اللہ کو ان کاموں سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا جو ظالم انجام دے رہے ہیں، بس وہ تو ان (ظالموں) کو فقط اس دن کے لیے مہلت دے رہا ہے جس میں (خوف کے مارے) آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔[۲]

اگر سوال ہو کہ پھر ظلم کیا ہے، حال آں کہ قرآنِ مجید میں تو یہ بھی آیا ہے کہ حضرت آدمؑ درخت کا پھل کھا کر ظالم قرار پائے ہیں؟

ہم جواب دیتے ہیں کہ ظلم اور جور وعدوان دونوں کے معنا آپس میں قریب قریب ہیں، ظلم کی ضد انصاف ہے اور جور کی ضد عدل ہے، ظلم کے معنا حق کو توڑنے کے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ کسی چیز کو اس کے غیر مناسب مقام پر رکھنا ظلم ہے، لفظِ ظلم دونوں ہی معنا میں استعمال ہوتا ہے، یہاں پر اس کے معنی ہیں کہ جس چیز کا اللہ سبحانہ نے جو مقام مقرر فرمایا ہے اس چیز کو کسی دوسری جگہ پر قرار دینا اور رکھنا ہے، جس کے باعث فاعل (انجام دینے والا) مذمت وعقاب کا مستحق ہوجاتا ہے، باقی درخت سے کھانے پر ظلم کا استعمال ہونا مجاز ہے، کیوں کہ دلیل قطعی دلالت کررہا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، پس ان سے خطا کا سرزد ہونا محال ہے، اللہ سبحانہ کا حضرتِ آدمؑ کو درخت کے پھل کھانے سے منع فرمانا یقیناً تنزیہ وصفائی کے باعث ہے، تو بھی اس پر ظلم کا اطلاق بعید نہیں ہے کیوں کہ اس نے مخالفت کی یا مستحب کا ثواب حاصل

۱۔ سورۂ بقرہ: ۱۹۳

۲۔ سورۂ ابراہیم: ۴۲

Presented by Ziaraat.Com

کرنے سے محروم رہ گئے اور اپنا نقصان کر بیٹھے، نیز اس موضوع پر سنی وشیعہ مفسرین کی تحقیقات موجود ہیں، (ہم یہاں پر کلام کو طول نہیں دینا چاہتے) اس کی مثال ہم عام لوگوں کے لیے اس شخص کی طرح ہے جو گناہِ صغیرہ انجام دیتا ہے، پس جب آپ لوگ جان چکے ہیں اس موضوع کو یعنی لعنت ہر ظالم پر ہے کیوں کہ "جمع" جب معرفہ ہو جاتا ہے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے اور اس آیت سے استدلال چند (چھ) وجوہ کی بنا پر ہے:

پہلی وجہ:

"ابوبکر وعمر وعثمان نے علی علیہ السلام پر ظلم کیا ہے" (صغرا)

"ہر ظالم پر لعنت ہے" (کبرا)

قیاسِ منطقی کے صغرا کو دو صورتوں میں بیان کی جائے گا:

قیاسِ منطقی کے صغرا کی پہلی صورت:

ان لوگوں نے امام علیؑ کے ساتھ خلافت کے موضوع پر تنازع کیا اور اپنے آپ کو مقدم جانا، امرِ خلافت میں خود کو مستقل جانا حال آں کہ دلائلِ عقلیہ ونقلیہ امام علیؑ کے حق میں ہیں۔

ان دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ امام کا معصوم ہونا واجب ولازم ہے کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کا محافظ ونگہبان ہے تا کہ (کوئی شخص اپنے مفاد میں) شریعتِ محمدیہ کے اندر کسی قسم کی کوئی کمی بیشی نہ کر سکے، امام لوگوں کو اپنے حقوق دلوانے والا اور مظلوم کی حمایت کرنے والا ہوتا ہے، نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا ہوتا ہے، اسلام کی حمایت میں سر و جان کی بازی لگانے والا ہوتا ہے نیز دیگر اہم امور امام کے ذمے ہوتے ہیں، اگر بالفرض امام معصوم نہ ہو تو اس بات کا امکان ہے وہ اپنے فائدے کے تحت دین میں تبدیلی کر سکتا ہے، نیز ظلم و جور کر سکتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّتِ مطہرہ سے منہ موڑ سکتا ہے، جس طرح کہ رعیت کا کوئی بھی فرد اس طرح کی غیر ذمہ داری والا کام کر سکتا ہے کیوں کہ طاقت وقدرت انسان کے اندر چھپی ہوئی شر و فساد کو بہترین طریقے سے ظاہر کر سکتیہے، اگر لطفِ الٰہی اس موقع پر اس شخص کو ناجائز امور کے

Presented by Ziaraat.Com

ارتکاب سے نہ روکے تو ریاست میں فتنے اور بلائیں امڈ پڑیں، اس کا شر وفساد اس طرح بلادِ اسلامیہ میں منتشر ہوجائے کہ رعایا کے ظلم و بربریت اس کے سامنے ہیچ شمار ہوں، جس شخص کو یہ باتیں معلوم نہیں ہیں اس کو چاہیے کہ وہ بنی امیہ و بنی عباس کی کارستانیوں کا مشاہدہ کرے اور ان کے کردار پر نظر کرے، امامؑ کے ساتھ تنازع کرنے والا مکابر (تکبر زندہ) ہے۔ کیوں کہ امام تمکلفین اور اطاعت گزاروں کے لیے استقامت اور ثابت قدمی کی خاطر، ایک لطف وعنایت ہے۔ اور اسلام کافروں کے لیے ہے۔ امام سے غلطی کا جواز مکلفین کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے اور مکلفین کے لیے بھی گناہ کی جرئت کا باعث ہے، نیز اسلام سے نفرت کا سبب بھی۔ تو اسی صورت میں لطف منتفی ہوجاتا ہے بلکہ اس کی ضد لازم آتی ہے، یعنی امام کا ہونا ممتنع ہوجاتا ہے اور یہ خُلف ہے، نیز کیوں کہ معصیت سے وہ شخص لوگوں کی نظر میں گرجاتا ہے اس امامِ غیر معصوم کی نیکیوں کی ہدایت کرنا اور منکرات سے روکنا اور وعظ ونصیحت سب بے فائدہ ہوجاتی ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اگر امام غیر معصوم ہے تو لازم نہیں کہ وہ گناہ بھی کرے۔

ہم کہتے ہیں کہ غیر معصوم سے گناہ کا سرزد ہونا ممکن ہے، اگر چہ اس سلسلے میں لوگوں کے درمیان فرق ہے، لیکن درحقیقت امام سے صرف گناہ کے صدور کا ممکن ہونا اس کے منصبِ امامت پر فائز ہونے کے منافی ہے، کوئی شک نہیں کہ جس جس کے بارے میں امامت کا دعوی کیا گیا ہے ان میں یہ صفتِ عصمت سوائے امام علیؑ کے موجود نہیں ہے، کیوں کہ مولائے کائنات نصِ قرآنی کے مطابق ہر قسم کی رجس سے پاک و پاکیزہ ہیں، جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔

حالہ آں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنینؑ کا ذکر کلامِ الٰہی کے ساتھ فرمایا ہے جس میں کسی طرف سے بھی باطل نہیں آسکتا چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے:

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔

باطل جس کے قریب آ بھی نہیں سکتا ہے نہ ہی سامنے سے اور نہ ہی پیچھے۔[1]

---

[1] سورۂ فصلت: ۴۲

Presented by Ziaraat.Com

اور آپؐ نے فرمایا کہ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے،[۱]

نیز آپؐ نے دعا فرمائی کہ اللہ سبحانہ حق کو ان کے ساتھ رکھے جس طرف وہ رخ کرلیں، تو پس معین ہوگیا کہ امام، حضرتِ علیؑ ہی ہیں، دلائلِ نقلیہ میں سے اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ[۲]۔

ایمان والو! بس تمھارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبانِ ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں۔

نیز ارشادِ باری تعالی ہے:

وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ۔

اور جو بھی اللہ ,رسول اور صاحبانِ ایمان کو اپنا سرپرست بنائے گا تو اللہ کی ہی جماعت غالب آنے والی ہے۔[۳]

مفسرین و محدثین نے نقل کیا ہے کہ[۴] یہ آیہ مبارکہ حضرتِ علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، چنانچہ تفسیرِ ثعلبی میں ہے:

قَالَ السَّدِی وَ عُتْبَةُ بْنُ اَبِي حَكَمْ وَ غَالِبُ بْنُ عَبْدِاللهِ اِنَّمَا عُنِيَ بِقَوْلِهِ: إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ۔ عَلِيُّ ابْنُ اَبِي

۱۔ تاریخِ بغدادی، ابنِ خطیبِ بغدادی، ج ۱۴، ۳۲۱؛ فرائد حموینی، ابراہیم، ج ۱، ۱۷۷؛ کنزالعمال، ہندی، ج ۶، ۱۵۷؛ مجمع الزوائد، ھیثمی، ج ۷، ۲۳۵؛ ج ۹، ۱۳۴۔

۲۔ سورۂ مائدہ: ۵۵

۳۔ سورۂ مائدہ: ۵۶

۴۔ کنزالعمال، ہندی، ج ۶، ۳۹۱؛ تفسیرِ کشاف، زمخشری، ج ۱، ۶۲۴ تفسیرِ طبری، طبری، ج ۶، ۱۶۵؛ در المنثور، سیوطی، ج ۱، ۲۹۳؛ جواہر الحسان، ثعالبی، ج ۱، ۴۷۱؛ شواہد التنزیل، نیسابوی حنفی، ج ۱، ۱۶۱؛ تفسیرِ قرطبی، قرطبی، ج ۶، ۲۲۱

Presented by Ziaraat.Com

طَالِبٍ لِاَنَّهُ مَرَّ بِهِ سَائِلٌ وَ هُوَ رَاكِعٌ فِي الْمَسْجِدِ فَاَعْطَاهُ خَاتَمَهُ۔

سدی وعتبہ بن ابی حکم اور غالب بن عبداللہ نے کہا ہے کہ: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ۔ میں اللہ کی مراد فقط علی بن ابی طالبؑ ہیں کیوں کہ سائل آپؑ کے پاس سے گزرا اور آپؑ مسجد میں حالتِ رکوع میں تھے پس آپؑ نے اس کو اپنی انگوٹھی عطا کر دی۔

متعدد اسانید سے مذکورہ آیت کے نزول میں روایات نقل ہوئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ یہ آیۂ مبارکہ حضرتِ علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی اور اس آیت کے نزول کی کیفیت اور آنحضرتؐ کی دعا کا بیان بھی جس کو ذکر کرتی ہیں۔ زرین نے صحاحِ ستہ کو جمع کرتے ہوئے اس روایت کو ذکر کیا ہے، اور فقیہ ابنِ مغازلی نے مناقبِ امامِ علیؑ میں متعدد طُرُق سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر محدثین ومفسرین یہاں تک کہ بعض علما نے ابتدا میں ہی کہہ دیا ہے کہ اس آیۂ مبارکہ کا نزول امامِ علیؑ کے بارے میں ہے اور اس پر اجماع ہے، تحقیق یہ ہے کہ کسی محدث ومؤرخ اور مفسر سے نہیں سنا گیا کہ حضرتِ آدمؑ سے لے کر آج کے دن تک کسی شخص نے حالتِ رکوع میں زکات دی ہو اور اس کے حق میں قرآن میں نازل ہوئی ہو سوائے علی ابنِ ابی طالبؑ کے۔

جی ہاں! اہلِ سنّت میں سے بعض کم عقل افراد نے جو کلامِ الٰہی کو اپنے معانی سے الگ تھلگ کر کے پیش کرنے کے عادی ہیں انھوں نے اہلِ بیتؑ سے تعصب وعناد کی بنیاد پر یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ آیت عمومی معنی پر دلالت کر رہی ہے، ہر وہ مومن جو نماز قائم کرتا ہے اور زکات دیتا ہے، اللہ سبحانہ کے ارشاد: وَهُمْ رَاكِعُونَ۔ کا معنی کیا ہے کہ وہ اپنی نماز میں خشوع و خضوع کرتے ہیں، اور اس کے لغوی وظاہری معنا اس قول کے مقابل لا کر کھڑا کر دیا جس میں کہا گیا ہے کہ یہ آیت حضرتِ علیؑ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی ہے، اس بات کی تائید میں یہ بیان دیا کہ جمع کے لفظ سے شخص واحد مراد لینا خلافِ ظاہر ہے۔

کوئی ان کافروں اور فاجروں کو دیکھے تو صحیح کس طرح کلامِ الٰہی اور دینِ خداوند کو کھلونہ بنایا

Presented by Ziaraat.Com

ہوا ہے، حق کو چھپا رہے ہیں اور جان بوجھ کر کلامِ الٰہی کے معانی چھپانے کی کوشش کی اور اللہ سبحانہ کے اس قولِ مبارک سے بھی نہیں ڈرے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ۔

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹا الزام لگائے جب کہ اسے اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو۔[1]

اگر ہم نقل اور روایات نیز کلامِ مفسرین و محدثین کو ایک طرف کرلیں اور محض اس آیۂ مبارکہ پر نظر رکھیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وَهُمْ رَاكِعُونَ۔ کا مطلب خشوع کرنے والے، کس طرح ہوسکتا ہے، حال آں کہ اہلِ شرع کے نزدیک وہ مجازاتِ بعیدہ میں سے ہے، بالفرض کوئی نذر کرے رکوع کرنے کی تو کیا وہ شخص محض خشوع پیدا کرنے سے (بغیر اس کے کہ وہ رکوع کرے) اپنی نذر سے بری ہوسکتا ہے، آیا کوئی سمجھنے والا یہ بات سمجھ سکتا ہے تا کہ اس جاہلِ متعصب کی افترا پردازی ثابت ہوسکے؟

سوال یہ ہے کہ وہ شخص جمع کے لفظ سے واحد مراد کیوں نہیں لے سکتا جب کہ آیۂ مبارکہ سے فردِ واحد کے علاوہ مراد لینا ممکن نہیں ہے، سیاق اور مفسرین کی ان روایات کی وجہ سے جو انھوں نے نقل کی ہیں، اسی طرح جمع کے لفظ سے واحد مراد لینا کلامِ الٰہی میں اتنے موارد میں ذکر ہوا ہے کہ شمار نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ۔

اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں۔

نیز ارشادِ خدا ہے کہ:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ۔

اے حبیب! ہم آپ سے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں۔[2]

۱۔ سورۂ صف: ۷

۲۔ سورۂ یوسف: ۱

Presented by Ziaraat.Com

(اپنے لیے پروردگار نے "ہم" کا لفظ استعمال کیا ہے، جمع کا لفظ ہے، حال آں کہ وہ واحد و احد ہے) اسی طرح:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔

بیشک یہ ذکرِ عظیم (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔[1]

نیز ارشادِ باری ہے:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً۔

بیشک ابراہیم (علیہ السلام تنہا ذات میں) ایک اُمت تھے۔[2]

مذکورہ آیات کے علاوہ دیگر بہت سی آیات کلامِ مجید میں موجود ہیں، پھر اس نادان کی نظر میں آیہ مبارکہ کے معنی کیا ہوں گے، چوں کہ اکثر مومنین اگر نماز قائم کریں اور زکات دیں تو آیت کے مخاطب ان کے علاوہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ نماز قائم کرتے ہوں اور نہ ہی زکات دیتے ہوں جیسا کہ فاسقین و کافرین وغیرہ تو پھر دوسری آیت کیوں کہہ رہی ہے:

فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ۔

تو اللہ کی ہی جماعت غالب آنے والی ہے۔[3]

اگر لوگوں میں سے کوئی شخص عمر کے کلام کی تفسیر اسی طرح کرے خواہ کوئی حدیث و نقل اس تفسیر سے معارض نہ بھی ہو تب بھی یہ لوگ اس شخص کو کافر کہے بغیر نہیں رہ سکتے، اور خود کلامِ الٰہی کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کیوں کہ امیر المومنینؑ سے دشمنی اور کافروں کے سرداروں سے محبت ہے، پس ان سب پر اللہ سبحانہ کی لعنت ہو، جب مومنین کے قلوب میں یہ بات پہنچ گئی ہے تو واضح ہو گیا کہ یہ آیہ مبارکہ امیر المومنینؑ کی ولایت پر نص ہے، وہ ولایت جو خلق پر بجانب حق ثابت ہے،

۱۔ سورۂ حجر: ۹

۲ سورۂ نحل: ۱۲۰

۳۔ سورۂ مائدہ: ۵۶

Presented by Ziaraat.Com

جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ جناب امیر کو مسلمین کے امور پر حقِ تصرف میں اولویت اور سلطنت ہے، پس یہ ہی حق بعینہ آیت کے الفاظ سے امیر المومنینؑ کے لیے بھی ثابت ہو گیا، نیز آیۂ مبارکہ کے الفاظ میں جو تاکیدی معنا رکھنے والے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ (اِنَّمَا) جو حصر (محدود و معین ہونے) پر دلالت کرتا ہے، اس آیت میں ولایتِ الٰہی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاسیس ہے، پھر حرفِ عطف ہے جس نے امیر المومنینؑ کی ولایت کو عطف کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور آنحضرتؐ کی ولایت مسلمین پر ثابت و معلوم تھی، اصلاً یہ بات بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ اصل مقصد ان لوگوں کی ولایت بتانا مقصود تھی جو ایمان والے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور زکات دیتے ہیں ان کی ولایت بھی اللہ سبحانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت کے مانند ہے۔ اس آیۂ مبارکہ کی طرح:

وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ۔

اور جو بھی اللہ، رسول اور صاحبانِ ایمان کو اپنا سرپرست بنائے گا تو اللہ کی ہی جماعت غالب آنے والی ہے۔[1]

الفاظ میں جو تعظیم واحترام ہے اس کی طرف ذرا توجہ کریں، کلامِ الٰہی میں یہ نہیں ہے: **ومن یتولھم**۔ (جو بھی ان کو اپنا سرپرست بنائے گا) یا اس عبارت کے علاوہ دوسری کوئی تعبیر بھی ممکن تھی، (لیکن نہیں) ابتدا عمومی معنا پر دلالت کرنے والے لفظ (مَنْ) سے ہوئی، پھر ضمیر کا استعمال ممکن ہونے کے باوجود اسمِ ظاہر (اللہ سبحانہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز "جو لوگ ایمان لے کر آئے ہیں") استعمال کیا ہے اور ان (جو بھی اللہ، رسول اور صاحبانِ ایمان کو اپنا سرپرست بنائے گا) کو حزب اللہ قرار دیا، اور فرمایا:

هُمُ الْغَالِبُونَ۔

(وہی جماعت غالب آنے والی ہے)۔

ان ساری باتوں کو دیکھتے ہوئے ایک منصف مزاج شخص یقین کی منزل تک پہنچ جاتا ہے اور

---

[1] سورۂ مائدہ: ٥٦

Presented by Ziaraat.Com

اپنے مخالف سے بحث ومناظرہ نہیں کرتا۔اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس طرح کی باتیں کرنے والے مواقع الفاظ اور کلامِ عرب کے معانی، نیز آیۂ کریمہ کے مقصود سے جاہل ہیں، لیکن ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ خواہشِ نفسانی کا غلبہ، نورِحق سے اندھاپن نہجِ یقین سے گمراہی اختیار کرنا، شدید تعصب ہی اس امر کی وجہ ہے، جب ان کے سلف جو بنی امیہ و بنی عباس کی قربت پانے کے لیے اہلِ بیت رسول اللہ علیہم السلام کی راہ سے ہٹ گئے تھے کیوں کہ زینتِ دنیا کے خواہش مند تھے، لوگوں پر تسلط چاہتے تھے، نیز وہ چاہتے تھے کہ ان کا لوگوں میں ایک خاص مقام ہو، یہ ہی مصیبت تھی جس کی وجہ سے یہ لوگ اس طرح کی باتیں کرنے پر مجبور ہوئے، اللہ سبحانہ ان کے سلف پر رحم نہ کرے اور ان کے بعد آنے والوں پر نظرِ کرم نہ کرے، نہ ہی ان کا تزکیہ کرے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اللہ سبحانہ نے اُن کو اس طرح کی بھونڈی باتیں کرنے کا موقع دیا، کس عاقل سے ان لوگوں یہ بات یہ پوشیدہ ہے امیر المومنینؑ کی ولایت پر اس آیۂ مبارکہ سے استدلال ضعیف ہے اور جو وہ لوگ خود روایت کرتے ہیں حال آں کہ ان کے بعض محدثین کے علاوہ ہم کو معلوم بھی نہیں ہے کہ کس سند سے یہ روایت لائے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنَّهُ اَخِيْ وَصَاحِبِيْ وَقَدِ اتَّخَذَ اللّٰهُ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلًا۔

اگر میں کسی کو خلیل قرار دے سکتا تو ابوبکر کو خلیل قرار دیتا لیکن وہ میرا بھائی وساتھی ہے ہم لوگوں کے ساتھی (رسول اللہؐ) کو اللہ سبحانہ نے اپنا خلیل قرار دیا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

صَاحِبُكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ۔

تمھارا ساتھی (رسول اللہؐ) اللہ سبحانہ کا خلیل ہے۔

اس حدیث کو ابوبکر کی خلافت پر دلیل بنایا ہے۔ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان لوگوں کو کوئی حیا نہیں ہے ان دونوں پر اتنا بڑا جھوٹ منسوب کرتے ہیں، جسے ایک عاقل شخص ایک ہی

Presented by Ziaraat.Com

نظر میں جان لیتا ہے یہ کھلا جھوٹ ہے، کیوں کہ ہم نے کسی جگہ پر بھی علمائے عامہ کے متعصبین سے ابوبکر کے فضائل ومناقب میں اس طرح کی بات نہیں سنی۔ اور ہاں ان کے بعض لوگوں سے یہ ضرور سنا ہے کہ یہ احادیث جھوٹی ہیں۔[۱]

علمائے عامہ روایت کرتے ہیں کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کرنا چاہی تو ابوبکر سے ایک اونٹ خریدا اور اس کو معاوضہ دیا جو ابوبکر نے قبول کیا، اب آپ دیکھیں جو اس طرح کے دن میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مالی مدد نہیں کرسکتا تو وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسلام کو کس طرح کا فائدہ دے سکتا ہے، آیا اسلام کے پھلنے پھولنے اور مسلمانوں کی ترقی ہوجانے کے بعد؟ چلیں مان لیتے ہیں یہ بات بھی لیکن سوال تو بنتا ہے کہ کیا وہ یہ ہے جس کو اللہ سبحانہ اپنا خلیل قرار دے رہا ہے جس نے بتوں کی عبادت کی ہو، پتھروں کو خدا مان کران پر اپنا ماتھا رگڑا، کیا وہ شخص اللہ سبحانہ کے خلیل ہونے کے لائق ہے جس نے بتوں کی عبادت کی ہو اور اپنے خلیل کی عبادت نہ کی ہو، اگر ابوبکر میں وہ دیگر عیوب نہ بھی ہوتے جن کی وجہ سے لائقِ امامت قرار نہیں پاتا اور صرف یہ ایک ہی عیب ہوتا (بتوں کی عبادت کرنے کا) تو بھی اس کے امام نہ ہونے کے لیے کافی تھا، کیوں کہ جس شخص کا حال یہ ہو تو ایک حکیم کو کس طرح زیب دیتا ہے کہ وہ اس شخص کو حضرتِ علیؑ سی شخصیت پر حکومت کرنے والا قرار دے جس نے ایک لحظے کے لیے بھی شرک نہیں کیا، اور وہ امام بن کر علیؑ کی راہِ ہدایت کی طرف راہنمائی کرے، اور شریعت کے دقائق مولا علیؑ کو سمجھائے، نیز دین کے پوشیدہ امور کو حضرتِ علیؑ پر ظاہر کرے! لیکن جو شخص اپنے خدا پر کفر جائز قرار دیتا ہو، اور موردِ عقوبت قرار پائے! اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے کہ کسی کافر کو اپنا خلیل قرار دے اور اپنے اعلا مخلوق پر اس کو برتری دے!۔

انھیں باتوں میں سے اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد ہے آیۂ مباہلہ میں:

۱۔ جس طرح عمر نے ابوبکر کی خلافت کے بارے میں کہا کہ: "كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ فَلْتَةً وَقَى اللّٰهُ الْمُسْلِمِينَ شَرَّهَا، فَمَنْ عَادَ إِلَى مِثْلِهَا فَاقْتُلُوهُ۔" ابوبکر کی بیعت ایک فتنہ تھی، جس کے شر سے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بچایا اگر کوئی دوبارہ اس طرح کا کام کرنا چاہے تو اس شخص کو قتل کردو۔ شرحِ نہج البلاغہ، ابنِ حدید، ج ۲، ۲۳۔۲۶؛ ملل ونحل،، ج ۱، ۳۰؛ صواعق، ابنِ حجر، ۸؛ صحیح، بخاری، ج ۸، ۲۶۔۲۰۸

Presented by Ziaraat.Com

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔

ان سے کہہ دیجیے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند، اپنی اپنی عورتیں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔[1]

علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ "أَنفُسَنَا" سے مراد حضرت علیؑ ہے[2]، لہٰذا یہ آیہ مبارکہ دلیل ہے کہ "أَبْنَاءَنَا" سے مراد دونوں فرزند حضرتِ امام حسنؑ اور حضرتِ امام حسینؑ ہیں، اور "نِسَاءَنَا" سے مراد حضرتِ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا ہیں اور "أَنفُسَنَا" سے مراد حضرتِ علیؑ ہیں یا ایک ساتھ نفسِ پیغمبرؐ اور حضرتِ علیؑ مراد ہیں، پس جو شخص نفسِ پیغمبرؐ کا جز ہو لازم ہے کہ ہر وہ چیز جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ثابت ہے وہی اسی کے لیے بھی ثابت ہوگی، مگر یہ کہ کوئی دلیل ہو جو علیحدگی پر دلالت کرے کہ حضرتِ علیؑ اس چیز میں پیغمبرِ اسلام کے ساتھ شریک نہیں ہے اور وہ چیز نبوت ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔

اور سلسلۂ انبیا کے خاتم ہیں۔[3]

اور بنابر فرمانِ عالیشان حضرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

يَا عَلِي أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔

اے علی! آپ کو مجھ سے وہ ہی منزلت حاصل ہے جو موسیٰ کو ہارون سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

صفاتِ رسول اللہ میں سے ایک صفت لوگوں کے جان و مال پر حقِ اولویت ہے جو رسول

۱۔ سورۂ مباہلہ: ٦١

۲۔ صحیح مسلم، ج ۴، ۱۸۷۱؛ شرح نووی، ج ۱۵، ۱۷۶؛ مسندِ احمد، ابن حنبل، ج ۱، ۱۸۵؛ مستدرک، حاکم، ج ۳، ۱۵۰؛ فرائد السمطین، بنِ مؤیّد جوینی، ج ۱، ۳۷۷-۳۷۸؛ ج ۲، ۲۳-۲۴، اسد الغابہ، ج ۴، ۲۶؛ شواہد التنزیل، نیسابوری حنفی، ج ۱، ۱۲۰-۱۲۹؛ تفسیر، ابنِ کثیر، ج ۱، ۳۷۱؛ صحیح، ترمذی، ج ۲، ۳۰۰

۳۔ سورۂ احزاب: ۴۰

Presented by Ziaraat.Com

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرتِ علیؑ کے لیے ثابت ہے۔ کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں رعیتِ رسول اللہ میں سے ہیں، اس کی دلیل کتاب وسنت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمامِ خلق کے لیے اللہ کے نبی مبعوث ہوئے، سیاہ وسفید کے لیے عموماً اور اپنے خانوادے کے لیے خصوصاً، پر اس موضوع پر نزاع واختلاف کرنا خلافِ عقل ہے اور سینہ زوری ہے۔ نیز حدیث غدیر، جس کا قصہ ہر عام وخاص کے علم میں ہے اور بہت ہی مشہور ہے، امامِ احمد بنِ حنبل نے اپنے مسند میں متعدد طُرُق واسانید سے روایت کیا ہے۔ ہمارے بعض مشائخ نے تقریباً ۱۵ طُرُق سے نقل کیا ہے اگرچہ عبارات تھوڑی بہت مختلف ہیں مگر یہ کہ مطلوب ومقصود واحد ہے، ان میں سے ایک یہ روایت ہے:

احمد کہتا ہے کہ عفّان نے اپنی اسناد سے برابنِ عازب سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں غدیرِ خم کے پاس رکے اور ہمارے درمیان اعلان کیا گیا کہ یہاں نمازِ باجماعت ہوگی پھر دو درختوں کے درمیان آنحضرتؐ کے لیے پاک کی گئی، نمازِ ظہر پڑھ کر رسولِ خدا نے علی ابنِ ابی طالبؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنِّي أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ

کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ میں ہر مومن مرد اور مومنہ عورت پر ان کی جان سے زیادہ حق رکھتا ہوں؟

لوگوں نے کہا کہ جی بالکل ایسا ہی ہے، پس حضرتِ علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔

جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا علیؑ مولا ہے۔

اللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ۔

اے میرے اللہ! اس شخص کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے، ہر اس شخص سے دشمنی رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔

اس کے بعد عمر جا کر حضرتِ علیؑ سے ملا اور کہا کہ اے ابوطالبؑ کے بیٹے! مبارک ہو آپ ہر

Presented by Ziaraat.Com

مومن و مومنہ کے مولا بن گئے ہیں۔[۱]

ہمارے بعض مشائخ نے باری تعالی کے اس ارشاد کے ذیل میں تفسیرِ ثعلبی سے نقل کیا ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ۔

اے پیغمبر! آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔[۲]

اپنی سند بیان کر کے کہتا ہے کہ امام محمدِ باقرؑ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اس فضیلت کو پہنچائیں جو آپ کے ربّ نے علی ابنِ ابی طالبؑ کے بارے میں نازل کی ہے۔ایک اور نسخے میں امام محمدِ باقرؑ نے فرمایا کہ "اے پیغمبر! آپ اس حکم کو جو علیؑ کے بارے میں ہے اس کی تبلیغ کر دیجے"۔

نیز اللہ سبحانہ کے اس ارشاد:

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ۔

ایک مانگنے والے نے واقع ہونے والے عذاب کا سوال کیا۔[۳]

اس آیت کے ذیل میں مختصراً اختلاف کے ساتھ اسی مانند روایت نقل کی ہے۔ نیز مسلم نے حدیث "إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ" کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خم میں فرمایا تھا جو کہ مکۂ مکرمہ و مدینۂ منورہ کے درمیان جگہ ہے۔ حُمیدی نے اس کو جمع بینِ صحیحین میں روایت کیا ہے، جمع بین صحاح ستہ میں دونوں روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ ابنِ مغازلی نے مناقب میں چند طریق سے نقل کی ہے اور خطیبِ خوارزمی نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ میں نے اہلِ سنّت[۴] کی تصنیفات میں دیکھا ہے کہ یہ حدیث حدِّ تواتر تک پہنچی ہوئی ہے

۱۔ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۳۰، ۴۳۰؛ مسندِ الکوفیین۔ حدیث البراء بنِ عازب۔ مترجم

۲۔ سورۂ مائدہ: ۶۷

۳۔ سورۂ معارج: ۱

۴۔ صحیح مسلم، فضائلِ علی ابنِ ابی طالب، ج ۷، ۱۲۳؛ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۳، ۱۴۔۱۷؛ ج ۴، ۲۶۶، ۳۷۱؛ مناقبِ ابنِ مغازلی، ۲۱۴؛ سنن بیہقی، ج ۲، ۱۴۸؛ صحیح ترمذی، ج ۲، ۳۰۸۔

Presented by Ziaraat.Com

اور مفید یقین ہے، **کشف الغمۃ** کے مصنف نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے، حال آں کہ وہ روایت خاصی طویل ہے مگر ہم نے اس سے ضرورت کے مطابق نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے:

میں حوضِ کوثر پر تم لوگوں سے پہلے پہنچوں گا، تم لوگ میرے پیچھے ہو گے، قریب ہے کہ تم لوگوں کو وہاں سے ہٹایا جائے، پس جب تم لوگ مجھ سے ملاقات کرو گے تو میں تم لوگوں سے ثقلین کے بارے میں سوال کروں گا کہ تم لوگوں نے ثقلین کے ساتھ کیا رویہ اپنایا؟، اس وقت کہا جائے گا کہ ہم پر پوشیدہ ہے ہم ثقلین کو نہیں جانتے یہاں تک کہ مہاجرین میں سے ایک بندہ کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ثقلین کیا ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ ان دونوں میں اکبر کتاب اللہ ہے اللہ سبحانہ کی طرف سے ایک سبب ہے اور تمھاری طرف سے ایک سبب ہے پس تم کو چاہیے کہ اس سے تمسک کرو اس سے منہ نہیں موڑو اور نہ اس سے آگے بڑھو، اصغر میری عترت ہے ان کو قتل مت کرنا اور نہ ہی ان پر غلبہ حاصل کرنا، میں نے اللطیف الخبیر سے سوال کیا ہے کہ وہ میرے پاس حوض پر آئیں پس اس نے مجھے عطا فرما دیا، اب جس نے بھی ان دونوں پر غلبہ پانے کی جسارت کی اس نے مجھ پر غلبہ پانے کی جسارت کی، جو ان دونوں سے بچھڑ گیا وہ مجھ سے بچھڑ گیا، ان دونوں کا دوست میرا دوست ہے، ان دونوں کا دشمن میرا دشمن ہے، پھر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دہراتے ہوئے فرمایا کہ مگر یہ کہ تم لوگوں سے پہلے کوئی بھی امت ہلاک نہیں ہوئی تھی لیکن جب انھوں نے اپنی خواہشات کو دین بنا دیا اور نبوت کے خلاف بغاوت کی، عدل و انصاف کو قائم کرنے والا قتل کیا گیا بعد ازاں آنحضرتؐ نے حضرتِ علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور بلند کر کے فرمایا کہ جس جس کا میں مولا تھا اس اس کا علیؑ مولا ہے، اے میرے اللہ! جو اس کو دوست رکھتا ہے اس کو دوست رکھ جو اس سے دشمنی رکھے اس کو اس کے ساتھ دشمنی رکھ۔

اس سند کے علاوہ بھی کئی طرق سے روایت کی گئی ہے، مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث بہت مشہور ہوئی ہے یہاں تک کہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے، لیکن اہلِ سنّت کے متعصبین اور اہلِ عناد نے اس پر بھی اعتراض اٹھائے ہیں، کبھی بعض محدثین پر اعتراضِ حدیث کو روایت کیا ہے، اور کبھی کہا کہ مولا

Presented by Ziaraat.Com

کے تو بہت معانی ہیں، جیسے حلیف، آزاد کردہ، چچا کا بیٹا، ناصر و مددگار اور اولا بالتصرف، لہٰذا یہاں پر مولا کا مطلب امام ہونا نہیں ہے، یہ عجیب بات ہے کیوں کہ (علمِ منطق میں ماہرین کہتے ہیں کہ) بدیہی (واضح) معلومات میں لوگوں کا ماننا شرط نہیں (جیسا کہ کوئی شخص اگر سورج کے طلوع کا انکار کرے تو اس کو قائل کرنے کی ضرورت نہیں ہے)۔ تواتر میں تو یہ بھی شرط نہیں ہے کہ خبر دینے والے اس خبر کو صحیح مانتے ہوں، کیوں کہ یہود بہت سی متواترات سے انکار کرتے ہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، باقی رہا یہ مسئلہ کہ مولا کے معانی متعدد ہیں تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ جس آدمی نے حدیث کے شروع اور آخر کے الفاظ میں تاویل کی ہے وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ یہاں پر اولا بالتصرف سے علاوہ کوئی اور معنا مراد ہی نہیں ہے کیوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہر کے وقت نکلنا اور لوگوں کو جمع کرنا یہ بتانے کے لیے تھا کہ علیؑ میرا ناصر و مددگار رہے یا پڑوسی ہے تو اس کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا، حال آں کہ بات کی شروعات اس طرح فرمائی ہے:

أَلَسْتُ أَوْلٰى بِكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ؟۔

کیا میں تم لوگوں کی جانوں پر خود تم سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟۔

استفہامِ تقدیری اس مطلب پر تنبیہ تھی کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو ان کے ولی امر کے بارے میں آگاہی فراہم کرنا چاہ رہے ہیں، نیز یہ اعلان کرنا کہ یہ ان امور میں سب سے زیادہ سزاوار ہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں، تو وہ بہت بڑے دلائل میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ سے یہ تھی کہ جس جس سے میں اولا ہوں اس اس سے علیؑ اولا ہے، کیوں کہ موجودہ پوری جماعت نے یہ ہی معانی سمجھے تھے، چنانچہ عمر نے کہا:

أَصْبَحْتَ مَوْلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَةٍ۔

آپ مومنین اور مؤمنات کے مولا بن گئے ہیں۔

بس حُبِّ دنیا اور تاج و تخت کی لالچ کے سوا کسی چیز نے عمر کو مولا علیؑ کی اطاعت و

Presented by Ziaraat.Com

فرماں برداری سے نہیں روکا۔

أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ۔

وہ خود زمین کی طرف جھک گیا اور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کر لی۔[۱]

ان دلائل میں سے ایک اور دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرتِ علیؑ کے بارے میں ارشاد ہے:

اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِیَّ بَعْدِی۔

آپ کی منزلت میرے ساتھ وہی ہے جو حضرتِ ہارونؑ کی حضرتِ موسیٰؑ کے ساتھ تھی سوائے میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔[۲]

نیز آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ:

لَا یَبْلِغُ عَنِّی اِلَّا اَنَا وَرَجُلٌ مِنِّی۔

میری طرف سے کوئی نہیں پہنچائے گا مگر یہ کہ میں خود یا ایسا آدمی جو مجھ سے ہو۔[۳]

مذکورہ احادیث کے علاوہ بے شمار احادیث ہیں اور یہاں پر ہم ان احادیث کے شمار کرنے کے درپے نہیں ہیں۔

نیز آپؑ کی امامت اور یہ منصبِ امامت صرف آپؑ کے لیے ہی ہے کسی اور کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ امیرالمومنینؑ افضل ہیں کیوں کہ آپ عالمیت میں سب سے بڑے، زہد وتقویٰ میں سب سے آگے، آپؑ کے برابر جہاد کوئی نہیں کر سکا، اور یہ فضلیت حضرتِ علیؑ کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔ سب سے پہلے اسلام قبول کیا[۴]، ایک لمحہ کے لیے بھی شرک نہیں کیا، لہٰذا کم تر کو

۱۔ سورۂ اعراف: ۱۷۶

۲۔ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۳، ۳۲، ۵۶، ۷۴، ۸۸؛ صحیح مسلم، ج ۴، ۱۸۷۰؛ ج ۲، ۱۹، صحیح، بخاری، ج ۵، ۱۲۹؛ صحیح، ترمذی، ج ۱۳، ۱۷۱-۱۷۵۔

۳۔ یہ حدیث سورہ توبہ کی تبلیغ کے وقت آپؐ نے ارشاد فرمائی۔ مترجم

۴۔ مستدرک، حاکم، ج ۳، ۱۳۶؛ کنز العمال، ج ۶، ۴۰۰-۳۹۴؛ فرائد السمطین، ج ۱، ۲۴۵؛ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۱، ۱۴۱؛ ج ۴، ۳۶۸، ۳۷؛ مستدرک الصحیحین، ج ۳، ۴۶۵؛ صحیح، ترمذی، ج ۲، ۳۰۱؛ تفسیر، طبری، ج ۲، ۶۷؛ ذخائر العقبی، ۶۰۔

Presented by Ziaraat.Com

افضل پر مقدم کرنا قبیح عمل ہے، تو کسی کم تر کے لیے یہ کیوں ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ حضرتِ علیؑ اس کی رعیت میں سے ہوں؟

اگر کہا جائے کہ کثرتِ جہاد کی وجہ سے افضل ہونا ضروری تو نہیں ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ابوبکر و عمر کی رائے جنگوں میں علیؑ کی تلوار سے زیادہ کارآمد ہوا اور اس سے اسلام کو زیادہ فائدہ ہوا ہو۔ اور ہاں، حضرتِ علیؑ کم سن تھے اور بچوں میں سب سے پہلے اسلام لے کر آئے تھے، حال آں کہ ابوبکر کے اسلام لانے کی وجہ سے دیگر بڑے بزرگوں جیسے عمر، عثمان، طلحہ وغیرہ نے اسلام قبول کیا۔

ہمارا جواب یہ ہوگا کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ سب سے بڑی جنگ مشرکین و مسلمین کے درمیان جس کے نتیجے میں اسلام کا بول بالا ہوا ہے وہ جنگِ بدر تھی، اور اسی جنگ میں مولا علیؑ کی حیثیت چکی کے درمیانی کیل کے طرح تھی، یہاں تک کہ فقط آپ نے تنِ تنہا جتنے مشرکین مارے اتنے تو باقی مجاہدین اور ملائکہ نے مل کر مارے، آج تک ابوبکر و عمر کا کوئی کارنامہ اس دن کے حوالے سے نہیں سنا گیا اور نہ ہی پڑھا گیا![1] اور نہ ہی کوئی نام و نشان ہے ان کی کارکردگی کا۔ اسی روز جنگِ احزاب میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

ضَرْبَةُ عَلِيٍّ تَعْدِلُ عَمَلَ اُمَّتِيْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

علیؑ کی ایک ضربت میری پوری امت کے اعمال کے برابر ہے۔

بعض دیگر روایات میں یہ جملہ بھی نقل ہوا ہے:

تَعْدِلُ عَمَلَ الثَّقَلَيْنِ۔

یعنی ثقلین کے عمل کے برابر ہے۔

۱۔ ابوبکر، عمر اور عثمان کا جنگ سے بھاگنا۔ مستدرک الصحیحین، ج ۳، ۳۸؛ کنز العمال، ج ۶، ۳۹۴-۳۹۸؛ صحیح، بخاری، ج ۴، ۷۴-۲۰۷؛ ج ۵، ۷۴-۱۷۱؛ تاریخ، ابن عساکر، ج ۱، ۱۸۸؛ صحیح مسلم، ج ۴، ۱۸۷۰؛ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۱، ۹۹-۱۲۳؛ ج ۵، ۳۵۳؛ تاریخِ بغداد، ج ۸، ۵؛ تاریخ، طبری، ج ۳، ۱۱۔

Presented by Ziaraat.Com

کیا کوئی مسلمان یہ کہہ کر خوش ہوگا کہ ابوبکر و عمر کی رائے مولا علیؑ کی مقاومت سے افضل تھی، جس کی تلوار نے امّتِ مسلمہ کو ایک ایسے خوف سے نجات دی جس میں کسی کو بولنے تک کی ہمت نہیں تھی یہاں تک کہ عمر و ابوبکر بھی انھیں لوگوں میں شامل تھے، اسی طرح دیگر مقامات پر بات صاف ظاہر ہے، خاص طور اس دن جب وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے اور پیچھے مڑ کر دیکھا تک نہیں تھا۔[۱]

باقی مولا علیؑ کی اسلام میں پیش قدمی تو وہ تو سب کو معلوم ہے، احادیث نقل کرنے والے راویین نے بیان کیا ہے، اور لوگوں کا یہ کہنا کہ مولا نے کم سنی میں اسلام قبول کیا، جس میں وہ یہ تاثر دینا چاہ رہے ہیں کہ مولا علیؑ کے اسلام کی اس وقت خاص اہمیت نہیں تھی، تو یہ بات کہنے والے کے کفر و ذلت کی دلالت ہے، کیوں کہ جب آنحضرتؐ نے خود مولا علیؑ کی کم سنی کو کم اہمیت نہیں سمجھا اسی لیے تو پہلی دفعہ ہی میں اپنی وزارت دے دی تھی، جب آنحضرتؐ نے قریش کو اسلام کی دعوت دی اور اپنے لیے وزیر بننے کی پیش کش فرمائی تو اس وقت یہ پیشکش سوائے مولا علیؑ کے کسی نے قبول نہیں کی تھی، پس آپؐ نے فرمایا تھا:

انت ولیّ فی الدنیا و الآخرۃ۔

تم میرے دنیا و آخرت میں ولی ہو۔[۲]

کیا مولا علیؑ کا ایمان کم سنی کی وجہ سے کم درجہ ہے؟ حال آں کہ اللہ سبحانہ کا حضرتِ یحییٰؑ کے بارے میں ارشاد ہے:

۱۔ قصائد شیعہ کے ضمن میں ابنِ حدید فتحِ خیبر کے بارے میں لکھتا ہے:

وَاِنْ اَنْسَ ال اَنْسَ اللّذَیْنِ تَقَدّما
وَفَرّھُما وَالْفَرُّ قَدْ عَلِما حُوبٌ

میں چاہے جو کچھ بھول جاؤں لیکن ان دونوں کا جنگ بھاگنا نہیں بھولوں گا جب کہ جانتے تھے کہ جنگ سے بھاگنا گناہ ہے۔

۲۔ تاریخِ طبری، طبری، ج ۲، ۳۱۹۔۳۲۱؛ شرح نہج بلاغہ، ابنِ حدید، ج ۳، ۲۴۳۔۲۵۵؛ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۲، ۳۵۲؛ تفسیرِ دّرِ منثور، امامِ جلال الدین، ج ۵، ۹۷۔

Presented by Ziaraat.Com

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا۔

اور ہم نے انھیں بچپنے ہی میں نبوت عطا کر دی۔[۱]

اور حضرتِ عیسیٰؑ کی حکایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا۔

بچے نے آواز دی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔[۲]

حال آں کہ حضرتِ عیسیٰؑ گود میں تھے۔ اب حضرتِ علیؑ بھی ان سے رُتبے میں کوئی کم نہیں ہیں کیوں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔

آپ کی منزلت مجھ سے ایسی ہے جیسی حضرتِ ہارونؑ کی حضرتِ موسیٰؑ کے ساتھ تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا۔[۳]

نیز حضرتِ مہدیؑ جو فرزندِ حضرتِ علیؑ ہیں جن کے پیچھے[۴] حضرتِ عیسیٰؑ نماز پڑھیں گے۔ جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے، ہم کسی تعصب میں اندھے شخص کے اعتراض پر کان نہیں دھرتے پس نتیجہ یہ ہوا کہ حضرتِ مہدیؑ حضرتِ عیسیٰؑ سے افضل ہیں۔ نیز کوئی شک نہیں کہ مولا علیؑ حضرتِ مہدیؑ سے افضل ہیں۔

تو پھر حضرتِ یحییٰؑ کو طفولیت میں حکمت ملنا اور حضرتِ عیسیٰؑ کو طفولیت میں کتاب ملنا تو معتبر ہو لیکن حضرتِ علیؑ کا اسلام جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نبوت کا وزیر بنایا، معتبر نہ ہو؟! تو کسی

۱۔ سورۂ مریم: ۱۲

۲۔ سورۂ مریم: ۳۰

۳۔ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۳، ۳۲، ۵۴، ۷۴، ۸۸؛ صحیح مسلم، ج ۴، ۱۸۷۰؛ صحیح بخاری، ج ۵، ۱۲۹؛ صحیح ترمذی، ج ۲، ۳۰۰۔

۴۔ مستدرک، حاکم، ج ۴، ۵۵۷؛ سنن، ابی داود، ج ۴، ۱۵۱؛ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۳، ۳۷؛ ینابیع المودۃ، ابنِ قندوزی حنفی، ۱۸۸۔

Presented by Ziaraat.Com

جنگلی جاہل اور عناد سے بھرے ہوئے تعصبی کے علاوہ کوئی یہ بات کہہ سکتا ہے؟ اور ہاں! ابوبکر کے اسلام لانے سے اسلام کو کیا فائدہ ہوا یہ بات کسی محدث ومؤرخ نے نہیں بیان کی سوائے من گھڑت قصے کہانیوں کے، ان کے بھی بطلان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ابوبکر کا بیٹا عبدالرحمن جنگِ بدر میں مشرکین کی صفوں میں کھڑا تھا اور مسلمانوں سے جنگ کی تھی، حال آں کہ اس کا باپ مسلمانوں کے ساتھ تھا، پس جس شخص کی اتنی استعداد نہ ہو کہ اس کا بیٹا اس کی بات مان سکے، جب کہ باپ کو اولاد پر ایک طرح کا حقِ ولایت ہوتا ہے، بلکہ وہ یہ تک نہیں کرسکا کہ اپنے بیٹے کو جنگ سے باز رکھتا اور اس کے دل میں باپ کا ڈر ہوتا، تو پھر کس طرح کوئی سوچ سکتا ہے کہ صاحبانِ قوت وطاقت اس کی اتباع کریں؟ لیکن اہلِ سنّت نے انصاف کو ایک طرف کردیا اور حقِ اہلِ بیتؑ سے منہ موڑ لیا اگرچہ ان کی بتائی ہوئی راہ راہِ حق ہی کیوں نہ ہو، مگر انھوں نے باطل کا بازو بننا اور دلائلِ حقہ کی تاویل کرنا اپنے اوپر واجب قرار دے دیا۔

ہمیں جو وجوہ بیان کرنی تھیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوبکر اور عمر نے حضرتِ علیؑ پر ظلم کیا ہے اس کی دوسری وجہ درج ذیل ہے۔

قیاسِ منطقی کے صغرا کی دوسری صورت:

یہ وجوہات ہمارے قیاسِ منطقی کے اعتبار سے صغرا ہیں، وہ دوسری وجہ یہ ہے کہ برفرضِ محال ادلۂ سابقہ سے مولا علیؑ کی امامت ثابت نہیں ہوتی اور امامت حضرتِ علیؑ کا حق نہیں ہے تو پھر امت میں سے کسی کو بھی امام ہونے کا حق نہیں ہے، کیوں کہ نہ ہی اس کے بارے میں اللہ سبحانہ کی طرف سے کوئی نص ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کیوں کہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرتؐ نے کسی ایک کے بارے میں بھی وصیت نہیں فرمائی تھی تو اہلِ بدعت کا گمان یہ ہے کہ امامت امت کی رائے واتفاق سے منعقد ہوجاتی ہے، سب جانتے ہیں کہ حضرتِ علیؑ بیعت کے وقت سقیفہ میں موجود نہیں تھے اور نہ ہی ان کی طرف سے موافقت حاصل ہوئی، پس اس حقیر قول کے مطابق امامت کسی کے لیے منعقد ہی نہیں ہوئی، انھیں کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق، امت

Presented by Ziaraat.Com

میں سے کسی کا بھی امامت پر حق ثابت نہیں ہوتا، حال آں کہ حضرتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا راضی نہیں ہوئیں، اور نہ ہی حضرتِ امامِ حسنؑ اور نہ ہی حضرتِ امامِ حسینؑ راضی ہوئے، اور نہ ہی حضرتِ عباسؑ اور ان کی اولاد راضی ہوئی، نیز اسامہ بنِ زید راضی نہیں ہوئے، زبیر راضی نہیں ہوئے اور دیگر بہت سارے لوگ راضی نہیں ہوئے، ان لوگوں کا مولا علیؑ کو بیعت کے لیے طلب کرنا ظلم تھا، ایک ایسی چیز کا مطالبہ کرنا تھا جو ان کے لیے بطورِ حق ثابت ہی نہیں، شرعی طور پر وہ اس منصب کے مستحق ہی نہیں تھے، بجائے اس کے کہ وہ مولا علیؑ کو اپنی بیعت کا پابند کریں اور سخت رویہ اپنائیں، اور گھر جلائیں، چنانچہ انھوں نے مولا علیؑ کے دروازے پر آگ لگانے کے لیے لکڑیاں جمع کی اجیسا کہ محدثین ومؤرخین نے روایت کیا ہے، ان میں سے ایک واقدی ہیں اور اس کے علاوہ دیگر نے بعض اہلِ بدعت نے یہ بہانہ گھڑ لیا کہ مولا علیؑ ابوبکر کی بیعت کے مخالف نہیں تھے، لیکن حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے حق کی رعایت کرتے ہوئے بیعت نہیں کی کیوں کہ بی بی سلام اللہ علیہا راضی نہیں تھیں، باقی مولا علیؑ راضی تھے۔

ہم اس جاہلانہ سوچ کے جواب میں کہتے ہیں کہ چلیں بر فرضِ محال ہم نے تسلیم کرلیا کہ مولا علیؑ کی ناراضی ظاہر نہیں ہوئی! لیکن جو چیز مولا علیؑ کے راضی ہونے پر دلالت کرے ایسی بھی تو کوئی چیز ثابت نہیں ہے، یہ بات اہلِ نقل کے درمیان موردِ اتفاق ہے، حال آں کہ ان لوگوں کی امامت اس وقت شرعی حیثیت حاصل کرسکتی ہے جب مولا علیؑ کی طرف سے راضی ہونا صراحتاً ہو، صرف یہ کہنا کہ مولی علیؑ کی مخالفت ظاہر نہیں ہوئی۔ اور جو کچھ ان لوگوں نے خود اپنی گم راہ کن کتابوں میں ذکر کیا ہے وہ ان لوگوں کی افترا پردازیوں سے موافق نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ جب آپؑ نے بیعت کی تو فرمایا:

بَارَكَ اللهُ فِيمَا سَائَنِي وَ سَرَّكُمْ۔

اللہ سبحانہ برکت دے اس چیز میں جس نے مجھے غمگین کیا اور تم لوگوں کو خوش کیا۔

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ، ابنِ قتیبہ، ۱۴؛ عقد الفرید، امام مالکی، ج ۴، ۲۶۰؛ صحیح، بخاری، ج ۵، ۹؛ ج ۷، ۸۷، تاریخِ خمیس، دیار بکری، ج ۱، ۱۷۸؛ ج ۲، ۱۴۹؛ ابوالفداء، ج ۱، ۱۵۴۔

Presented by Ziaraat.Com

کیا یہ بیعت اور رضایت ہے؟ یعنی مولا علیؑ کے رنجیدہ ہونے میں ان لوگوں کی خوشی ہے؟

اگر یہ فرض کرلیں کہ مولا علیؑ راضی تھے اور جانتے بھی تھے کہ ابوبکر کی بیعت اور مومنین کا امر اس کے ہاتھ میں آنا صحیح نہیں ہے، مولا علیؑ کے لیے کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ وہ حقِ واجب جو لوگوں کی طرف مولا علیؑ کے ذمے تھا اس کو ترک کردیں، کیا یہ بات ایسے شخص کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہو کہ:

عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ وَ الْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ۔

علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔[1]

نیز ارشاد رمایا:

اِنَّهُ مِنْ ثَانِيَ الثَّقَلَيْنِ الَّذِيْنَ لَمْ يَفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ۔

وہ (مولا علیؑ) ثقلین میں سے دوسرے ہیں جو کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے حوض تک پہنچ جائیں۔

رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم بیان فرمادیا کہ جو شخص بھی ان دونوں سے تمسک کرے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا[2]، حالہ آں کہ اللہ سبحانہ نے ان سے رجس کو دور رکھا اور ایسا پاک و پاکیزہ قرار دیا جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔

بلکہ ہم کہیں گے کہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کا ابوبکر کی بیعت سے راضی نہ ہونا حق تھا یا باطل؟ کیوں کہ اگر پہلے فرض کو تسلیم کیا جاتا ہے تو ابوبکر ظالم وملعون قرار پاتا ہے، لیکن اگر دوسرا فرض صحیح مانا جاتا ہے تو امیر المومنینؑ اور دیگر بزرگ صحابہ پر حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا واجب تھا، اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو مطلب سب نے واجب کو ترک کردیا، کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں تھا کہ وہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے ڈر سے واجب

---

[1]۔ تاریخِ بغداد، ج ۱۴، ۳۲۱؛ فرائد السمطین، ج ۱، ۱۷۷؛ کنز العمال، ج ۶، ۱۵۷۔

[2]۔ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۴، ۱۷، ۳، ۳۶۷، ۳۶۶؛ ج ۵، ۱۸۱؛ صحیح، ترمذی، ج ۱۳، ۱۹۹-۲۰۱؛ سنن بیہقی، ۲، ۱۴۸؛ صحیح، مسلم، ج ۷، ۱۲۲-۱۲۳؛ کنز العمال، ج ۱، ۴۸۔

Presented by Ziaraat.Com

ترک کردیں، پس سب کا اجماعی طور پر حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو راضی نہ کرنا واضح کرتا ہے کہ ان پر کوئی چیز واجب ہی نہیں تھی پس ثابت ہوگیا کہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا حق بجانب تھیں اور ابوبکر اور اس کے ساتھی ظالم تھے۔

کوئی شک نہیں ہے کہ جس کسی نے بھی حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے خلاف جرئت کی جو بضعتِ نبوت ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پالا پوسا، جو عترت کی ایک فرد جو ثقلین میں سے ہیں، پس ان کی طرف واجب کے مخالفت کرنے کی نسبت دینا اور باطل پر اصرار کرتے رہنا یہاں تک کہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے خالقِ حقیقی سے جاملیں، یہ سب پیغمبرِ اسلامؐ کی توہین شمار ہوتی ہے اور بغض وکینہ ہے جس کے پاس کوئی ایمان نہیں ہے اور نہ ہی اسلام میں کوئی حصہ ہے۔

ہم یہ بھی کہنا چاہیں گے کہ اگر اس کی امامت اہلِ حل وعقد کے اتفاق سے ثابت ہوئی ہے تو یہ اتفاق حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کی موافقت کے بغیر کس طرح ثابت ہوسکتا ہے؟ اگر انھوں نے کہا کہ امامت کے موضوع پر خواتین کی رائے معتبر نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ تمھارے گمان میں وہ ایک مجتہدہ ہیں، بلاشک مجتہدہ کا قول معتبر ہونا چاہیے اجماع کے منعقد ہونے کے لیے، لہٰذا تمھارے ہی قول کے مطابق اجماع منعقد نہیں ہوا کسی بھی شرعی مسئلے کے اوپر خواہ وہ کوئی عام سا ہی مسئلہ کیوں نہ ہو، باقی رہی فقط اہلِ حل وعقد کی بات تو اس میں مرد وخواتین دونوں ہی شامل ہیں۔

چنانچہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

مَنِ اجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرٌ وَإِنَّ مَنِ اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ۔

جو شخص اجتہاد کرے اور صحیح نتیجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے تو اس کے لیے اجر ہے، یقیناً جو شخص اجتہاد کرے اور صحیح نتیجہ حاصل نہیں کرپائے تو اس کے لیے ایک ہی اجر ہے۔

اس روایت میں لفظِ "مَن" عموم پر دلالت کرتا ہے، جس میں مرد وخواتین دونوں ہی شامل ہیں، نیز تم لوگوں نے ہی کہا ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

Presented by Ziaraat.Com

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِی عَلٰی خَطَاءٍ۔

میری امت غلط نتیجے پر اجماع نہیں کرسکتی۔

بلا شک خواتین بھی امت کا ہی حصہ ہیں، اور تم لوگ ہی کہتے ہو کہ عائشہ مجتہدہ تھی اور اس کو اجر ملا ہے، اس نے علیؑ کے مقابلے میں آ کر جنگ نہیں کی مگر اپنے اجتہاد کی وجہ سے، تو ان کا اجتہاد کیوں معتبر ہے اس مقام پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد موجود ہے:

حَرْبُكَ حَرْبِی۔

تم سے جنگ مجھ سے جنگ ہے۔[1]

اور اس کے اجتہاد کا کوئی مواخذہ نہیں کیا جا سکتا، باقی حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کا اجتہاد ابوبکر کی بیعت کے بارے میں کہ بی بی سلام اللہ علیہا نے اس کی بیعت نہیں کی تو اس پر اعتراض کیوں ہے؟ اور وہ اجتہاد کیوں غیر معتبر ہے؟ اور نہ ہی حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کا اجتہاد انعقادِ اجماع میں رکاوٹ کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جب کہ بی بی سلام اللہ علیہا کی قدر و منزلت اور بلندی رُتبہ جس کی طرف ہم نے توجہ دلائی ہے، تو یہ ایک واضح و آشکار جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ہم یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ اگر امامت کا منصب امت کی آرا سے مشروط ہے تو پھر اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ اجتہاد تو مسائلِ ظنیہ (یعنی جس کا نتیجہ یقینی نہیں ہوتا) میں ہوتا ہے، جن مسائل میں ہر کوئی جانتا ہے کہ یقین حاصل کرنا ہدف نہیں ہوتا ہے، اور خواص میں سے ہر مجتہد کو اس کا اجتہاد جس بھی نتیجے پر پہنچائے اس کے لیے اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ پھر اس کے لیے کسی دوسرے مجتہد کی رائے پر عمل کرنا جائز نہیں ہوتا، نیز ضروری نہیں ہے کہ مجتہدین کسی بھی مسئلے پر آپس میں اتفاق پیدا کر لیں، لیکن اگر خود بخود اتفاق حاصل ہو جاتا ہے تو یہ اجماع ہے، پر اگر اجماع نہ بھی حاصل ہو تب بھی غرضِ مطلوب یعنی حکم شرعی فوت

۱۔ مناقبِ، ابنِ مغازلی، ۷ ۲۳، مناقب، خوارزمی، باب ۱۴، ۹۶؛ فرائد السمطین، ج ۲، ۸ ۳؛ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۲، ۲ ۴ ۴ ؛ مستدرک، حاکم، ج ۳، ۱۴۹۔

Presented by Ziaraat.Com

نہیں ہوتا کیوں کہ ایک مکلف کی ذمہ داری کسی دوسرے مکلف کی ذمہ داری سے مربوط نہیں ہوتی، اسی طرح امامت کی حقیقت ان لوگوں کے کہنے کے مطابق یہ ہے کہ ایک شخص پر سارے مجتہدین کی رائے اتفاق ہوجائے تو وہ ان کا حاکم ورئیس قرار پائے گا، اگر اتفاق نہ ہوسکے تو امامت کا حصول ممکن نہیں ہے، نیز ضروری ہے کہ یہاں پر مسئلۂ ظنی (غیر یقینی) نہ ہو بلکہ قطعی و یقینی ہو کیوں کہ اجماع یقینی و قطعی ہوتا ہے، پھر ان لوگوں کا یہ شرط قرار دینا کہ امامت کے منصب کے لیے رائے متفق (اجماع) ہو تو یہاں پر مزید بحث کی ضرورت ہے، اور وہ یہ ہے کہ امامت اگر اجماع سے مشروط ہے تو تین صورتوں سے خالی نہیں ہے:

پہلی صورت:

امامت لوگوں پر مناصبِ شرعیہ میں سے ہے جس کا بیان کتاب وسنّت میں موجود ہونا چاہیے کہ کون شخص ہے جو امامت کا اہل ہے اور دوسروں سے زیادہ حق دار ہے کیوں کہ کتاب وسنّت میں ہر چیز کا بیان ہے اور اس بنا پر ضروری ہے کہ ہر وہ شخص جس میں استنباط کی اہلیت ہے وہ حاضر ہوں پھر کتاب وسنّت میں تحقیق کریں اور ان دونوں میں سے کسی معین شخص کی نشان دہی کریں کہ یہ ہی شخص ہے شرعی اعتبار سے جو امام بن سکتا ہے، پس جب سب لوگ کتاب وسنّت کی دلالت پر متفق ہوجائیں تو امامت منعقد ہوجائے گی، پھر اپنے فتوا پر نظرِ ثانی کریں، اور پھر نظرِ ثانی کریں یہاں تک کہ اتفاق حاصل ہوجائے، اس صورت میں لازم ہے کہ اس شخص کی بات کا اعتبار ہوگا جس میں کتاب وسنّت میں حکمِ شرعی معلوم کرنے کی صلاحیت ہو خواہ وہ مردوں میں سے ہو یا عورتوں میں سے ہو، اس بات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی معین شخص پر اتفاق نہیں کرسکتے تو امامت منعقد نہیں ہوسکتی، بلکہ بارِ دیگر تحقیق لازم ہوجائے گی کیوں کہ لوگوں پر نصبِ امامت واجب ہے ، اور وہ واجب ادا نہیں ہوگا جب تک کہ پھر نئے سرے سے غور وفکر کرکے کوئی نتیجہ حاصل نہیں کرلیتے، ہر وہ چیز جو واجب کی ادائی میں ضروری ہے وہ چیز بھی واجب ہوجائے گی، واجب ادا نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ اجماع واتفاق حاصل ہو تو پس اجماع واتفاق کا حاصل ہونا واجب

Presented by Ziaraat.Com

ہوجائے گا، یہاں پر کسی شخص کو بھی اپنی ذاتی رائے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، اگر کوئی ایسا کرے تو اس کی رائے نہیں لی جائے گی کیوں کہ شخصی رائے مسائلِ ظنیہ میں معتبر ہے جن پر دلائلِ قطعیہ و یقینیہ موجود نہیں ہوتے، اسی طرح یہاں پر بھی کوئی دلیل قطعی موجود نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ اگر یہ عمل (غور وفکر کرنا اجماع حاصل کرنے کے لیے) تکرار ہوتا رہے اور کسی ایک نتیجے پر نہ پہنچ سکیں۔

تو ہم کہیں گے کہ معلوم ہوا کہ منصبِ امام آرائے امّت سے مشروط ہی نہیں ہے ورنہ نصبِ امام محال ہوجائے گا، یا یہ کہ ہر فریق اپنی رائے پر عمل کرے، تو اس صورت میں ہر فریق کا علیحدہ امام ہوگا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آرائے امّت کے بغیر ہی امام بن جائے تو یہ اپنی بات کو جھٹلانا ہوا، کیوں کہ دعوا تو یہ ہی تھا کہ آرائے امّت سے امام ہوگا۔

دوسری صورت:

فرض کرتے ہیں کہ صورتِ حال ایسی ہی رہے، لیکن حقوقِ امامت کا لوگوں کے اوپر ثابت ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص جو اپنے آپ پر حق رکھتا ہے اسی کے تحت اپنی رائے سے کسی بھی شخص کی بیعت کرلے بغیر اس کے کہ اس نے کتاب وسنّت کی طرف رجوع کیا ہو یا اس سے کوئی حکم اخذ کیا ہو، پس جب اس طرح سارے لوگ بیعت کرلیں تو امامت شرعاً وعموماً منعقد ہوجائے گی کیوں کہ ہر شخص اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس کی چاہے بیعت کرلے اور اپنا حاکم مان لے، اس فرض کا بطلان جیسا کہ روزِ روشن کی طرح واضح پھر اس میں خواتین شامل ہیں اور کمزور وناتواں طبقہ بھی اس میں آتا ہے یعنی اگر ان میں سے کوئی ایک بھی بیعت نہ کرے تو امامت عموماً ثابت نہیں ہوسکتی۔

تیسری صورت:

امامت مناصبِ دنیوی میں سے ہو جس کا شریعت کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ ہو بلکہ انسانوں کی معرفت رکھنے والے گروہ کی آرا سے مشروط ہو، جس طرح ہندوستان کے کفّار

Presented by Ziaraat.Com

اور انگریز اور ان کی طرح دیگر قومیں اپنے بادشاہوں کے چناؤ میں اس طریقۂ کار پر عمل کرتے ہیں، اس فرض میں خواتین کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ ان لوگوں کی نظر میں خواتین کا اتنا بڑا مقام نہیں ہے کہ وہ ایسے معاملات میں حصہ دار بن سکیں، اسی طرح وہ ضعفا و مساکین بھی اس عمل سے باہر ہی رہیں گے۔

حال آں کہ ان لوگوں کی مراد اس طرح کا ہی انتخاب ہے، لیکن اس صورت میں منصبِ امامت شرعی حیثیت نہیں رکھتا، اور وہ خلافتِ نبی اکرم بھی نہیں ہوگی، پس اس ملعون (جس کو وہ لوگ اپنے گمان میں امام مانتے ہیں) کی نہ امامت ثابت ہوئی اور نہ شرعاً وجوبِ اطاعت، اور نہ ہی محافظِ شریعت، نہ ہی اس کی دوسروں پر کوئی فضیلت ہے، نہ وہ کسی کو معزول کرنے کا حق رکھتا ہے اور نہ کسی کو کوئی منصب عطا کر سکتا ہے، اس کا مخالف شرعی طور پر گناہ گار نہیں ہوگا، اور نہ ہی اس کے خلاف خروج کرنے والا شرعاً باغی کہلائے گا، نہ ہی کسی بے وارث کے میراث کا مالک بن سکتا ہے، اور نہ ہی خمس وصول کر سکتا ہے، اسی طرح احکامِ شرعیہ میں بھی اس کی کوئی حثیت نہیں ہے، ورنہ اس کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ ایک چیز کا اثبات ونفی شرعی طور پر کیا جائے مگر یہ کہ شارع کا اس میں سرے سے کوئی عمل دخل ہی نہ ہو تو اس صورت کا بھی بطلان واضح ہے، پس امامت اہلِ سنّت کی رائے کے مطابق ان مذکورہ تین صورتوں سے باہر نہیں ہے، کسی چوتھی یا پانچویں صورت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یا تو امامت منصبِ شرعی ہے یا نہیں؟ اگر منصبِ شرعی ہے یا لوگ اسے کلامِ الٰہی وسنّتِ رسول اللہ سے معلوم کریں، یا یہ کہ اپنی طرف سے کسی کی بھی بیعت کر لیں، یہاں پر چوتھی صورت کوئی بنتی ہی نہیں ہے، انھیں تینوں صورتوں کے پیشِ نظر تصور کریں کہ ابوبکر وعمر اور جن لوگوں نے ان کی بیعت کی تھی، وہ اگر زورِ بازو پر مولا علیؑ سے بیعت کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ ظلم ہے، بلکہ ظلم کی نہایت بگڑی ہوئی صورت اور ایک پست حرکت ہے۔ یہ بات اہلِ عقل سے پوشیدہ نہیں ہے، لیکن اہلِ بدعت کے بارے میں ارشاد ہے:

Presented by Ziaraat.Com

كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔

جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔[۱]

دوسری وجہ:

ان لوگوں نے بیعت نہ کرنے والے صحابہ (جیسے اسامہ بن زید بن حارثہؓ) پر جو ظلم ڈھایا، نیز ان کا قصہ بہت مشہور ہے جب ان کو بیعت لینے کے لیے بلایا گیا تو انھوں نے ابوبکر و عمر سے کہا کہ کل تک تو تمھارا امیر میں تھا آج تم لوگوں کو میرا امیر کس نے بنایا ہے؟

اپنے اس جملے سے اسامہ نے آنحضرتؐ کے اس حکم کی طرف اشارہ کیا جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالتِ مرض میں لشکر تیار کر کے اسامہ کو اس کا امیر بنایا تھا اور ابوبکر و عمر کو بھی ان کے ساتھ جانے کا حکم دیا تھا۔[۲]

اہلِ بیتِ رسول اللہ علیہم السلام پر ظلم کے بعد یہ بھی ظلم کی ایک بدترین نوعیت تھی اور یہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بہت بڑی جرئت ہے۔

اسی طرح کا قول زبیر کے بارے میں بھی ہے عمر نے اس کی تلوار پتھر سے توڑ دی تھی۔

یہ ہی حال حضرتِ عباسؓ اور ان کے بیٹے عبداللہ بنِ عباسؓ کا اور دیگر ان لوگوں کا تھا جنھوں نے بیعت کرنے سے انکار کیا تھا، ابوبکر و عمر کا یہ حق نہیں تھا کہ کسی کو اپنی مجلس میں طلب کرتے اور نہ ہی بیعت کا مطالبہ کر سکتے تھے کیوں کہ اگر یہ عہدہ شرعی ہے تو اس کا ثبوت ان لوگوں کی موافقت سے مشروط ہے (جیسا کہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ امامت اتفاقِ رائے سے منعقد ہوتی ہے، پس جب ان لوگوں کا اتفاق نہیں تھا تو گویا امامت منعقد ہی نہیں ہوئی پھر بیعت کا مطالبہ کس رُو سے جائز ہو سکتا تھا۔ مترجم) اگر امامت شرعی نہیں ہے تو لوگوں کو ایسے امر پر ہراساں کرنا جس

۱۔ سورۂ مائدہ: ۱۰۳

۲۔ لیکن ابوبکر و عمر نے لشکر کے ساتھ جانے سے خود کو باز رکھا اور مدینے میں ہی رہ گئے حال آں کہ رسول نے لشکرِ اسامہ کے ساتھ جانے کے حکم کی نافرمانی کرنے والوں پر لعنت کی تھی۔ الملل والنحل، شہرستانی، ج ۱، ۲۹۔

Presented by Ziaraat.Com

کا ثبوت شریعت میں موجود نہیں ہے تو دورِ جاہلیت کی یاد تازہ کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے، اور دین پر بہت بڑا ظلم ہے، پس جو شخص اس مسئلے پر غور وفکر کرتا ہے اور انصاف سے دیکھتا ہے تو سمجھ سکتا ہے کہ ان لوگوں نے آنحضرتؐ کی وفات کو اپنے لیے غنیمت سمجھا اور دورِ جاہلیت کی روش پر پلٹ گئے، ظاہری طور پر حکمِ شریعت کو پسِ پشت ڈال دیا، اور دورِ جاہلیت کی روش کو دین کا لبادہ اوڑھ کر چھپا دیا تا کہ عام عوام اس سازش کو سمجھ نہ سکے اور اپنے اپنے کام میں لگ جائیں، اب اس میں کوئی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

تیسری وجہ:

ان لوگوں نے حقِ رسول اللہ پر ظلم کیا، کیوں آنحضرتؐ کے منصب پر بیٹھ گئے اور اپنے آپ کو خلفا کہا، اور مؤمنین کے امیر بن گئے اور تمام لوگوں کے دینی و دنیوی امور پر حق جتانے لگے حال آں کہ یہ نبوت کا منصب ہے بس اس میں وحی شامل نہیں، حال آں کہ حقیقت میں وہ منصبِ نبوت تھا صرف وحی کو چھوڑ کر، یہ واضح و آشکار سی بات ہے کسی دلیل کی محتاج نہیں کیوں کہ کوئی بھی شخص جب نبوت و امامت کے معنی کو تصور کرتا ہے تو دونوں میں سوائے وحی کے کوئی اور فرق نہیں سمجھتا، اس ایک امر کے علاوہ تمام کلیات و جزئیات میں ایک ہیں، لیکن نبوت اصل ہے اور امامت اس کی فرع اور نیابت ہے، بلا شک یہ امور اصل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہیں، مگر یہ کہ آپؐ نے یہ حقوق کسی کو تفویض کیے ہوں اور ان کو مخصوص عہدے کے طور پر عطا فرمائے ہوں تو ٹھیک ہے، ورنہ جو کوئی ان امور کا دعوے دار ہو وہ ظالم، نافرمان اور گناہ گار ہوگا۔ جب خدا نے کسی بچے کے حق پر اس کے ولی کی اجازت کے بغیر تصرّف کرنے کا حق کسی کو نہیں دیا چاہے وہ کتنا ہی متقی اور عالم ہی کیوں نہ ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ نبیؐ کا حق ان کی اجازت یا وصیت کے بغیر کسی اور کو مل جائے جب کہ خدا نے پیغمبرؐ کے گھر میں ان کی اجازت کے بغیر داخل ہونے کو حرام قرار دیا ہے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی رسالت میں کسی کو ان کی اجازت کے بغیر شریک کرنا جائز ہے۔ کیا یہ ظلم کا سب سے بڑا درجہ نہیں؟۔

Presented by Ziaraat.Com

اگر اس امت کے کم عقل اور اہلِ بدعت افراد اس بات کی یہ توجیح پیش کریں کہ لوگوں کے لیے ایک ایسا سردار ہونا چاہیے جو ان کے دنیوی معملات اور نظامِ زندگی کا کرتا دھرتا ہو اور یہ تو نبوت کا منصب نہیں ہے کہ رسول کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کا اس پر قیاس کیا جا سکے کیوں کہ ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی تو لوگون کی زندی اور دنیوی امور کا۔۔۔۔دار تو ہوگا جو ان کی زندگی میں دخل دے گا۔ اس بات کا باطل ہونا بھی ظاہر ہے کیوں کے بہت سے شرعی احکام امورِ دنیوی اور نظامِ زندگی کے حوالے سے موجود ہیں لہٰذا قاضیوں کو دفع کرنا یا معزول کرنا ان کاموں سے نہیں جو شرع سے مربوط نہ ہو، اسی طرح صرف امام کے نصب کردہ قاضی کی طرف فیصلہ لے جایا جا سکتا ہے یہاں تک کہ امام اس قاضی کو معزول نہ کر دیں۔

چوتھی وجہ:

انھوں نے اپنے نفوس پر ظلم کیا، اپنے آپ کو اس قدر بلند مرتبہ سمجھا جو ان کے لیے جائز نہیں تھا، ایسے امور میں تصرف کیا جو ان کا حق نہیں تھا، امت کے عظیم لوگوں پر پر حکومت کی، حال آں کہ اس طرح کے عظیم المرتبت لوگوں پر امامت کرنا ان لوگوں کی اوقات نہیں تھی[1]، اور یہ لوگ اپنی حد سے تجاوز کر گئے، اللہ سبحانہ نے اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کی کلامِ مجید میں کئی مقامات پر مذمت فرمائی ہے، اور ان کو ظالم کہا ہے، اور یہ ظلم کی بدترین قسم ہے؛ کیوں کہ انسان

۱۔ جیسے ابوبکر کے باپ ابوقحافہ نے اس کی بیعت نہیں کی اور جب ابوبکر خلیفہ بنا تو وہ طائف میں تھا۔ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابوبکر نے اپنے باپ کو خط میں لکھا: رسول خدا کے خلیفہ ابوبکر کی جانب سے! جان لو کہ لوگوں نے مجھے عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے خلیفہ چن لیا ہے۔ تم بھی اپنی قوم سمیت آؤ اور میری بیعت کرو کہ میں آج خدا کا خلیفہ ہوں اور تم جتنی جلدی ایسا کرو گے تمھارے لیے بہتر ہوگا۔ اس خط کے جواب میں اس کے باپ نے لکھا: تم خود کو رسول اللہ کا خلیفہ لکھ رہے ہو اور اس بعد یہ بھی لکھ رہے ہو کہ لوگوں نے تمھیں عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے خلیفہ چنا ہے اور پھر کہتے ہو میں خدا کا خلیفہ ہوں، تم تو لوگوں کے خلیفہ ہو خدا اور رسول کے خلیفہ نہیں۔ اور اگر تمھیں عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے خلیفہ چنا گیا ہے تو میں عمر میں تم سے بھی بڑا ہوں اس حساب سے تو مجھے خلیفہ بنانا چاہیے تھا۔ جب ابوبکر نے یہ خط پڑھا تو اپنے باپ سے ناراض ہو گیا اور اس خط کو آگ میں جلا دیا۔ حدیقہ شیعہ، ج۱، ۳۵۳۔

Presented by Ziaraat.Com

کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کا تذکیہ کرے اور اپنے نفس کو صحیح طریقے سے تراش کر اطاعت کرنے کی کوشش کرے، پس اگر کسی ناجائز کام کا ارتکاب کرے، ایسا فعل انجام دے جس پر عقاب ہو تو اس پر جو واجب تھا اس نے وہ انجام نہیں دیا اور اپنے نفس کو مصیبت میں ڈال دیا، پس وہ ظالمین میں شمار ہوگا۔

پانچویں وجہ:

انھوں نے پوری امت پر ظلم کیا ہے:

کیوں کہ انھوں نے اعلا منصب وعہدے کو اس کے اہل سے غصب کیا، اُس جگہ پر بیٹھ گئے جس کے وہ اہل نہیں تھے، وہ اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بغیر کسی نص کے، اور نہ ہی شریعت کے دقائق ومخفیات سے آگاہ تھے، بلکہ بہت سے عمومی مسائل تک نہیں جانتے تھے،[1] چیزوں کو ان کے مناسب مقام سے ہٹا دیا، لوگوں پر خود بڑا بنا کر پیش کر دیا اور ان کے امیر وامام ہونے کا دعوا کر دیا، بعض گروہ کو ذلیل وخوار کر دیا اور بعض گروہ کو اپنے عہدوں سے معزول کر دیا، بعض گروہ کو مقدم کیا اور بعض کو موٴخر، یہ سب بغیر استحقاق کے کیا، یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا ٹھیک کر رہے ہیں اور کیا غلط، یہاں تک کہ ان سے بدعات وگم راہیوں کا ظہور ہونا شروع ہوگیا، شیریعت کی مخالفت کرنے لگے، (بدعات وگم راہی پھیلانے والے افعال کے بارے میں) جو عذر پیش کیا جا رہا ہے کہ باقی صحابہ ان کے اقوال وافعال میں متفق تھے[2]، اور استخراجِ احکام میں ایک دوسرے کے معاون تھے، یہاں تک کہ اگر ان میں کسی کے پاس کسی مسئلے کا علم ہوتا تھا یا اس کے بارے میں حدیث معلوم ہوتی تھی تو وہ اس کی روایت کرتا تھا، یا اگر اس کا اجتہاد ہوتا تھا تو بھی بیان کرتے تھے کہ یہ ان کا اجتہاد ہے، پھر وہ اس میں غور وفکر کرتے تھے اور صحیح بات کا انتخاب کرتے تھے، تو یہ ظلم نہیں ہے کیوں کہ صحابہ ان کے ساتھ متفق تھے، بلکہ یہ دعوا

---

[1] ۔سب جانتے ہیں کہ عمر احکامِ تیمم تک سے ناآشنا تھا؛ صحیح، بخاری، ج۱، ۸۸-۹۱؛ صحیح مسلم، تیمم، ج۱، ۱۹۳۔

[2] ۔اصحاب کی موافقت کی کوئی شرعی حیثیت نہیں تھی بلکہ وہ صرف عمر کے ڈر سے حق اور احکامِ شریعت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

اجماعاً باطل ہے، اوراس کے سراسر جھوٹ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اگر کوئی تھوڑا بہت بھی کتاب وسنّت کو جانتا ہےتو وہ اس دعوا کی حقیقت سے آگاہ ہے، بعد میں ہم اس کو بیان بھی کریں گے، ہم شریعتِ مطہرہ پران کی جہالت کو بیان کریں گےاور یہ بھی بات کریں گے کہ وہ کس درجہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف ہو سکتے ہیں۔

آپ کے لیے یہ ہی کافی ہوگا کہ حضرتِ عبداللہ بنِ عباسؓ پاؤں پرمسح اورمتعہ کے قائل تھے، نیز "عول" کو باطل مانتے تھے،لیکن ان کے ڈر سے وہ اظہارنہیں کرتے تھے،عمر سے ڈرتے رہے جب وہ مرگیا تو اپنی رائے کا اظہار کیا،لوگوں نے پوچھا کہ پہلے کیوں نہیں کہی تھیں یہ باتیں؟تو جواب یہ تھا کہ عمر کے ڈر سے جو دین کا دشمن تھا، اظہارِحق کا قائل نہیں تھا، اس نے احکامات میں ردّ وبدل کردی تھی[۱] اورحق کو قبول نہیں کرتا تھا، اب آپ بتائیں جس کے ظلم سے حضرتِ عبداللہ بنِ عباسؓ جیسی شخصیت محفوظ نہیں ہے، جو اس جلیل القدر صحابی ہیں، جن کے علم پراس وقت کے لوگوں کا اتفاق تھا وہ شخص بھی اپنی اس رائے کا اظہارنہیں کرسکتا جس کے بارے میں صریح قرآن موجود ہے، اور سنّتِ مطہرہ اس کی گواہی دیتی ہے، بڑے بڑے صحابی اس رائے کا اعتراف کرتے ہیں، لیکن وہ عمر کے ڈر وشر سے اوراس کی دشمنی مول لینے کے خوف سے خاموش تھے، اپنی رائے بیان نہیں کرتا،تو یہاں پرحق واضح ہوجاتا ہے مگر یہ کہ کسی شخص پراس کی خواہشات غالب آجائیں، یا کسی چیز کی محبت میں وہ دیکھنے اور سننے سے عاجز ہوجائے۔

چھٹی وجہ: (عظیم عہدۂ اسلام منصبِ امامت پر ظلم کیا)

"کیوں کہ انھوں نے اپنے آپ کواس منصب کے لیے اہل ظاہر کیا"

اگر کوئی شخص احکامِ باطلہ وفاسدہ کو احکامِ رسول اللہ اوراحادیثِ نبویہ اور کردارِ نبی اعظم کے

---

[۱]۔ صحیح، بخاری، ج ۵، ۱۵۸؛ صحیح مسلم، ج ۴، ۱۳۱؛ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۱۱، ۷ ۳۳؛ جب لوگ ایک سادے سے شرعی مسئلے میں اختلاف نہیں کرتے تھےتو مسئلۂ غدیر اور ولایت پر کیسے احتجاج کرتے۔

Presented by Ziaraat.Com

ساتھ مقائسہ کرے (مطالعہ وتحقیق کرے) تو بہت بڑا مقصد حاصل کر سکتا ہے، ان کے ظالم ہونے کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ انھوں امامت کے منصب کے لیے اہل شخص سے منہ پھیر لیا بغیر اس کے کہ اللہ سبحانہ کی طرف اس شخص کو معین کیا جاتا ہے اور وہ اپنے خود ساختہ امام بنا کے اس کی اطاعت میں مشغول ہو گئے، ایسے لوگ باعث بنے کہ بنی امیہ جیسے زندیق لوگوں نے اس منصب پر بیٹھنے کی جرائت کی جیسا کہ معاویہ، یزید و بنی مروان لعنہم اللہ۔ اوران سے پہلے کے لوگوں نے ان کے لیے زمینہ فراہم کیا، ان لوگوں کو ولایت وحکومت دے دی، اور پرچمِ اسلام ان کے ہاتھوں میں تھما دیا، اہلِ بیتؑ اور ان کے چاہنے والوں کو مناصب سے دور رکھنے کے لیے انھوں نے بہتر طور پر منصوبہ بندی کر دی، حال آں کہ وہ تو شریعتِ مطہرہ کی تعظیم پر مامور تھے؛ جس کا مطلب شعائر اللہ کی تعظیم ہے، نیز امور کو ان کے اہل کے پاس ہونا تھا، جو اہل نہیں ہے اس کو وہاں سے دور اور ان عہدوں سے دور ہونا تھا، شر کے دروازے بند ہو جاتے اگر معاویہ جیسے لوگوں کو قریب نہ کیا جاتا جس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر جب ہجرت ختم ہو گئی اور سوائے اسلام اور تلوار سے مقابلہ کرنے کے کوئی اور چارہ نہیں بچا تھا[1]، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت کے بارے میں اس کا حال بھی اپنے باپ دادا، ماں اور بھائی، خالو جیسا ہی تھا، وہ بھی آنحضرتؐ سے بغض اور جنگ میں حد سے آگے نکلا ہوا تھا، اور اس کے وہ رشتہ دار جو حضرتِ علیؑ کی تلوار سے واصلِ جہنم ہوئے تھے کیا وہ اس بات سے باخبر نہیں تھے، جب شام کی حکومت معاویہ کو دے دی تو یہ اس کو ایک وسیلہ دیا گیا تا کہ وہ اس توسط سے اہلِ بیت رسول اللہ علیہم السلام سے اپنا انتقام لے سکے جس کے زخم ابھی تک نہیں بھرے اور فرصت کے لمحات کو ضائع نہیں کرے، کیا غاصب ان تمام امور کا ضامن نہیں ہوتا جو اس مغصوب چیز پر قیامت تک کے لیے مرتب ہوتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا:

عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَ۔

وہ ذمہ دار ہے جو کچھ اس نے لیا ہے یہاں تک کہ وہ واپس نہ کر دے۔

---

[1]۔ حدیقۃ الشیعۃ، ج۱، ۲۶۵۔

Presented by Ziaraat.Com

اللہ ان لوگوں کو اپنی رحمت سے دور رکھے کہ ان لوگوں نے اہلِ بیتِ رسولؐ ظلم وستم پر ڈھایا اور یہ ظلم کسی سے ڈھکا چھپا بھی نہیں ہے۔ آگے چل کر ہم ان میں سے بعض کا ذکر بھی کریں گے۔

حضرتِ دعبل خزاعیؒ ان مظالم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ مَا سَهَّلَتْ تِلْكَ الْمَذَاهِبُ فِيهِمْ
عَلَى النَّاسِ إِلاَّ بَيْعَةَ الْفَلَتَاتِ

لوگوں کے لیے مذہب پر عمل کرنا کتنا آسان تھا یہاں تک کہ انھوں نے فلتات (فتنہ گروں) کی بیعت کر لی۔

قاضی کہتے ہیں کہ ابن قریعہ کے بعض ابیات میں سے یہ ہیں:

وَأَرَيْتُكُمْ أَنَّ الْحُسَيْنَ
أُصِيبَ فِي يَوْمِ السَّقِيفَةِ

”کیا تم لوگوں نے دیکھا کہ حسینؑ، سقفیہ میں زخمی کر دیے گئے تھے“

الحمد للہ دلائلِ قاطعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے ظلم ڈھائے اور جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا اور وہ بھی جو ان کے افعال سے راضی ہیں وہ سب ظالم ہیں، بلکہ ظالموں کے راہنما ہیں، اور دوسروں کو ظلم کی راہ دکھانے والے ہیں، پس ہر وہ ظالم جو ان لوگوں کے بعد آئے گا وہ ظلم میں ان لوگوں کی ہی پیروی کرے گا، ہر وہ احکام وحدودِ الٰہی جن پر عمل نہیں ہوسکا ان لوگوں کی وجہ سے یا دین میں کوئی نقص واقع ہوا، یا جو مؤمنین پر ظلم ہوا تو ان سب کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں، اسی کے بارے میں انھیں لوگوں سے وہ حاکمِ عادل جس سے کوئی چیز مخفی و پوشیدہ نہیں ہے وہ حساب لے گا۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ۔

جس دن ظالموں کو اُن کی معذرت فائدہ نہیں دے گی اور اُن کے لیے پھٹکار ہوگی اور اُن کے لیے (جہنم کا) بُرا گھر ہوگا۔[1]

---

[1] سورۂ مؤمن: ۵۲

Presented by Ziaraat.Com

دوسری فصل

(سورۂ احزاب کی آیت ۵۷ سے استدلال)

Presented by Ziaraat.Com

اللہ سبحانہ کے ارشاد کی توضیح وشرح میں ہے:

اِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُهِيناً ۔

بے شک جولوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اُس نے ان کے لیے ذِلّت انگیز عذاب تیار کررکھا ہے۔[1]

مذکورہ آیۂ مبارکہ ہمارے دعوے پر دلائلِ قاطعہ میں سے ہے، اور آیۂ مبارکہ سے استدلال چند صورتوں پر مبنی ہے:

استدلال کی پہلی صورت:

ابوبکر وعمر اور عثمان اور جنھوں نے ان کی مدد کی انھوں نے حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو اذیت دی، پس ہر وہ شخص جس نے حضرتِ زہرا کو اذیت دی ہے وہ ملعون ہے،[2] (یہ منطقی قیاس کا کبرا تھا جس میں کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے خواہ وہ شیعہ ہو سنی، باقی اس منطقی کا قیاس کا) صغرا کا صحیح ہونا دوصورتوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے:

صغرا پر پہلی دلیل:

روایات میں تواتر کے ساتھ ذکر ہوا ہے کہ جب آنحضرتؐ دارِفانی سے کوچ کر گئے تو ابوبکر اپنے آپ کو خلیفہ سمجھتے ہوئے، عمر اس کے مددگار کے طور پر اور عثمان ان لوگوں سے تھے جنھوں نے ان کی حمایت کی، ان کے پاس حضرتِ زہر سلام اللہ علیہا تشریف لے کر آئیں اور اپنے والدؐ کے ارث کا

---

[1] ۔سورۂ احزاب: ۵۷

[2] ۔صحیح، بخاری، ج ۵، ۹؛ ج ۷، ۸۷؛ تاریخ بغداد، ج ۱، ۲۵۹؛ الامامۃ والسیاسۃ، ابنِ قتیبہ، ۱۴؛ صحیح مسلم، ج ۳، ۱۳۸۰؛ تاریخ طبری، ج ۳، ۲۰۲۔

Presented by Ziaraat.Com

مطالبہ کیا، اوران لوگوں نے دینے سے انکار کردیا[۱] اوردعوا کیا کہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے لیے کوئی ارث نہیں ہے، حضرتِ زہر سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

اے قحافہ! کے بیٹے تم تو اپنے والد کی میراث لے سکتے ہو اور میں اپنے والدؐ کی میراث نہیں لے سکتی، اس وقت ابوبکر نے ایک ایسی حدیث کا دعوا کردیا جس کو اس کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کیا، حال آں کہ خود ابوبکر سے روایات کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہیں ہے، جب کہ نہ ہی وہ کوئی فقیہ تھے اور نہ ہی عالم، اور وہ حدیث اس سے پہلے کبھی نہیں سنی گئی تھی مگر جب بنتِ رسول اللہ سلام اللہ علیہا نے اس سے ارث کا مطالبہ کیا تو اس نے اسی وقت وہ نقل کردی، اس کو سیدہ سلام اللہ علیہا کے قول کو ردّ کرنا تھا اور حدیث بیان کی کہ:

نَحْنُ مَعاشِرَ الْاَنْبِیاءِ لا نُوَرِّثُ ما تَرَکْناهُ صَدَقَةٌ۔

انبیا میراث نہیں چھوڑتے، اور جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

حال آں کہ نصِّ قرآنی اس حدیث کے مخالف ہے:

وَوَرِثَ سُلَیْمانُ داوُدَ۔

اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔[۲]

نیز وہ آیۂ مبارکہ جو حضرتِ زکریاؑ سے حکایت کررہی ہے کہتی ہے:

فَهَبْ لی مِنْ لَدُنْكَ وَلِیّاً * یَرِثُنی وَیَرِثُ مِنْ آلِ یَعْقُوبَ۔

تو ہی مجھے (خاص) اپنے پاس سے ایک وارث عطا کر۔ جو میرا بھی وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی۔[۳]

یہ دونوں آیات ابوبکر کے جھوٹ اور باطل گوئی سے پردہ اٹھانے کے لیے کافی ہیں، کیوں

۱۔ درّ منثور، سیوطی، ج ۴، ۱۷۷؛ میزان الاعتدال، ج ۲، ۲۸۸؛ کنز العمال، ج ۲، ۱۵۸؛ شرحِ نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۶، ۲۱۰-۲۱۶-۲۱۹-۲۷۵-۲۸۴-۲۸۶؛ صحیح، بخاری، ج ۵، ۱۷۷؛ صحیح مسلم، ج ۳، ۱۲۸۰۔

۲۔ سورۂ نمل: ۱۶

۳۔ سورۂ مریم: ۵، ۶

Presented by Ziaraat.Com

کہ اللہ سبحانہ نے پیغمبر وانبیا کے وارث ہونے کی خبر دی ہے۔

اگر کوئی یہ کہہ کر اعتراض کرے کہ:

حضرتِ سلیمانؑ نے جو میراث پائی تھی وہ علم ونبوت ہے ان دونوں کے علاوہ کچھ نہیں، اسی طرح حضرتِ زکریاؑ کی طرف سے میراث بھی علم ونبوت ہے۔ تو اس کا بطلان واضح ہے؛ کیوں کہ ارث کا معنی اگر نبوت وعلم لیا جائے تو یہ اس لفظ کے معنا کو باطل کرنے کے مترادف ہے، کیوں کہ نبوت وعلم دونوں ہی ارث نہیں ہیں بلکہ دونوں ہی اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف سے عطا ہیں، پس ارث کو علم ونبوت کے معنا میں استعمال کرنا اور ارث کا ان دونوں کے معنا میں استعمال ہونا واضح ہے، اس اعتراض کو باطل کر دیتا ہے بلکہ حضرتِ زکریاؑ کی آیت میں یہ کہنا کچھ زیادہ ہو جائے گا؛ کیوں کہ آلِ یعقوبؑ سے ارث پانا نبوت وعلم پر منحصر نہیں کیوں کہ آلِ یعقوبؑ کے تمام افراد انبیا وعلما نہیں تھے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ارث کا استعمال نبوت وعلم کے معنی میں مجاز ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْعُلَمَاءُ وَرِثَةُ الْاَنْبِيَاءِ۔

علما انبیا کے وارث ہیں۔

نیز اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ آلِ یعقوب سے میراث پائے گا۔ تو یہاں پر ممکن ہے کہ "مِن" تبعیض کے معنی میں ہو نہ کہ متعدی کے معنی میں۔

تو ہم کہیں گے کہ حقیقی معنا سے مجاز کی طرف عدول کرنا قرینۂ صارفہ سے مشروط ہے جو حقیقی معنا سے لفظ کو ہٹا کہ مجازی معنا میں لے جاتا ہے اور وہ ان آیات میں موجود نہیں ہے، نیز اس طرح کے مطالب میں لفظِ "مِن" متعدی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے:

وَرِثْتُ مِنْ اَبِی كَذا، وَهذا ميراثی مِنْ اَبِی۔

میں اپنے والد سے یہ یہ میراث پائی ہے اور یہ رہی میری میراث۔

Presented by Ziaraat.Com

تو "مِن" کو متعدی سے ہٹا کر تبعیض کا معنی لینا راجح کو چھوڑ کر مرجوح کی طرف جانا ہے۔ (جو کہ بذاتِ خود غلط ہے)

اگر کہا جائے کہ قرینۂ صارفہ (وہ چیز جو لفظ کو حقیقی معنا سے ہٹا کر مجازی معنا کے قریب کردے) ابوبکر کی روایت ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ ابوبکر ان لوگوں میں سے ہے کہ جن کی روایت قبول کی جاتی ہے، اور اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض بھی نہیں ہے جیسا کہ کفر و فسق وغیرہ کی مانند کوئی اور چیز، پھر بھی اس جگہ پر اس کی روایت قابلِ قبول نہیں ہے، کیوں کہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ ایسا مجازی معنا مراد لے جس کا قرینہ ایسی روایت ہو جس کا راوی صرف ایک ہو اور اس ایک کے علاوہ کسی اور نے وہ حدیث سنی ہی نہ ہو اور نہ کوئی جانتا ہو تو یہ مکلفین کو جہل میں دھکیلنے کے علاوہ اور کیا ہوگا، لہٰذا ایک حکیم و خبیر سے یہ توقع کرنا ممکن نہیں ہے، اس حدیث کے بطلان پر قولِ باری دلالت کرتا ہے:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِىٓ اَوْلَادِكُمْ ... الخ۔

اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں تمھیں ہدایت کرتا ہے۔[1]

نیز یہ آیۂ شریفہ:

وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۔

اور جو صاحبانِ قرابت ہیں، وہ اللہ کی کتاب میں (میراث کے سلسلے میں) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

تو یہ دونوں آیات اپنے عموم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرتِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو شامل کرتے ہیں، تخصیص، دلیل کی محتاج ہے، ابوقحافہ کے بیٹے کی حدیث کتاب اللہ کو تخصیص دینے کی قابلیت نہیں رکھتی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرتِ علیؑ شہرِ علم کا دروازہ ہیں[2]، لوگوں

---

[1] سورۂ نسا: ۱۱

[2] مناقب، ابنِ مغازلی، ۵۰؛ مستدرک، حاکم، ج ۳، ۱۲۶؛ تاریخ بغداد، ج ۴، ۳۴۸؛ صواعق المحرقہ، ابنِ حجر، ۷۶۔

Presented by Ziaraat.Com

نے مولا علیؑ اور آپؑ کے شاگرد حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ سے آدھا علم جو کہ تفسیر اور واجبات کے بارے میں ہے حاصل کیا۔

امیر المومنینؑ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا جو کہ شیعہ وسنی دونوں نے ہی نقل کیا ہے کہ پانچ امور کے علاوہ جن کے علم میں اللہ سبحانہ نے کسی کو شریک نہیں فرمایا، اور وہ اللہ سبحانہ کے اس ارشاد میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ...الخ۔

قیامت کا علم اللہ سبحانہ کے پاس ہے۔[۱]

اس کے علاوہ بقیہ امور میں اللہ سبحانہ اپنے حبیبؐ کو آگاہ فرمایا اور پیغمبرؐ نے وہ تمام امور علیؑ کو تعلیم فرمائے، یہ ہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَقۡضَاکُمۡ عَلِیٌّ علیہ السلام۔

تم سب میں سب سے بڑا قاضی (فیصلہ کرنے والا) علیؑ ہے۔

حافظ محمد بن موسی شیرازی جو کہ اہلِ سنّت کے علما میں سے ہیں، انھوں نے حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ سے درجِ ذیل آیہ مبارکہ کی تفسیر میں بارہ تفسیریں نقل کی ہیں:

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔

اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو۔[۲]

انھوں نے استخراج کیا ہے کہ اہلِ ذکر حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرتِ علیؑ، حضرتِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، حضرتِ امامِ حسنؑ، حضرتِ امامِ حسینؑ ہیں[۳] جو کہ اہلِ علم وعقل ہیں، اور وہی اہلِ بیتِ نبوتؐ، معدنِ رسالت، اور ملائکہ کے آنے جانے کی جگہ ہیں، خدا کی قسم کوئی بندہ مؤمن نہیں

۱۔ سورۂ لقمان: ۳۴

۲۔ سورۂ نحل: ۴۳؛ سورۂ انبیاء: ۷

۳۔ تفسیر طبری، ج ۱۴، ۱۰۹؛ تفسیر قرطبی، ج ۱۱، ۲۷۲؛ شواهد التنزیل، ج ۱، ۳۳۴؛ ینابیع المودۃ، ۵۱، ۱۴۰۔

Presented by Ziaraat.Com

ہوسکتا مگر یہ کہ وہ حضرتِ علیؑ کی بزرگی واحترام کا قائل ہو۔

سفیان ثوری نے سدی سے نقل کیا ہے، حال آں کہ وہ روایت اس کے علاوہ بھی متعدد طُرُق سے وارد ہوئی ہے کہ حضرتِ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق حضرتِ علیؑ کے ساتھ ہے[۱]، تو اس کی صحت کا اعتقاد کس طرح صحیح ہوسکتا ہے جو آیاتِ ارث کی تخصیص لگائے کتابِ الٰہی میں اور مجاز کا قرینہ پیش کرے انبیا کی میراث میں جس سے حضرتِ علیؑ مطلع نہ ہوں، اور وہ ان آیات میں حق سے آشنا نہ ہو، مولا علیؑ مرادِ باری تعالی کو نہ جانتے ہوں، حال آں کہ آپؑ اس کی تفسیر بیان کرنے والے ہوں اور دوسرے لوگوں کو تعلیم دیتے ہوں، وہ شخصیت خطا پر ہو اور حق کی جانب ہدایت نہیں پائی ہو مگر ابی بکر کی روایت سے رہنمائی حاصل کی ہو، کوئی مسلمان سوچ بھی کیسے سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوجائے اور وہ اپنی ہی بیٹی کو نہ بتا سکے ہوں کہ اس کا کوئی حق نہیں ہے میراث میں، اور نہ ہی امیر المومنینؑ جانتے ہوں، تا کہ سیدہ سلام اللہ علیہا ارث کا مطالبہ ہی نہ کرتی اور نہ ان چیزوں کو استعمال کرتیں جو بی بی سلام اللہ علیہا کو مالِ نبی میں ہاتھ لگی ہوں، اور نہ ہی امیر المومنینؑ کو حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ کیا یہ اعتقاد رکھنا ٹھیک ہے کہ کسی عام فرد پر تو واجب ہے کہ وہ اپنے اوپر ادنا سے حقوق کے بارے میں وصیت کر دے تا کہ اس کے ترکے میں ہر چیز معلوم ہو سکے، اور کہا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے اور اس کے وارثوں کا اس میں کوئی حق نہیں، حال آں کہ اسی نے ہی امّت پر آیاتِ اِرث کی تلاوت فرمائی اللہ سبحانہ کی کتاب میں، اور ان آیات کا ظہور عموم میں ہے، اور نہ ہی کوئی وصیت فرمائی جس کی طرف ان کی راہنمائی ہوتی ہو، یا ان کا کوئی استعمال بتایا ہو بلکہ ایسے ہی چھوڑ دیا سب کچھ یہاں تک اِرث کا دعوا ہی باطل شمار کیا جائے، اور گویا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[۱] ۔مناقب، خوارزمی، ۵۷-۹۶؛ تحفۃ المحبین، بدخشی، ۲۲۰؛ الکفایہ، ۱۳۵؛ تاریخ، ابنِ عساکر، ج ۳، ۲۱۴-۱۵۲؛ شرحِ نہج البلاغہ، ابنِ ابی الحدید، ج ۱۸، ۲۴؛ تاریخِ بغداد، ج ۱۴، ۳۲۱؛ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱، ۷۳؛ فرائد السمطین، ج ۱، ۱۷۷۔

Presented by Ziaraat.Com

اس خطا کے سرزد ہونے میں مدد کی ہو، ابوبکر کی روایت سے مسئلہ حل ہوتا ہے کہ وہ خطا پر تھے اوران کو ارث کا دعوا کرنا ہی نہیں چاہیے تھا؟

کون ایسا مسلمان ہے جو دینِ محمد کا پیروکار ہواور شہادتین کی گواہی دیتا ہواور عین اسی وقت اس طرح کے مظالم پر آسودہ حال بیٹھا رہے؟ اب وہ فرمانِ پیغمبر کہاں ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

اِنّی تارِکٌ فیکُمُ الثَّقَلَین ما اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِما لَنْ تَضِلُّوا اَبَداً کِتابَ اللّٰهِ وَ عِتْرَتی اَهْلَ بَیْتی۔ [1]

یہ کتاب وعترت دونوں ہی ابوبکر کے مخالف ہیں، پس فریقین (اہلِ تشیع اور اہلِ سنّت) میں سے کون زیادہ حق دار ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے؟ پس ابوبکر کو خلیفہ مانتے ہوئے کیسے ممکن ہے کہ نجاست سے دور اور آلودگی سے پاک ہوا جائے، ہم کفر اور سنّتِ محمدی سے منہ پھیرنے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

ابوبکر کی بیان کردہ روایت کے بطلان پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق اس نے خود ہی اس روایت کے خلاف عمل کیا تھا کہ جب امیر المومنینؑ اور حضرتِ عباسؓ کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خچر، تلوار اور عمامے کے بارے میں اختلاف ہوا تو ابوبکر نے فیصلہ امیر المومنینؑ کے حق میں دیا لیکن اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مال صدقہ تھا تو اس کے لیے جائز نہیں تھا کہ وہ فیصلہ امیر المومنینؑ کے حق میں کرتا بلکہ وہ چیزیں واپس لے کر اپنے مصارف میں خرچ کرتا۔

علامہ حمیدی نے الجمع بین الصحیحین میں روایت نقل کی کہ جب ابوبکر نے حضرتِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ان کی میراث سے منع کیا تو عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدقہ مدینے میں حضرتِ علیؑ اور حضرتِ عباسؓ کی طرف بھیجا اور حضرتِ علیؑ اس پر غالب آ گئے۔

۱۔ صحیح ترمذی، ج ۲، ۳۰۸؛ صحیح مسلم، ج ۴، ۱۸۷۳؛ ج ۷، ۱۲۳؛ اسد الغابۃ، ابن اثیر، ج ۲، ۱۲؛ سنن بیہقی، ج ۲، ۱۴۸؛ مستدرک، حاکم، ج ۳، ۱۴۸، ۱۰۹؛ صواعق المحرقۃ، ابن حجر، ۷۵؛ کنز العمال، ج ۱، ۱۸۵۔۱۸۷۔

Presented by Ziaraat.Com

کہتا ہے کہ باقی خیبر وفدک کو عمر نے روک کر رکھا اور کہا کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندے استعمال کریں گے، اور حکم دیا کہ یہ دونوں فدک وخیبر اس شخص کو دے دیں جو مسلمانوں کے امر کا ولی ہو اور مسلمانوں کا سرپرست ہو! لیکن اگر ابوبکر کی حدیث صحیح ہوتی تو عمر کے لیے جائز نہیں تھا کہ کوئی بھی چیز حضرتِ علیؑ کو دے، بلکہ منع کرنا چاہیے تھا، بلکہ حضرتِ علیؑ سے واپس لینا واجب تھا، اور مناسب مقام پر استعمال کرنا چاہیے تھا، سوال یہ ہوتا ہے کہ آخر کیا فرق ہے خیبر اور صدقۂ مدینہ میں پس لازم تھا کہ دونوں ہی دے دیتے یا دونوں ہی سے منع کرتے پس اس سے لازم آتا ہے کہ اہلِ بیتؑ وہ مال باطل طریقے سے کھا رہے ہیں، اور اس چیز کے حلال ہونے پر اتفاق کرتے ہیں جو چیز شریعتِ مطہرہ میں حرام ہے، ضروری ہے کہ صحابہ ائمہ کو نہی کریں، سب کے سب گمراہ ہو گئے، نیز اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ کتاب وعترت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ دونوں میرے حوض پر پہنچیں وہ حدیث بھی مطابق واقع نہیں ہوئی۔

یا یہ کہ ابوبکر وعمر کو کافر قرار دیں کیوں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو ردّ کیا، ان ہستیوں کو خطاکار سمجھا جن کو اللہ سبحانہ نے ہر پلیدی ورجس سے معصوم قرار دیا ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ وہ قرآنِ مجید کی طرح راست گو ہیں اور اس سے جدا نہیں ہوں گے۔ نیز دوسری وجہ ان کو کافر قرار دینے کی یہ ہے کہ انھوں نے احکامِ شرع میں جان بوجھ کر تغییر و تبدیلی کرنے کی کوشش کی اور انھوں نے اپنے اس عمل کو ایک بڑا عمل نہیں سمجھا اور اس سے بے زاری نہیں اختیار کی، اگرچہ یہ طریقہ ایک طرح سے کفر ہے، لیکن دوسرے لحاظ سے اذیت بھی ہے۔ بلکہ ظلم کی بدترین قسم بھی ہے کیوں کہ نہ صرف یہ کہ انھوں نے مالِ ائمہؑ کو غصب کیا بلکہ ان کے دعووں کو بھی جھٹلایا اور ان کی باتوں کی بھی تردید کی۔

حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو ارثِ فدک سے منع کیا، اور بی بی سلام اللہ علیہا کا دعوا تھا کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہدیہ کر دیا تھا، لیکن ابوبکر وعمر نے اس پر گواہوں کو طلب

Presented by Ziaraat.Com

کیا اور بی بی سلام اللہ علیہا کے دعوے پر کوئی توجہ نہیں دی کہ وہ ہستی معصوم ہیں کتابِ الٰہی وسنّتِ رسول اللہ کے مطابق، اور وہ جھوٹ نہیں بول سکتی، جب کہ حضرتِ علیؑ، حسنؑ، حسینؑ اور ام یمن کو گواہی کے طور پر پیش کیا گیا مگر انھوں نے یہ گواہیاں قبول نہیں کیں۔

روایت میں ہے کہ انھوں نے حضرتِ علیؑ، حسنؑ، حسینؑ کی گواہیوں پر اعتراض کیا کہ یہ لوگ اپنے فائدے کے لیے گواہی دے رہے ہیں، حال آں کہ یہ بات سب سے بڑی افترا پردازی تھی۔ پہلی بات یہ کہ شوہر اور بیٹوں کی گواہی اپنے فائدے کے لیے نہیں تھی، دوسری بات یہ کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا معصومہ تھیں، آپؑ کی ہر بات یقینی تھی، آپؑ سے گواہوں کا مطالبہ کرنا اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے مناسب ہی نہیں تھا، کیوں کہ مدارِ حکم علمِ حاکم پر ہے اس مقام پر (جیسا کہ ناصبی کہتے ہیں کہ حکم بن ابی العاص کی واپسی پر عثمان نے اپنے علم پر عمل کیا تھا مترجم) یہاں پر حاکم کو حکم معلوم ہے اگر چہ کوئی گواہ نہ بھی لایا جاتا۔ لیکن یہاں تو حد ہوگئی جب گواہوں میں حضرتِ علیؑ حضرتِ حسنؑ، حضرتِ حسینؑ کہ جو سب کے سب معصوم ہیں نصِ قرآن وسنّت کے لحاظ سے انھوں نے حضرتِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دعوے پر گواہی دی۔

کیا معصوم یا امیر المومنینؑ پر جو کہ شہرِ علم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دروازے ہیں اور قرآن سے ایک لحظہ بھی جدا ہونے والے نہیں ہیں نیز حق ان کے ساتھ ہے چاہے وہ جہاں بھی جائیں، ان پر تہمت لگانا جائز ہے؟۔ آیا یہ ممکن ہے کہ حضرتِ علیؑ اپنے بیٹوں کے ساتھ ایسی چیز کی گواہی دیں جو شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہو؟ یا یہ کہ یہ گواہی شریعت میں معتبر نہیں ہے اور اس کو ردّ کر دیا جائے گا؟ یا یہ کہ شریعتِ مطہرہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ گواہی قبول کی جائے گی۔ یہ کام مولا علیؑ کس طرح سکتے ہیں؟ یہاں تو فعل اگر کوئی طالبِ علم ہی انجام دے تو لوگوں کی نظر میں اپنی وقعت کھو دے گا کہ تم جانتے بھی تھے یہ گواہی قابلِ قبول نہیں ہے تو پھر عدالت میں پیش کرنے کی وجہ کیا تھی۔

اہلِ بدعت نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ سنّتِ مطہرہ اپنے عموم میں یہ دلالت کرتی

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ ہر مدعا کے بارے میں کہ وہ اپنا دعوا کس طرح ثابت کرسکتا ہے، پس فرق نہیں پڑتا کہ دعوا حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کا ہے یا کسی اور کا۔ بی بی سلام اللہ علیہا کے گواہوں کی بھی وہی شرائط ہوں گی جو دوسرے دعوا کرنے والوں کے ہوتی ہیں۔ حال آں کہ اس طرح کی باتیں درست نہیں ہیں، کیوں کہ دینِ پیغمبر میں ہم جانتے ہیں کہ جائز ہے کہ حاکم اپنے علم پر عمل کرسکتا ہے، بلکہ بعض صورتوں میں شاید ضروری ہوجاتا ہے، کیوں کہ علمِ حاکم دو عادلوں کی گواہی سے زیادہ قوی ہوتا ہے، کیوں کہ دو عادلوں کی گواہی گمان پیدا کرتی ہے یقین آور نہیں ہوتی، کوئی شک نہیں کہ قولِ معصوم نصِ قرآنی کے مطابق قطعی طور پر صدق ویقین اور حق ہے اس شخص کی نظر میں جو کتاب و سنّت کا اقرار کرتا ہے، کسی مسلم کے لیے اس کے قول کا انکار ممکن نہیں، اور نہ ہی قبول کرتے وقت وہ کسی تردد کا شکار ہوسکتا ہے، چنانچہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی مسلمان قولِ نبی کو قبول کرتے وقت تردد و شک کا شکار ہوجائے اور آنحضرتؐ کے دعوے کی تصدیق میں کوئی لمحہ ضائع کرے، آپ سوچیں کہ کتاب اللہ اور قولِ رسول اللہ سے بڑھ کر کون سی گواہی تسلیم کرنے کے قابل ہوتی ہے؟ بہت تعجب ہے ان لوگوں پر جنھوں نے اپنی خواہشات وحسرتوں کی پیروی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کی تصدیق بغیر کسی گواہوں کے کی کہ کون سا حجرہ کس کا ہے۔

اہلِ بدعت نے یہ بہانہ پیش کیا کہ ممکن ہے کہ وہ لوگ ازواج کے دعووں کی صداقت کو جانتے ہوں! تو سوال یہ ہے کہ اسلام وایمان کا انصاف کہاں گیا ایک شخص ازواج کے دعووں کی صداقت کو تو جانتا ہو مگر ان ہستیوں پر اسے یقین نہیں کہ جن کی عصمت کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہو اور طہارت کی گواہی اللہ نے قرآن میں دی ہو اور قرآن ان کے مرتبے کی بلندی کا اعلان کررہا ہو۔ لیکن ان لوگوں کے پاس کوئی حیلہ وبہانہ نہیں جن کا کلام ان کی ہوائے نفس کے تابع ہو، اور بیابانِ گم راہی میں حیران وسرگرداں ہوں!

آپ یہ بات جان لیں کہ جو کچھ ابوبکر وعمر سے سرزد ہوا ہے حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے دعوے کو ردّ کرنے اور حضرتِ علیؑ وحسنؑ اور امامِ حسینؑ کی گواہی کا انکار کرنے میں یہ ان دونوں کی

Presented by Ziaraat.Com

کفر کی دلیل ہے۔ کیوں کہ ان دونوں نے اور اللہ سبحانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی (جو ان کے صدق وعلم اور نقائص سے بری ہونے کے بارے میں ہے) کو خاطر میں نہیں لائے۔

اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ بیتؑ کے بارے میں ذکر کیا ہے اس کا ان لوگوں کو علم نہ ہو تو پس اس لحاظ سے ان لوگوں کا انکار کرنا کفر کا باعث نہیں ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ اس احتمال کا باطل ہونا آشکار ہے اور عقل صریحاً اس احتمال کو رد کر رہی ہے، کیوں کہ جو کچھ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہوا ہے وہ ہمارے زمانے کے تمام لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں اور تمام مسلمان اس کے مضمون پر اتفاق رکھتے ہیں، اور شیعہ وسنی مل کر اس کو نقل کر رہے ہیں کیوں کہ کوئی ایسا محدث و مؤرخ اور مفسر نہیں ہے جس نے اس کو روایت نہیں کیا ہو، اگر چہ بعض تعبیروں میں تھوڑا بہت فرق ہے، لیکن مضمون ومطلب وہی ہے، یا یہ کہ بعض اہلِ عناد کچھ تعبیروں پر اعتراض کرتے ہوں، باقی قدرِ مشترک اس مضمون کا متواتر وقطعی ہے، جب صورتِ حال اس طرح کی ہو کہ مطالب واضح روشن ہوتے ہوئے اور سب کا ان پر اتفاق بھی ہو تو کس طرح ممکن ہے کہ ابوبکر وعمر نہ جانتے ہوں اور ان سے وہ امور مخفی رہ جائیں؟۔

یہ کیا ہو گیا کہ وہ حدیث جو صرف ابوبکر وعمر نے سنی کہ پیغمبروں کی میراث نہیں ہوتی اور ان دونوں کے علاوہ وہ حدیث کسی اور نے نہیں سنی، اور یہ حدیث تمام صحابہ سے پوشیدہ رہی، کسی اور نے نقل نہیں کی، اور کس طرح ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں یہ بات سمجھ لیں کہ حاکم کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے علم پر عمل کرے اور فیصلہ دے دے، اس وجہ سے انھوں نے ازواجِ رسول اللہ کے بارے میں اپنے علم پر عمل کیا اور ان کی تصدیق کر دی، لیکن حقِ اہلِ بیت سے غافل رہ گئے جو خواصِ پیغمبر اور گواہانِ نبوت تھے؟!۔

چنانچہ صحابہ کے درمیان مخلص ترین اصحاب جیسا کہ حضرتِ سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمار بنِ یاسرؓ جانتے تھے کہ ابوبکر وعمر کا یہ کام عمداً اور جان بوجھ کر دشمنی وتعصب کی وجہ سے ہے، نہ کہ نادانی وغفلت کی وجہ سے، ورنہ یہی اکابرینِ اصحابؓ کافی تھے کہ ان دونوں کو مسائلِ اِرث سے

Presented by Ziaraat.Com

آ گاہ کرتے، اور جو کچھ انھوں نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اہلِ بیتِ کرامؑ کے بارے میں سنا تھا وہ ان دونوں کو بھی بتا دیتے۔

اس میں کوئی شک باقی نہیں رہے گا جب کوئی شخص دقت کے ساتھ غور وفکر کرے کہ ابوبکر وعمر نے اس مسئلے میں حیلے سے کام لیا ہے، کیوں کہ ایک تو یہ کہ فدک نہ ہی ان کے ہاتھ میں تھا اور نہ ہی وہ اس میں تصرف کرتے تھے، اور نہ ہی آنحضرتؐ نے کوئی وصیت کی تھی کہ ابوبکر اس میں تصرف کرے جس پر عمل کرتے ہوئے ابوبکر نے اس میں تصرف کیا، اور نہ ہی صدقاتِ پیغمبرِ اسلام ابوبکر کے زیرِ تصرف تھے، تو فدک بھی اسی دوران حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے تصرف میں تھا نہ کہ ابوبکر کے۔ اگر اس کی اس روایت کو درست بھی تسلیم کرلیا جائے، نیز یہ کہ وہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا اور ان کے گواہوں کی عصمت کے قائل نہیں تھے، اور نہ ہی وہ ان کے دعوے کی حقیقت سے آگاہ تھے، جو کچھ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا اس سے حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو آگاہ کردیتے، اگر حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا اس پر اتفاق کرتیں تو بات ختم ہوجاتی اگر وہ قبول نہیں کرتیں تو بھی کسی قسم کی سختی اور رکاوٹ حائل کرنے سے باز رہتے، کیوں کہ اگر کوئی کسی فرعی مسئلے میں اپنے اجتہاد پر عمل کر رہا ہے تو وہ اس میں آزاد ہے، جس میں انھوں نے ظہورِ قرآنی سے استفادہ کیا ہو اور دیگر صحابہ کرام بھی اس سے اتفاق کرتے ہوں، اور وہ یہ عمل اس کے دین کے لیے نقصان دہ بھی نہ ہو، چوں کہ خود انھیں لوگوں کا گمان ہے کہ حاکمِ وقت پر واجب نہیں ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کو تمام مسلمانوں پر لاگو کرے، دیگر مجتہدین کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنے سے وہ نہیں روک سکتا، لیکن اگر ابوبکر وعمر نے جو کچھ کیا ہے اگر اس کے لیے تاویل کرنا ممکن ہے کیوں کہ اس کے ان اعمال کی وجہ سے کہیں ان پر کفر نہ لازم آجائے کیوں کہ انھوں نے صریحِ کتاب اور قولِ نبی کو رد کیا، تاویل کرکے یہ کہا جائے کہ وہ جانتے نہیں تھے، یا ممکنہ طور پر ان سے کوئی غفلت واقع ہوئی ہے تو اس طرح تو پھر قاتلِ امامِ حسینؑ بلکہ قاتلِ امیر المومنینؑ کے لیے بھی تاویل کرنا جائز اور ممکن ہوجائے گا، بلکہ اگر کوئی صریح کفر بکے تو اس کے حق میں بھی تاویل کے دروازے کھل جائیں گے یہ کہہ کر کہ اس

Presented by Ziaraat.Com

شخص سے دین کے بارے میں غفلت واقع ہوئی ہے، اسی طرح نماز کے وجوب کا منکر بھی کافر نہیں قرار پائے گا، اگر وہ کہہ دے کہ اس کو وجوبِ نماز کا علم نہیں تھا پھر اس کا بھی دعوا قبول کرنا پڑے گا، خواہ اس کی نشو ونما اور پرورش مسلمانوں کے بیچ ہوئی ہو، یہ بہانہ ہر کسی کے لیے پیدا ہو جائے گا جس فعل کے نتیجے میں حدّ و تعذیر واقع ہوتی ہے، اور یہ عمل باطل ہے اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ہم اپنے اصلِ مطلب کی طرف واپس آتے ہیں کہ جب حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا نے ان کے فعل اور شدّتِ عناد کو دیکھا جس طرح کے انھوں نے اپنے بغض و کینے کو ظاہر کیا تو بنتِ رسول اللہ سلام اللہ علیہا غضب ناک ہوگئیں، قسم کھائی کہ وہ ان دونوں سے بات چیت نہیں کریں گیں[۱]، اور نہ ہی ان کی کسی مجلس میں شرکت فرمائیں گیں، ان کے ان فعالِ قبیحہ و رذیلہ کے بعد جو انھوں نے خانوادۂ رسالت کے ساتھ کیا، خدا ان کو اپنی رحمت سے دور کرے۔

ثقہ، مجتہد علی بنِ عیسیٰ اربلیؒ نے اپنی کتاب "کشف الغمة" میں حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کا ایک خطبہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس خطبے کو دوست و دشمن ہر ایک نے نقل کیا ہے، اور خود انھوں نے کتاب السقیفه عن عمر بنِ شیبه تالیف ابوبکر احمد بنِ عبدالعزیز الجوهری کا وہ نسخہ جو اس کے مؤلف کے سامنے پڑھا گیا (یعنی تصحیح شدہ نسخہ) اس خطبے میں بھی ان دونوں کے کفر کی طرف اشارہ موجود ہے، اور جنھوں نے ان کی پیروی کی، نیز جو کچھ انھوں نے حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرتِ علیؑ کے خلاف اقدامات کیے ان کی طرف اس میں اشارات موجود ہیں۔

ان شا اللہ ہم اس خطبے میں کچھ حصہ بعد میں نقل کریں گے، جب حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کا وقتِ وفات قریب ہوا تو حضرتِ امیر المومنینؑ سے وصیت فرمائی کہ ان دونوں کو اس بات کا علم

۱۔ صحیح، بخاری، ج ۵، ۹؛ ج ۷، ۸۷؛ صحیح مسلم، ج ۳، ۱۳۸۰؛ کفایہ، گنجی شافعی، باب ۹۹؛ الامامة السیاسة، ابنِ قتیبہ، ۱۴؛ شرحِ نہج البلاغہ، ابنِ حدید، ج ۴، ۶۴؛ سنن، بیہقی، ج ۶، ۳۰۰۔

Presented by Ziaraat.Com

نہیں ہونا چاہیے، نیز آپؑ کو رات کے پہر میں دفن کر دیا جائے تا کہ ان کو معلوم نہ ہو سکے اور وہ نمازِ جنازہ میں بھی شریک نہ ہو سکیں، حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا نے ان دونوں سے غضب ناک رہیں اور شکوہ کرتے ہوئے اپنے رب سے ملاقات کی۔

یہ بھی ثابت ہو گیا کہ انھوں نے حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو اذیتیں دیں اور جنھوں نے ان دونوں کا ساتھ دیا وہ بھی ان کے اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

صغرا منطقی کے دو وجوہات میں سے یہ ایک کا بیان تھا۔

صغرا پر دوسری دلیل:

روایت نقل کرنے والوں اور تاریخ کی تدوین کرنے والوں نے نقل کیا ہے، اور جو لوگ سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ عمر نے جب اپنے ساتھی کی بیعت کی اور حضرتِ علیؑ نے بیعت سے انکار کیا تو وہ بیتِ فاطمہ پر آیا حضرتِ علیؑ سے بیعت کا مطالبہ کرنے کے لیے، اور شدید الفاظ سے کلام کیا نیز لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا تا کہ بیتِ فاطمہ کو جلایا جا سکے اور جو لوگ بھی اس گھر میں ہیں خواہ وہ بھی جل جائیں[۱]، حال آں کہ اس گھر میں حضرتِ امیر المومنینؑ، ان کی زوجۂ مطہرا سلام اللہ علیہا، ان کے بیٹے، اور زبیر اور بنی ہاشم کی ایک جماعت بھی تھی جو اہلِ بیتؑ کے طرف دار تھے۔

جنھوں نے نقل کیا ہے ان میں واقدی، ابنِ حبیب، ابنِ عبدربہ قابلِ ذکر نام ہیں۔

بعض کتب میں یہ بھی ہے کہ ابوبکر[۲] نے عمر سے کہا کہ اگر علیؑ وعباسؓ بیعت کرنے سے انکار کرتے ہیں تو دونوں سے جنگ کرو، پس عمر آیا اور اس کے ہاتھ میں آگ والی لکڑی تھی، وہ گھر کو

---

[۱] ۔ الامامۃ والسیاسۃ، ابنِ قتیبہ، ۱۴؛ صحیح، بخاری، ج ۴، ۵۰۴؛ ج ۹، ۵۵۱؛ شرحِ نہج البلاغہ، ابنِ حدید، ج ۲، ۵۶؛ ج ۶، ۴۷؛ تاریخ، طبری، ج ۳، ۱۰۱ ۔ ۲۱۵؛ فرائد السمطین، ج ۲، ۳۴؛ فائق زمخشری ج ۳، ۳۳۱؛ ج ۴، ۱۱۶؛ انساب الاشراف، ج ۱، ۵۸۶؛ العقد الفرید، ج ۵، ۱۳؛ الملل والنحل، ج ۱، ۵۷۔

[۲] ۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ ابوبکر کے غلطیوں میں سے ایک غلطی عمر ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

جلانا چاہتا تھا، اسی اثنا میں حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا سامنے آ گئیں اور فرمایا:

اے خطاب کے بیٹے! ہمارے گھر کو جلانے آئے ہو؟

تو اس نے کہا:

ہاں میں جلانے آیا ہوں۔

روایت ہے کہ ابوبکر نے اپنے آخری مرض میں کہا تھا:

کاش کہ میں بیتِ فاطمہ کو چھوڑ دیتا اور اس کو کشف نہ کرتا۔

یہ اپنے ظلم و جبر کا کھلا اعتراف ہے، کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اس ظلم میں حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو اذیتیں دی گئیں، ان کی قدر و منزلت کے اعتبار سے ان کے ساتھ سلوک نہیں کیا جو کہ توہین شمار ہوتی ہے، آپؑ کے شان و مرتبے کو کم کرنے کی کوشش کی گئی، ایک عاقل اور منصف مزاج شخص یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ وہ دونوں حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے کسی حق و رتبے کے قائل نہیں تھے، اور نہ ہی حقوقِ نبوت کو کسی خاطر میں لائے، اور نہ حرمتِ دین کا کوئی پاس رکھا، اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوامر کا کوئی پاس رکھا، حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو اذیتیں دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بارے میں وصیت کی ہوتی کہ ابوبکر آنحضرتؐ کے امر کا وارث ہے اور اس کی امامت کی کوئی نص موجود ہوتی تو اس کے لیے جائز نہ ہوتا کہ وہ بیعت سے انکار کرنے والوں کو اذیتیں دیتا جن کا شریعتِ مطہرہ میں کوئی جواز موجود نہیں تھا، جیسا کہ گھر کو جلانا وغیرہ، حال آں کہ سب کے سب نے اللہ سبحانہ کے اس ارشاد کو سن رکھا تھا:

قُل لَّآ أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰ۔

آپؐ کہیے کہ میں تم سے اس (تبلیغ ورسالت) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا سوائے اپنے قرابت داروں کی محبت کے۔[1]

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ کتاب اللہ اور عترتِ رسول علیہم السلام کبھی ایک

---

[1] سورۂ شوریٰ: ۲۳

Presented by Ziaraat.Com

دوسرے سے جدا ہونے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ وہ حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں۔ نیز تکرار کر کے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اپنے اہلِ بیتؑ کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔

نیز فرمایا کہ:

فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِّي فِيهِمَا۔

پس دیکھو میرے بعد تم لوگ ان دونوں (کتاب وعترت) کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔

اس بیان کے بعد الحمد اللہ صغرا کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا، باقی کبرا تو اس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنّي مَنْ اَبْغَضَها فَقَدْ اَبْغَضَنی۔

جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا میرا ٹکڑا ہے جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض رکھا۔

ایک اور روایت میں ہے:

يُرْضِينِي مَا أَرْضَاهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا۔

جس نے حضرتِ زہرا س کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔

کتابِ "مشکاۃ" میں ہے کہ اس حدیث کی صحت موردِ اتفاق ہے۔ خیال رہے کہ "بضعة" کا معنی ٹکڑا ہے، اور روایت ہے کہ:

يا فاطِمَةُ اِنَّ اللهَ يَغْضِبُ لِغَضَبِكِ وَيَرْضى لِرِضاكِ۔

اے فاطمہ س! اللہ سبحانہ تمھارے غضب سے غضب ناک ہوتا ہے اور تمھارے راضی ہونے سے راضی ہوتا ہے۔

بس معلوم ہو گیا کہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو کوئی تکلیف دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینا ہے، اور جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دیتا ہے وہ قرآنِ کریم کے مطابق ملعون ہے۔ اس بحث میں ہم یہ ہی ثابت کرنا چاہتے تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

استدلال کی تیسری صورت:[۱، ۲]

آیۂ مبارکہ سے استدلال کی تیسری وجہ یہ ہے انھوں نے حضرتِ علیؑ کو دردناک اذیتیں دیں، اور جس نے آپؑ اذیتیں دیں اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیتیں دیں، گزشتہ مطالب کے بیان سے صغرا واضح ہو چکا ہے، کیوں کہ انھوں نے مولا علیؑ کو ایک فاسق و فاجر کی بیعت کرنے کے لیے طلب کیا، جس کے بارے میں خود عمر نے کہا:

كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ فِتْنَةً وَقَى اللّٰهُ الْمُسْلِمِينَ شَرَّهَا. فَمَنْ عَادَ إِلَى مِثْلِهَا فَاقْتُلُوهُ.

ابوبکر کی بیعت ایک فتنہ تھی، جس کے شر سے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بچایا اگر کوئی دوبارہ اس طرح کا کام کرنا چاہے تو اس شخص کو قتل کردو۔

انھوں نے حضرتِ علیؑ کے بارے میں بدگوئیوں سے کام لیا اور مولا علیؑ کو جنگ و جدال کی دھمکیاں دیں، آگ لے کر آیا، دروازے پر لکڑیاں جمع کی اور گھر جلایا۔ چنانچہ واقدی اور ابنِ عبدربہ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ کس طرح امام علیؑ کو اذیتیں دیں، مولا علیؑ کو دی ہوئی اذیتوں سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو اپنی آنکھوں دیکھی چیز کو بھی نہ مانتا ہو، ہدایت و رشد کی سمجھ ہی نہ رکھتا ہو، اور اس کی سب سے بڑی طاقت اس کا انکار کرنا ہو، حال آں کہ وہ سب کچھ چھپا نہیں سکتے ہیں، ہم فرض کرتے ہیں کہ مذکورہ مظالم میں سے کوئی ظلم نہ کیا سوائے بیعت کے مطالبے کے جس سے امیر المومنینؑ نے انکار کردیا تھا اور نہ ہی شرعی طور پر آپؑ پر بیعت کرنا واجب تھا اور اس کے لیے مولاؑ کو قائل کرنا اذیت کے ثبوت کے لیے کافی ہے، کبرا قیاس کا بیان:

اللہ سبحانہ نے مولا علیؑ کو نفسِ نبی قرار دیا، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

۱۔ ہمیں استدلال کی دوسری صورت اس کتاب کے عربی متن اور فارسی ترجمے میں نہیں ملی۔

۲۔ سورۂ احزاب: ۵۷ پر استدلال کی صورتوں میں سے یہ تیسری صورت ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَ اَبْنَاءَكُمْ وَ نِسَاءَنَا وَ نِسَاءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔

ان سے کہہ دیجیے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔[1]

وہ (خدا) وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے، تمھاری صورتیں بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ وہ زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔ حضرتِ علیؑ کو نفس و جانِ رسول قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ہم اس مطلب کو بیان کر کے آئے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنینؑ میں سے کسی ایک کو بھی اذیت دینا دونوں کو اذیت دینے کے برابر ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔

تمھاری منزلت میرے ساتھ وہی ہے جو حضرتِ موسیٰؑ کے ساتھ حضرتِ ہارون کی تھی لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

مولا علیؑ کے لیے وہی تمام منزلت جو رسول اللہؐ کو حاصل ہے، ثابت ہے سوائے اس کے جس کو رسول اللہؐ استثنا ("اِلّا" لیکن) سے الگ فرمایا ہے، کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرتِ ہارونؑ کو اذیت دینا حضرتِ موسیٰؑ کو اذیت دینے کے برابر تھا، لہٰذا رسول اللہؐ نے فرمایا:

حَرْبُكَ حَرْبِي۔

اے علی! تم سے جنگ مجھ سے جنگ ہے۔

جیسا کہ یہ روایت دلالت کر رہی ہے کہ مولا علیؑ سے جنگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ ہے تو اسی طرح اس مطلب پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ حضرتِ علیؑ کو اذیت دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا ہے، یہ دونوں امر ابوبکر و عمر سے واقع ہوئے ہیں، کیوں کہ جس نے جنگ کی نیت

---

[1] سورۂ آلِ عمران: ۶۱

Presented by Ziaraat.Com

کی اس نے جنگ کی، اور معلوم ہے کہ اگر امیر المومنینؑ جنگ کرتے تو یہ لوگ حتماً جنگ کرتے، حال آں کہ جنگ اس کے علاوہ اور چیز نہیں تھی جو عمر کر چکا تھا گھر کو جلا کر اور زبیر کی تلوار توڑ جر کیوں کہ مولا علیؑ نے بیعت سے انکار کیا تھا۔

ثقۃ الاسلام ابو علی طبرسیؒ نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ سید ابوالحمید نے حاکم ابوالقاسم حسکانی سے نقل کیا ہے کہ اس نے ابوعبداللہ حافظ احمد بنِ ابی آدم حافظ سے اس نے علی بنِ احمد عجلی سے اس نے عباد بنِ یعقوب سے اس نے اطارہ بنِ حبیب سے اس نے ابوخالد کے واسطے سے روایت کی ہے انھوں نے اپنے بال کو پکڑ کر روایت کی کہ زید بنِ علی بنِ الحسینؑ نے اپنے بال کو پکڑ کر فرمایا کہ علی بنِ حسینؑ نے اپنے بال کو پکڑ کر مجھ سے فرمایا کہ علی بنِ ابی طالبؑ نے اپنے بال کو پکڑ کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بال کو پکڑ کر فرمایا کہ:

مَنْ آذَى شَعْرَةً مِنْكَ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ۔

اگر کسی نے تمھارے کسی بال کو بھی اذیت دی تو گویا اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ سبحانہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ سبحانہ کو اذیت دی اس پر اللہ سبحانہ کی لعنت ہے۔

کتاب المشکاۃ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے مولا علیؑ، حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا، امامِ حسنؑ اور امامِ حسینؑ کے بارے میں فرمایا:

انَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَهُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ۔

میری جنگ اس سے ہے جو تم لوگوں سے جنگ اور جو تم لوگوں صلح رکھے اس سے میری صلح ہے۔

ترمذی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے[1]۔

---

[1] سنن، ترمذی، ج ۵، ۶۹۹۔

Presented by Ziaraat.Com

استدلال کی چوتھی صورت:[۱]

اور یہ مناظرے کے انداز سے ہے، کہ انھوں نے بہت بڑے بڑے صحابہ کو اذیتیں دیں، اور کسی ایک صحابی کو بھی اذیت دینا ان کے گمان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے کے برابر ہے، اور آنحضرتؐ کو اذیت دینا موجبِ لعنت ہے، اس منطقی قیاس کا صغرا واضح ہے (یعنی یہاں پر صغرا کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی صحابی کو کسی قسم کی اذیت دی ہو تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دی۔ اور کبرا یہ ہے کہ جس نے رسول کو اذیت دی وہ لعنتی ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس نے کسی ایک بھی صحابی کو اذیت دی ہو وہ لعنتی ہے) چنانچہ اسامہؓ اور دیگر اس پائے کہ صحابہ سے طلبِ بیعت کرنا جو کہ نہ شرعاً واجب تھی اور نہ ہی ثابت، تا کہ وہ صحابہ بیعت کر کے ان کی رعیت میں آجائیں اور ان کے محکوم بن جائیں اور یہ ان پر حکومت کریں تو یہ فعل اذیتوں میں سب سے بدترین قسم کی اذیت ہے۔

روایت ہے کہ اسامہؓ نے کہا تھا کہ تم لوگ کل تک میرے سپاہی تھے آج تم لوگوں کو میرا امیر کس نے بنا دیا ہے، اور عمر نے زبیر کی تلوار پتھر مار کے توڑ ڈالی کیوں کہ وہ بیعت نہیں کرنا چاہتا تھا، اسی طرح حضرتِ عباسؓ کو طلب کیا اور دیگر جماعتوں کو بیعت کے لیے بلایا، آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب انھوں نے صحابہ کو طلبِ بیعت کے لیے بلایا اور ان کے گمان میں علیؑ بھی صحابہ میں سے ہی ہیں تو گویا عمر نے حضرتِ علیؑ کے لیے کہا:

أَنَّ فِيهِ دُعَابَةً۔

وہ شوخ طبیعت ہے۔

حال آں کہ صاحبانِ اخبار و آثار کا اجماع ہے کہ مولا علیؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بڑے زاہد و متقی اور خشوع و خضوع اور خوفِ خدا میں رہنے والے تھے۔ علمائے اہلِ سنّت روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام کی روش میں سے ایک چیز یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش طبع تھے،

---

[۱] سورۂ احزاب: ۵۷ پر استدلال کی صورتوں میں سے یہ چوتھی صورت ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

لیکن اہلِ شورا میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی عیب کی نسبت دی، اس سے بڑھ کر اور کیا اذیت ہو سکتی ہے کہ حضرتِ علیؑ کی طرف کسی عیب و نقص کی نسبت دی جائے۔

علی بن عیسا اربلی اپنی کتاب "کشف الغمة" میں کتاب موفقیات زبیر بن بکار زبیری[1] سے نقل کرتے ہیں:

"زبیر نے اپنے لوگوں سے ہمارے لیے حضرتِ عبداللہ بنِ عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرتِ عبداللہ بنِ عباسؓ نے فرمایا:

"زبیر نے ابنِ عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ: میں عمر کے ساتھ مدینے کی گلیوں میں گھومتا رہا اور ہر مرتبہ عمر نے یہ ایک ہی جملہ کہا: اے ابنِ عباسؓ تمھارے مولا (حضرتِ علیؑ) کو میں مظلوم کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتا۔ میں نے دل میں سوچا کہ تم (عمر) اس معاملے میں (حضرتِ علیؑ کی مظلومیت دیکھنے میں) مجھ سے زیادہ نہیں ہو۔ پھر میں نے کہا: اے امیر (عمر) ان (حضرتِ علیؑ) کا حق (جو تم نے ہتھیایا ہے) انھیں لوٹا دو۔ اس نے اچانک اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور دل ہی دل میں کچھ کہتے ہوئے آگے چلا گیا پھر جب میں اس تک پہنچا تو کہنے لگا: اے ابنِ عباس! مجھے نہیں لگتا کہ انھیں (ان کے حق سے) محروم کیا گیا ہو سوائے اس کے کہ انھیں لائق نہ سمجھا گیا ہو (کہ وہ حق دار ہیں)۔ میں نے دل میں کہا خدا کی قسم یہ دوسرا (عمر) پہلے والے (ابوبکر) سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ خدا کی قسم خدا نے سورۂ برائت کی تبلیغ کے موقع[2] پر انھیں (حضرتِ علیؑ) تیرے دوست (ابوبکر) سے زیادہ حق دار قرار دیا تھا۔ اس کے بعد سے عمر نے مجھ سے منہ موڑ لیا۔

۱۔ یہ آدمی اہلِ سنّت میں فتنہ گری اور علی دشمنی کے حوالے سے مشہور ہے۔ اور یہ وہ کتاب ہے جو اس نے معتمد کے بھائی امیر مؤفق بن احمد طلحہ بنِ ناصر کے لیے لکھی تھی اور جس کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے اس کا منحرف ہونا ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

۲۔ احمد بن حنبل اپنی کتاب مُسنَد میں نقل کرتے ہیں: پیغمبر اکرمؐ نے ابوبکر کو سورۂ توبہ دیکر بھیجا تا کہ وہ اسے لوگوں تک پہنچا دے، پھر علیؑ کو اس کے پیچھے بھیجا اور انہوں نے اس سے لے لیا اور فرمایا: اس سورے کو وہی شخص پہنچائے گا جو مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔

Presented by Ziaraat.Com

جو شخص روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ یہ کہہ دے کہ لوگوں نے علیؑ کو کم تر جانا، وہ کون لوگ تھے جنھوں نے مولا علیؑ کو کم تر جانا جن کو عمر جانتا تھا؟! وہ کوئی اور نہیں وہ خود عمر اور اس کے پیروکار تھے، کیوں کہ یہ وہی پہلا شخص ہے جس نے ابوبکر کی بیعت کی تھی اور مولا علیؑ سے منہ موڑا تھا۔ عثمان نے بھی بڑے بڑے صحابہ کو اذیتیں دیں، ان کو مار پیٹا، آگے چل کر اشارہ کریں گے جو سلوک اس نے حضرتِ ابوذرؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کے ساتھ کیا، اس قیاسِ منطقی کا کبرا (یعنی قاعدہ کلیہ) تو وہ انھوں نے خود ہی روایت کیا ہے اپنے گمان کے مطابق کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِي اللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي...إِلَى أَنْ قَالَ مَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ۔

اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے معاملہ میں، میرے بعد انہیں ہدفِ ملامت نہ بنانا، یہاں تک کے فرمایا کہ جس نے انھیں اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت دی۔

پس واجب ہے کہ ان کا یہ فعل موجبِ لعن ہو۔ اس بحث سے ہم چاہتے بھی یہ ہی ہیں۔ حال آں کہ حدیثِ زبیری میں ایک اضافہ بھی ہے اور وہ عمر کا اعتراف ہے کہ مولا علیؑ مظلوم ہے، کیوں کہ اس نے مولا علیؑ سے اپنا منہ پھیر لیا، اور یہ اپنے بارے میں ظلم کا اعتراف واقرار ہے۔

استدلال کی پانچویں صورت:[1]

علامہ حمیدی نے اللہ سبحانہ کے اس ارشاد:

وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا۔

اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔[2]

کے ذیل میں روایت نقل ہے کہ سُدی کہتے ہیں کہ جب ابوسلمہ اور حسین بن حذافہ مر گئے تو

---

[1] ۔ سورۂ احزاب: ۵۷ پر استدلال کی صورتوں میں سے یہ پانچویں صورت ہے۔

[2] ۔ سورۂ احزاب: ۵۳

Presented by Ziaraat.Com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیویوں (امّ سلمہ اور حفصہ) سے نکاح کرلیا، طلحہ وعثمان نے کہا کہ آیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہماری عورتوں سے شادی کرسکتا ہے اور ہم آنحضرتؐ کی عورتوں سے نکاح نہیں کرسکتے؟ اللہ کی قسم! جب وہ وفات پاجائیں گے تو ہم ان کو آپس میں بانٹ لیں گے، طلحہ، عائشہ سے نکاح کرنا چاہتا تھا اور عثمان ام سلمہ سے۔ اور اللہ سبحانہ نے ان آیات کو نازل فرمایا:

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا۔

اور تمھارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔

نیز ارشادِ باری ہے کہ:

اِنْ تُبْدُوا شَيْئاً اَوْ تُخْفُوهُ فَاِنَّ اللهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عليماً۔

تم اگر کسی چیز کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ۔ بہرحال اللہ ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے۔[۱]

یہ صریحاً معلوم ہے کہ اس آیۂ مبارکہ میں موردِ لعن عثمان ہے، اور یہ لوگ اس بات کا انکار کر رہے ہیں جس کے بارے میں اللہ سبحانہ نے راہنمائی فرمائی ہے۔

نیز سدی نے اللہ سبحانہ کے اس ارشاد:

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللهِ وَبِالرَّسُولِ وَاَطَعْنا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِنْهُمْ۔

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے اطاعت بھی کی، مگر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے۔[۲]

کہا گیا ہے کہ یہ آیۂ مبارکہ عثمان بنِ عفان کے بارے میں نازل ہوئی، کیوں کہ جب آنحضرتؐ نے بنی نضیر کو فتح فرمایا اور ان کے مال و دولت کو غنیمت قرار دیا تو عثمان نے مولا علیؑ سے کہا کہ جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فلاں زمین بخشش کے طور پر طلب کرو، اگر وہ آپ کو دے دیتے ہیں

۱۔ سورۂ احزاب: ۵۴

۲۔ سورۂ نور: ۴۷

Presented by Ziaraat.Com

تو اس میں ہم دونوں شریک ہوں گے، یا میں تقاضا کرتا ہوں اگر مجھے دے دی تو آپ میرے شریک ہوں گے، عثمان نے تقاضا کیا اور رسول اللہؐ نے زمین ان کو بخش دی۔ پس مولا علیؑ نے فرمایا کہ اب مجھے شریک کرو۔ عثمان نے قبول نہیں کیا۔ مولاؑ نے فرمایا کہ میرے اور تمھارے درمیان رسول اللہؐ فیصلہ فرمائیں گے۔ عثمان نے رسول اللہؐ کو قاضی کے طور پر قبول نہیں کیا، لوگوں نے پوچھا رسول اللہؐ کے پاس فیصلہ کرانے کیوں نہیں گئے؟ تو عثمان نے کہا کہ وہ ان کے چچا کا بیٹا ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کے فائدے کا نہ فیصلہ دے دیں۔ پس یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی:

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ۔ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ۔ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

اور جب انھیں خدا اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو ایک دم ان میں سے ایک گروہ روگردان ہوجاتا ہے۔ اور اگر حق ان کے موافق ہو (اس میں ان کا فائدہ) تو پھر سرِ تسلیم خم کیے اس (رسول) کی طرف آجاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں (نفاق وغیرہ) کی کوئی بیماری ہے یا (اسلام کے متعلق) شک میں مبتلا ہیں یا پھر ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ زیادتی کریں گے؟ (نہیں) بلکہ یہ لوگ خود ظلم و زیادتی کرنے والے ہیں۔[1]

جب عثمان کو ان آیات کے نزول کا علم ہوا تو نہ چاہتے ہوئے آیا اور مولا علیؑ کے حق کا اعتراف کیا۔

اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں سدی کہتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔

اے ایمان والو! یہود و نصارا کو اپنا دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو

۱۔ سورۂ نور: ۵۰۔۴۷

Presented by Ziaraat.Com

ان سے دوستی کرے گا وہ انھیں میں سے شمار ہوگا۔ بے شک خدا ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔[۱]

سدی کہتا ہے کہ جب آنحضرتؐ اُحُد میں زخمی ہوئے تو عثمان نے کہا کہ میں شام جانا چاہتا ہوں کیوں کہ میرے وہاں پر دو یہودی دوست رہتے ہیں میں ان سے امان لوں گا، مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہودی ہماری جاسوسی نہ کریں۔

طلحہ بنِ عبداللہ نے کہا میں شام جانا چاہتا ہوں، کیوں کہ میرے دو نصارا دوست ہیں۔

سدی نے کہا کہ ایک یہودی بننا چاہ رہا تھا اور دوسرا نصرانی، سدی کہتا ہے کہ طلحہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور مولا علیؑ بھی موجود تھے، طلحہ نے شام کی طرف جانے کی اجازت مانگی اور کہا کہ میرا کوئی حق ہے وہ میں لے کر واپس آجاؤں گا۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی صورتِ حال میں ہم کو چھوڑ کر جاؤ گے؟ اس نے اجازت لینے پر اصرار کی، مولا علیؑ غضب ناک ہوگئے اور فرمایا کہ حضرمیہ کے بیٹے کو اجازت دے دیں، اللہ کی قسم جس کی یہ مدد کرے گا وہ کامران نہیں ہوں گے اور جن کی یہ مدد نہیں کرے گا وہ رسوا نہیں ہوں گے، طلحہ نے اجازت طلب کرنے سے اپنے آپ کو روک لیا اور اسی وقت آیت نازل ہوئی:

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ۔

اور جو ایمان والے ہیں۔ وہ (حیرت سے) کہیں گے کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں۔ جنھوں نے بڑی سخت قسمیں کھائی تھیں کہ بے شک وتمھارے ساتھ ہیں۔ ان کے سب اعمال ضائع ہوگئے۔[۲]

میں کہتا ہوں کہ باوثوق لوگوں نے اسی طرح ہی نقل کیا ہے، کوئی غور وفکر کرنے والا اگر ان واقعات وآیات میں تأمل کرے تو اس کے لیے ظاہر ہوجائے گا کہ عثمان وطلحہ دونوں ہی

۱۔ سورۂ مائدہ:۵۱

۲۔ سورۂ مائدہ:۵۳

Presented by Ziaraat.Com

منافق تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حرمت نہیں دیکھی۔

باقی لعنت کا مستحق ہونا تو اسی آیت سے ظاہر ہے اور بعض دیگر آیات میں صریح لعنت ہے، یہ ایک وجہ سے ہے، اگرچہ یہ آیت عثمان کے ساتھ خاص ہے، لیکن اس سے پہلے کے جو دو دوست ہیں ان کے نفاق کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے، کیوں کہ قرین قرین پر گواہ ہوتا ہے، نیز اعمال وافعال کا ایک سا ہونا تقاضا کرتا ہے کہ سب کے سب ایک ہی ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

تیسری فصل

(سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۹ سے استدلال)

Presented by Ziaraat.Com

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ۔

یقیناً وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ روشن تعلیمات وہدایت کو چھپاتے ہیں جب کہ ہم تمام لوگوں کے لیے کتاب میں واضح طور پر بیان کر چکے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔[۱]

نیز ارشادِ خدا ہے کہ:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً۔

اے اہلِ بیت علیہم السلام! اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس (آلودگی) کو دور رکھے اور تمھیں اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔[۲]

پہلی آیۂ مبارکہ دلالت کررہی ہے کہ علومِ دین میں اظہارِ حق واجب ہے، ضرورت کے وقت علوم کو چھپانا گناہانِ کبیرہ میں سے ہے کیوں کہ اس فعل کا فاعل اللہ سبحانہ لعنت بھیجتا ہے، اور وہ جو لعنت بھیجنے والے ہیں، اور ملائکہ، انس وجن ہیں، اور یہ حکمِ عام ہے، خواہ یہ آیت کسی خاص سبب سے نازل ہوئی ہو وہ اس کے عمومی معنی کو خاص نہیں کردے گا، جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے امرِ حضرتِ محمد اور آپؐ کی نبوت کہ جس کو انھوں نے اپنی کتب تورات وانجیل میں دیکھا تھا اس کو چھپایا، کیوں کہ سببِ نزولِ آیت اس کے عمومی حکم کو خاص نہیں بنادیتی۔

رہی بات دوسری آیت کی تو احادیث نقل کرنے والوں کے حساب سے حضرتِ علیؑ، حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا، امامِ حسنؑ وامامِ حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے[۳]۔ اس روایت

۱۔ سورۂ بقرہ: ۱۵۹

۲۔ سورۂ احزاب: ۳۳

۳۔ صحیح مسلم، ج ۴، ۱۸۸۳؛ مستدرک، حاکم، ج ۲، ۴۱۶؛ تفسیر، طبری، ج ۲۲، ۶؛ شواہد التنزیل، ج ۲، ۳۹-۴۶؛ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۴، ۱۰۷۔

Presented by Ziaraat.Com

کو احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں متعدد طرق سے نقل کیا ہے، ان میں سے ایک سند وطریق شداد بن عمارہ سے ہے اور کہا کہ میں واثلۃ بن اصقع کے پاس گیا، کچھ لوگ اس کے پاس تھے، اسی دوران گفت وگو میں حضرتِ علیؑ کا ذکر شروع ہوگیا، انھوں نے مولا علیؑ کو برا بھلا کہا تو میں نے بھی کہا۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو واثلہ نے مجھ سے کہا تم نے اس مرد کو کیوں برا بھلا کہا؟ تو میں نے کہا کہ میں نے دیکھا جب سب اس کو برا ہی کہہ رہے تھے تو میں نے بھی کہہ دیا؟! اس نے کہا کہ کیا میں تمھیں اس چیز کی خبر نہ دوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی؟ میں نے کہا کیوں نہیں، اس نے کہا کہ میں بیتِ زہرا پر گیا مولا علیؑ کے بارے میں پوچھا، بی بی سلام اللہ علیہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے ہیں، میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے کر آئے، حضرتِ علیؑ، امامِ حسنؑ، امامِ حسینؑ بھی ساتھ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ امامِ حسنؑ وامامِ حسینؑ کو اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا، داخل ہو کر حضرتِ علیؑ وفاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو قریب بلایا اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا، حضرتِ امام حسنؑ وامامِ حسینؑ کو اپنی رانوں پر بٹھایا، پھر ان پر کپڑا لپیٹا یا اس نے کہا کہ چادر (کسا) لپیٹی، پھر اس آیۂ مبارکہ کی تلاوت کی "اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡراً" پھر فرمایا کہ یہ ہی میرے حقیقی اہلِ بیت ہیں، بعض نے ساتھ میں حضرتِ امّ سلمہ زوجۂ نبی اکرم کا جملہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے چادر اوپر کی تا کہ میں بھی داخل ہوسکوں تو آنحضرتؐ نے چادر میرے ہاتھ سے کھینچ لی اور فرمایا کہ یقیناً تم خیر پر ہو۔

بخاری ومسلم نے بھی اسی طرح کی روایت زوجۂ نبی عائشہ سے نقل کی ہے۔

نیز ثعلبی نے اپنی تفسیر میں متعدد طرق سے احمد کی طرح یہ روایت نقل کی ہے۔ نیز جس طرح بخاری ومسلم میں روایت نقل ہوئی ہے اسی طرح حمیدی نے "**الجمع بین الصحیحین**" میں نقل کی ہے، اور رزین العبدی نے "**الجمع بین الصحاح الستۃ**" اور امام مالک نے اپنی

Presented by Ziaraat.Com

کتاب "مُوطأ" میں اور صحیح بخاری و مسلم، سننِ ابی داوٗد، ترمذی اور نسائی میں متعدد طرق سے نقل کیا ہے، اور امام احمد نے امّ سلمہؓ سے ان کا جملہ نقل کیا ہے:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں اہلِ بیتؑ میں سے نہیں ہوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم خیر پر ہو، تم زوجاتِ نبی اکرم میں سے ہو۔

مشکاۃ میں سعد بنِ ابی وقاص سے روایت ہے کہ جب یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَ اَبْنَاءَكُمْ ...۔

ان سے کہہ دیجیے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں۔[1]

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ کو بلا کر فرمایا:

اے میرے اللہ! یہ ہی میرے اہلِ بیتؑ ہیں۔ اور نیز مسلم نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں آیۂ مباہلہ کے آخر میں زوجۂ نبی عائشہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر آئے:

وَ عَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ۔

سیاہ رنگ کا ریشمی کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔

حضرتِ حسنؑ آئے ان کو چادر میں لے لیا، پھر حضرتِ حسینؑ آئے ان کو بھی چادر میں لے لیا، ان کے بعد حضرتِ علیؑ و جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا آئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ" اسی طرح یہ روایت مشکاۃ اور مسلم میں منقول ہے اور مسلم نے وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً کے آخر میں تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ "مِرَطٌ" سے مراد "کساء" (چادر) ہے اور "مُرَحَّلٌ" سے مراد "لائنیں" (لکیروں والی چادر) ہے۔

ان روایات کو اہلِ سنّت کے بزرگ محدثین و مؤرخین نے نقل کیا ہے، یہاں پر ہم نے جن

---

[1]۔ سورۂ آل عمران: ۶۱

Presented by Ziaraat.Com

سے نقل کیا ہے ان میں اہلِ سنّت کے جلیل القدر علما بھی ہیں، جس سے قطع ویقین حاصل ہوتا ہے یہ آیت حضرتِ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیوں کہ یہاں حدِّ تواتر تک پہنچ گئی ہے اور یقین کا فائدہ حاصل ہورہا ہے، شیعہ روایتوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے جو کہ اس موضوع پر بے شمار موجود ہیں۔

آیا کوئی دوسری ایسی روایت ہے جس کو نقل کرنے پر شیعہ وسنی اس قدر متفق ہوئے ہوں۔ حال آں کہ شیعہ راوی اہلِ حق اور اہلِ بیت رسول اللہ علیہم السلام سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

بعض اہلِ عناد و متعصبین کا یہ کہنا کہ یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجات کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ حضرتِ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، کیوں کہ آیت کے شروع اور آخر میں ان کا ذکر ہے، یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو تعصب وعناد میں گھر چکا ہو اور صحیح راہ اس کو میسر نہ ہو کیوں کہ مذکر کی ضمیر عورتوں کی طرف عرب زبان میں نہیں پلٹتی، کیوں کہ وہ ضمیر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیتؑ کی طرف پلٹ رہی ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اور یہ کہ یہ معنی تادیب (وآگاہی) ہو زوجاتِ نبی اکرم کے لیے کہ (وہ جان لیں کہ وہ جزو اہلِ بیتؑ نہیں ہیں) ناپاکی اور پلیدی سے طہارت کا تعلق اہلِ بیتؑ سے ہے، آخر اس معنا میں متواتر حد تک احادیث کے نقل کے بعد کوئی کس طرح شک کرسکتا ہے؟ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ مراد اہلِ بیتؑ سے زوجاتِ نبی ہیں، اور کسی دوسرے کا یہ کہنا کہ آیت سے مراد ضروری نہیں ہے صرف پنج تنِ پاک ہی ہوں، اس بنا پر زوجاتِ نبی بھی اہلِ بیتؑ میں شامل ہوسکتی ہیں۔ تو یہ دعوا بھی باطل ہے، کیوں کہ آنحضرتؐ کا یہ جملہ:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِی۔

اے میرے اللہ! یہ ہی میرے اہلِ بیتؑ ہیں۔

یہ جملہ صراحت کے ساتھ دلالت کررہا ہے کہ صرف پنج تنِ پاکؑ ہی اس آیت سے مراد ہیں۔ ورنہ کس طرح ممکن ہے کہ سب کو شامل کرلے؟! نیز حدیثِ امِّ سلمہؓ (کہ پیغمبرِ

Presented by Ziaraat.Com

اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو زیرِ کسا قبول نہیں فرمایا) اس نزاع واختلاف کو ختم کرنے والی ہے۔

نیز اس آیت کی مراد پر جو ہم نے مؤقف اختیار کیا ہے اس کی گواہی کے لیے وہ روایت بھی کافی ہے جس پر مخالف وموافق نے اتفاق کیا ہے وہ یہ ہے کہ زید بنِ ارقم فرماتے ہیں کہ:

ایک روز پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ پر جس کا نام "خُم" تھا مکّے و مدینے کے درمیان کھڑے ہوئے، اللہ سبحانہ کی حمد وثنا اور وعظ ونصیحت کرنے کے بعد فرمایا:

اے لوگو! میں ایک انسان ہوں، قریب ہے کہ اللہ سبحانہ کا نمائندہ آئے اور میں داعی اجل کو لبیک کہوں، پس تم لوگوں کے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جن میں پہلی چیز کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت ونور ہے، پس کتابِ الٰہی کو پکڑ واور اس سے تمسک کرو، اور آنحضرتؐ نے کتاب اللہ کے بارے میں شوق دلایا اور لوگوں میں رغبت پیدا کی، پھر فرمایا کہ میرے اہلِ بیتؑ! میں تم لوگوں کو اپنے اہلِ بیتؑ کے بارے میں اللہ سبحانہ کی یاد دلاتا ہوں۔

مشکاۃ کا مصنف کہتا ہے کہ اس روایت کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[1]

حضرتِ جابر بنِ عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حج کے دوران عرفہ میں دیکھا کہ آپؐ اپنی اونٹنی پر تھے اور خطبہ دے رہے تھے تو میں نے سنا کہ آپؐ نے فرمایا کہ "اے لوگو! میں تم لوگوں میں وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم لوگوں نے اس چیز کو لے لیا ہے تو کبھی بھی گم راہ نہیں ہوگے وہ چیز ہے کتاب اللہ اور میری عترت واہلِ بیتؑ"۔

کہتے ہیں کہ ترمذی نے زید بنِ ارقمؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میں تم لوگوں میں وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم لوگوں نے اس سے تمسک کیا تو کبھی گم راہ نہیں ہوگے، ان میں ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے، کتاب اللہ زمین سے لے کر آسمان تک کھچی ہوئی رسی ہے، اور میرے اہلِ بیتؑ جو کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض تک پہنچ جائیں، پس تم دیکھو کہ میرے بعد ان دونون کے ساتھ کس طرح کا

۱۔ صحیح مسلم، ج ۴، ۱۸۷۳؛ تفسیر، ابنِ کثیر، ج ۳، ۴۱۵۔

Presented by Ziaraat.Com

سلوک کرتے ہو۔ اور کہا کہ ترمذی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

مذکورہ احادیث دلالت کررہی ہیں کہ اہلِ بیتؑ ہی عترت ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عترت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ ہیں، نیز خاص طور پر جب ان کو مباہلہ کے لیے طلب فرمایا جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ وہی مقصود و مراد ہیں، اور ان کے علاوہ اور کوئی نہیں بلکہ گویا وہاں پر ان کے علاوہ کوئی "اور" ہے ہی نہیں، چنانچہ ہم ایک روایت پہلے بھی نقل کرچکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ کے لیے فرمایا کہ "میری ان سے کوئی جنگ نہیں جن کی علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ سے جنگ نہیں ہے، میری ان سے جنگ ہے جن کے ساتھ ان کی جنگ ہے، اس طرح کی احادیث اتنی مقدار میں موجود ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں ہے، جو کچھ ہم نے احادیث سے ثابت کیا ہے اس کے بعد ہم کو کسی کے اعتراض کی کوئی پرواہ نہیں ہے، کیوں کہ کفار اور اپنے نفس کے پجاری اہلِ حق پر اعتراضات کرتے ہی رہتے ہیں، ان کی طرف سے کچھ بھی کہا جانا سوائے بے ہودہ مذاق کے کچھ بھی نہیں ہے۔ مخالفین کی کتب میں ہمارے دعوے کے حق میں احادیث کی اتنی مقدار کا موجود ہونا کافی ہے؛ کیوں کہ جنھوں نے معاویہ کی بات سن کر عمل کیا ہے جس نے تمام بلادِ اسلامیہ پر حکومت کی ہے، اس نے حکم دیا کہ ان احادیث کو تبدیل کریں جو اہلِ بیتؑ کے حق میں وارد ہوئی ہیں، نیز ان لوگوں کو دھمکیاں دیں جو حضرتِ علیؑ اور اہلِ بیتؑ کے فضائل میں احادیث نقل کرتے تھے، ایک تو اس نے لوگوں کو قتل کیا جو روایت کرتے تھے اور دوسری طرف اہلِ بیتؑ کے حق میں جو روایات تھیں ان کی ضد میں روایات گھڑوا کر لوگوں کو رشوتیں دیں، اور اسی نے حضرتِ علیؑ پر سب وشتم کرنے کی بنیاد رکھی، منبروں پر اس بات کا اعلان کروایا، جمعے کے خطبوں میں مولا علیؑ کو برا بھلا کہلوایا، یہاں تک کہ مولا علیؑ کی برائی بیان کرنا دین کا ایک حصہ شمار ہونے لگا، لوگ اپنے اعتقاد میں سمجھتے تھے کہ شاید یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت میں سے ہے۔ ایک ہزار ماہ تک برائی منبروں پر جاری رہی تو پتہ چلا کہ اس سب کے باوجود اہلِ بیتؑ کے حق میں پھر بھی اس قدر روایات جو ہم تک پہنچی ہیں وہ ایک معجزہ

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔ جب آپ نے یہ سب جان لیا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت اور جو اس کے ہم معنا دیگر آیات ہیں وہ اہلِ بیتؑ کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں، کیوں کہ یہ آیات رجس کی عدم موجودگی پر دلالت کر رہی ہیں جو کہ گناہ کے مرتکب شخص کو آلودہ کر دیتے ہیں، جیسا کہ انسان کا ظاہری جسم پلید چیز سے نجس ہو جاتا ہے، اور اس کی تطہیر تقوا اور فرمانِ الٰہی کی طاعت سے ہوتی ہے، چنانچہ بدن کی تطہیر آلودگی کو دھونے سے ہوتی ہے، نیز یہ کہ آیۂ مبارکہ میں لفظِ "انما" ہے جو کہ منحصر ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور خبر دے رہا ہے کہ اللہ سبحانہ نے ہر قسم کے رجس کو ان سے دور کر دیا ہے جس طرح دور کرنے کا حق تھا، اور امرِ الٰہی کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں ہوتا، نیز تطہیر کا ذکر کر کے آلودگی کے دور ہونے کی تاکید فرمائی ہے۔ عصمت کے معنا ہی یہ ہی ہیں کہ صاحبِ عصمت اللہ سبحانہ کی شان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے گناہوں اور معصیت کا ارتکاب نہیں کرے گا، اگر کوئی ہدایت پانے والا ہو تو یہ مطلب انتہائی واضح و روشن ہے۔

اگر ہم روایات کی بات کریں تو ان میں کتاب و عترتؑ سے تمسک کرنے کے بارے میں واضح دلالت ہے، یقیناً جو کوئی بھی ان سے تمسک کرے گا وہ کبھی گم راہ نہیں ہوگا، بس معلوم ہوا کہ عترتؑ کو چھوڑ کر صرف کتاب اللہ سے تمسک کیا جائے تو اس کا نتیجہ گم راہی ہوگا، اس کی وجہ بھی واضح ہے کیوں کہ ہر شخص کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ آیاتِ قرآنی (کلامِ الٰہی) میں مرادِ الٰہی کو اپنی ضرورت کے وقت سمجھ سکے، لہٰذا ایک ایسے عالم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو جاتا ہے جس سے کوئی امر پوشیدہ نہ ہو، اور یہ خصوصیات عترتِ رسول اللہ علیہم السلام میں ہی موجود ہیں، کیوں کہ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نصوص میں واضح فرمائی ہے، جس کا لازمہ یہ ہوگا کہ وہ کبھی بھی کتابِ الٰہی سے الگ نہیں ہوں گے، ورنہ دونوں کے ساتھ تمسک کرنے کے حکم کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیوں کہ اگر عترت کتابِ الٰہی سے جدا ہو جائے یا اس کی مخالفت کرے تو اس کا نقصان ایک شخص کے نہ جاننے سے زیادہ ہو جائے گا اور پھر یہ خدا کی طرف سے مکلفین کو دھوکہ دینے کی مانند ہو جائے گا جو خود ایک قبیح عمل ہے، اور اس کا مطلب ہوگا کہ خدا نے باطل سے

Presented by Ziaraat.Com

تمسک کرنے کا حکم دیا ہے۔

حال آں کہ اس مطلب کی تصریح خود پیغمبرِ اسلامؐ نے اپنے اس ارشاد میں فرمائی ہے کہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ حوض تک پہنچ جائیں، یعنی عترتؑ کتابِ الٰہی سے جدا نہیں ہوگی، نہ ہی قول میں اور نہ ہی فعل میں، اور نہ ہی کتاب عترتؑ سے جدا ہوگی، یعنی کتاب میں کوئی ایسی چیز ہو جس کے بارے میں عترتؑ کا قول نہ ہو یا وہ اس پر عمل نہ کرتے ہوں، رسول اللہؐ کے فرمان کے مطابق ان دونوں کا ساتھ جاری رہے گا یہاں تک کہ وہ دونوں ایک ساتھ رسول اللہؐ کے پاس پہنچ جائیں، ہماری مراد عصمت سے مذکورہ بیان کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان:

اَنَا سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ وَ حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَهُمْ۔

میری ان سے جنگ نہیں جس کی میری عترتؑ سے جنگ نہیں، میری ان سے جنگ ہے جس کی میری عترتؑ سے جنگ ہے۔

نیز حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں فرمایا:

يُؤْذِيْنِي مَا يُؤْذِيْهَا۔

جو چیز اس کو اذیت دیتی ہے وہ چیز مجھے اذیت دیتی ہے۔

نیز آنحضرتؐ کا فرمان:

حَرْبُكَ حَرْبِي۔

تم سے جنگ مجھ سے جنگ ہے۔

دیگر بہت ساری روایات ہیں جو عصمت پر دلالت کرتی ہیں، اگر مذکورہ روایات کا مفاد عصمتِ اہلِ بیت نہ ہو تو یہ خدا کی طرف سے مکلفین کو دھوکہ اور ان کو جاہل رکھنے کے برابر ہوگا، کیوں کہ جس شخص سے خطا و غلطی سرزد ہونے کا امکان ہو تو اس کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کہنا کہ اس کی اذیت میری اذیت ہے (جیسا کہ آیات میں ذکر ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت

Presented by Ziaraat.Com

دینے والے پر لعنت ہے) اس مفروضے (کہ اہل بیتؑ معصوم نہیں ہیں) کو درست تسلیم کرلیا جائے تو ان کے ساتھ جنگ حق ہوسکتی ہے، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت میں یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مطلق طور پر فرمائیں کہ اہلِ بیتؑ کی اذیت میری اذیت، ان سے جنگ مجھ سے جنگ ہے وغیرہ مگر یہ کہ آنحضرتؐ جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے اپنے لطف وکرم سے ان کو معصوم قرار دیا ہے وہ کسی گناہ کے قریب نہیں جاسکتے اور نہ ہی کوئی فعلِ قبیح انجام دے سکتے ہیں (یعنی جو کچھ وہ انجام دیں گے وہ عینِ شریعت اور مقتضائے حکمِ الٰہی ہوگا)۔

(تیسری فصل کا نتیجہ)

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ دونوں آیتیں جن کے بیان کے ہم درپے ہیں استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکر وعمر اور عثمان اور جن لوگوں نے ان کی بیعت کی تھی ان سب نے وہ کچھ چھپایا جو اللہ سبحانہ نے کتابِ عزیز میں حضرتِ علیؑ، فاطمہ سؑ، حسنؑ، حسینؑ کے شان میں آیات و بینات نازل فرمائی تھے، کیوں کہ جو کچھ اللہ سبحانہ نے ان کے بارے میں نازل فرمایا تھا اگر وہ ظاہر ہوجاتا جس سے ان کی عصمت ثابت ہوتی ہے جس کا لازمہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے دعوے کی صداقت، اور امامِ حسنؑ وحسینؑ کی گواہی، اور مولا علیؑ کی امامت کا دعوا سچ ثابت ہوتا ہے، نیز اس کے علاوہ دیگر فضائل ومناقب جو ان کے بلند مرتبہ ہونے اور ان کے وہ حقوق جن میں ان کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں، تاکہ لوگ اہلِ بیتؑ کی اطاعت میں لیت ولعل سے کام نہ لیں، ان کی فرماں برادری کریں، ان کے حقوق ادا کریں، اگر کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ حمایت کریں، بلکہ ان لوگوں نے صرف حق چھپانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان تمام فضائل ومناقب کے برعکس کام کیا، اور لوگوں کے لیے ایسی روش قائم کردی جس پر چلتے ہوئے اہلِ بیتؑ پر ہر روز ظلم ہوتا رہے، اور بغاوت کی راہ اپنالی، اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے بھی نہیں ڈرے، پس جو شخص اس طرح کا تھا اس پر اللہ سبحانہ، لعنت کرنے والوں، ملائکہ اور جن وانس کی لعنت ہو۔

Presented by Ziaraat.Com

چوتھی فصل

(سورۂ انفال کی آیت ۱۶،۱۵ سے استدلال)

Presented by Ziaraat.Com

ارشاد باری تعالی ہے کہ:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا لَقِیتُمُ الَّذِینَ کَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۔ وَمَن یُوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَیِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِیرُ ۔

اے ایمان والو! جب کافروں کے لشکر سے تمھاری مڈبھیڑ ہوجائے تو خبردار! ان کے مقابلہ میں ان کو پیٹھ نہ دکھانا (بلکہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم کر لڑنا)۔ اور جو ایسے (جنگ والے) موقع پر ان کو پیٹھ دکھائے گا۔ سوائے اس کے جو جنگی چال کے طور پر ہٹ جائے۔ یا کسی (اپنے) فوجی دستہ کے پاس جگہ لینے کے لیے ایسا کرے (کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے) تو وہ خدا کے قہر وغضب میں آجائے گا۔ اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ اور وہ بہت بری جائے بازگشت ہے۔[1]

استدلال کی صورت یہ ہے کہ ابوبکر وعمر دونوں کئی مواقع پر جنگ سے فرار ہوئے خیبر کے علاوہ عثمان بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا، جیسا کہ جنگ احد، جنگ حنین اس پر مؤرخین کا اتفاق ہے، چنانچہ جنگِ خیبر میں تو کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اگر کوئی کتبِ تواریخ[2] و غزوات سے آشنا ہے وہ اس بات کا اقرار واعتراف کرتا ہے سوائے اس شخص کے جو باطل پرست اور تعصبی ہو۔

باقی جہاں تک جنگِ احد کی بات ہے تو اس جنگ میں اصحابِ نبی اکرم جبل پر چڑھ کر بیٹھے تھے، چنانچہ درہ عینین پر تعینات، اصحاب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہدایت فراموش کر دی کہ درہ کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا اور درہ چھوڑ کر میدان میں مالِ غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ صرف دس افراد درّے پر رہ گئے۔ خالد بن ولید (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے

۱۔ سورۂ انفال: ۱۵، ۱۶

۲۔ سیرة، ابنِ ھشام، ج ۳، ۳۴۹؛ فرائد السمطین، ج ۲، ۲۵۹؛ البدایۃ والنھایۃ، ج ۷، ۳۴۱؛ تاریخ، ابنِ عساکر، ج ۱، ۱۸۸؛ تاریخ طبری، ج ۳، ۱۱؛ سنن بیہقی، ج ۹، ۱۳۱؛ ذخائر العقبی، ۷۶؛ صحیح بخاری، ج ۴، ۵۷؛ ج ۵، ۱۷۱؛ صحیح مسلم، ج ۴، ۱۸۷۰ – ۱۸۷۲؛ مستندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۱، ۹۹ – ۱۲۳۔

Presented by Ziaraat.Com

موقع غنیمت جانتے ہوئے کوہِ احُد کا چکر لگا کر درّے پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں پر یک دم پیچھے سے وار کر دیا۔ جو لوگ میدانِ جنگ سے فرار ہو گئے ان میں ابوبکر و عمر بھی تھے۔

روایت ہے کہ عثمان تیسرے روز واپس آئے تو انحضرتؐ نے اس سے فرمایا کہ تم تو بہت دور بھاگ گئے تھے۔ حضرتِ علیؑ نے ثابت قدم رہ کر جہاد کیا یہاں تک کہ ملائکہ تعجب کرنے لگے، لوگوں نے آسمان سے ایک آواز سنی:

لَا سَیْفَ اِلّا ذُوالْفِقَارُ

وَ لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ

کوئی تلوار نہیں ہے سوائے ذوالفقار کے، کوئی جواں مرد نہیں ہے سوائے علیؑ کے۔

دوسرے لوگ مولا علیؑ کی ثابت قدمی دیکھ کر واپس ہوئے۔

حضرتِ عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر اصحاب سے نقل ہوا ہے۔ بہت ہی مشہور واقعہ نقل ہوا ہے۔

اگر جنگِ حنین کی بات کریں تو اس میں بھی ابوبکر نے کہا تھا کہ دشمن آج عددی اعتبار سے کم ہے جنگ نہیں جیت پائے گا، اور اس میں بھی اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ شکست کھائی، اور وہاں پر بھی جو مصیبت ٹلی وہ حضرتِ علیؑ کی تلوار کے مرہونِ منت تھی۔

اسی بارے میں اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ۔

اور حنین کے موقع پر بھی جب تمھاری کثرت تعداد نے تمھیں مغرور کر دیا تھا مگر اس (کثرت) نے تمھیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔[1]

بعض ناصبی اور اہلِ عناد نے اس پر تعجب کیا کہ جس کے بارے میں قرآن مجید گفت و گو کر

---

[1] سورۂ توبہ: ۲۵

Presented by Ziaraat.Com

رہا ہے اس کی نسبت پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے، حال آں کہ یہ مقامِ نبوت پر ایک عظیم تہمت اور توہین ہے، لیکن ان لوگوں کی اس ذہنیت پر کیا تعجب کیا جائے جن کی سوچ میں ایک فاسق و فاجر اور جنگوں سے فرار ہوتا ہو وہ اس کو اپنے لیے امام مانتے ہوں، تو ان کی نظر میں یہ بھی ممکن ہے کہ مقامِ نبوت اپنی کثرت پر نازاں ہو اور اس بات سے غافل ہو کہ مدد کرنے والی ذات واحد ربُّ العزت صاحبِ جلال واکرام کی ہے۔

اور رہی بات جنگِ خیبر کی تو اس روز ان دونوں کا الٹا پلٹنا ایسا مشہور واقعہ ہے جو ایک کہاوت سے بھی زیادہ شہرت یافتہ ہے۔[1]

علامہ ثعلبی[2] نے اپنی تفسیر میں فتحِ خیبر کے حوالے سے درج ذیل آیت:

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً۔

اور وہ تمھیں سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرے (اس پر چلائے)۔[3]

کی تفسیر میں روایت بیان کی ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ خیبر کا محاصرہ کیا، یہاں تک کہ شدید پریشانی جیسے حالات ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علَم عمر بن خطاب کو دیا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گیا، اہلِ خیبر کے ساتھ آمنا سامنا ہوا، پس عمر اپنے ساتھیوں سمیت پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف واپس ہوا کہ عمر کے ساتھیوں نے اس کو ڈرایا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو ڈرایا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ مبارک میں درد ہو رہا تھا اور آپؐ باہر لوگوں کے پاس تشریف لے کر نہیں آئے، پس ابوبکر آئے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کو تھاما اور گیا جنگ کرنے کے لیے اور وہ بھی ڈر کے واپس آ گیا، پھر عمر نے علم لیا اور گیا اور پھر واپس آ گیا، یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی، تو آپؐ نے فرمایا:

۱۔ (فارسی کتاب رجوع ۹۰ حاشیہ دو)

۲۔ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۵، ۳۵۳-۳۵۸؛ تاریخ طبری، ج ۳، ۹۳۔

۳۔ سورۂ توبہ: ۲۵

Presented by Ziaraat.Com

اللہ سبحانہ کی قسم میں کل پرچمِ اسلام اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے، اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محبت کرتے ہیں وہ ضرور خیبر کو حاصل کرلے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت یہ فرمایا تھا اس وقت مولا علیؑ موقع پر موجود نہیں تھے۔ جب دوسرا دن ہوا تو قریش میں سے کئی لوگ باہر نکل نکل آرہے تھے کہ شاید وہ اس موقع کے لیے منتخب ہوجائیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابنِ اکوعؓ کو مولا علیؑ کی طرف بلانے کے لیے بھیجا۔ مولا علیؑ اونٹ پر سوار ہوکر آئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچے تو مولاؑ کی آنکھوں میں درد ہو رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا آپ کو کیا ہوا؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آنکھوں میں درد ہو رہا ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے قریب آؤ، مولا قریب آئے، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعابِ دہن آنکھوں پر لگایا، پھر زندگی بھر مولا علیؑ کو آنکھوں کو تکلیف نہیں ہوئی، بعد از آں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرچمِ اسلام عطا فرمایا اور آپؑ علَم اٹھا کر نکل پڑے، جامنی رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا اور آستینیں چڑھی ہوئی تھیں، یہاں تک کہ خیبر میں پہنچ گئے، مرحب جو کہ قلعے کا مالک تھا باہر نکل کر آیا سر پر زرد رنگ کے لوہے کی ٹوپی پہنے ہوئے اور وہ رجز پڑھ رہا تھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبٌ
شَاكِي ٱلسِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبٌ
أَطْعَنُ أَحْيَاناً وَ حِيناً أَضْرِبُ
إِذِ الْحُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلْتَهِبُ
كَانَ حُمَايَ كَالْحُمَى لَا يُقْتَرَبُ

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، جنگی لباس میں اور تجربہ کار جاں باز ہوں، نیزے مارتا ہوں اور کبھی چوٹ کھاتا ہوں، جب جنگ سے سامنا کرتا ہوں تو شعلے بھڑکاتا ہوں، میری دھونس ایسی ہے کہ بخار بھی میرے قریب نہیں آتا،

Presented by Ziaraat.Com

مولا علیؑ نے سامنے آ کر یہ رجز پڑھا:

أَنَا الَّذِی سَمَّتْنِی أُمِّی حَیْدَرَۃ
کَلَیْثِ غَابَاتٍ شَدِیدِ الْقَسْوَرَۃِ
أَکِیْلُکُمْ بِالسَّیْفِ کَیْلَ السَّنْدَرَۃ

"میں وہ ہوں کہ میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے، اس جنگلی شیر کی طرح جو بہت ہی سخت جان ہوتا ہے، تلوار کی مدد سے بڑے پیمانے کی طرح تو ل ناپ تول کر اپنا حصہ لیتا ہوں"

اس کے بعد ایک دوسرے پر وار کیا، مولا علیؑ نے اس طرح کا وار کیا کہ مولا علیؑ کی تلوار اس کے سر پر پہنی ہوئی لوہے کی ٹوپی سے آر پار ہو کر اس کے سر کو چیرتے ہوئے اس کے جبڑے تک پہنچ گئی، خیبر فتح ہوا، اور یہ فتح مولا علیؑ کے ہاتھوں سے ہوئی۔

ثعلبی نے اور دوسروں نے بھی متعدد اسناد سے واقعۂ خیبر اور آنحضرتؐ کے قولِ مبارک کو نقل کیا ہے کہ میں کل ایسے آدمی کو علم دوں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم مولا علیؑ کو عطا فرمایا، اور فتح مولا علیؑ کے ہاتھوں سے ہوئی، اگرچہ بعض روایات میں اختلاف ہے۔

ابنِ مغازلی نے مناقب[1] میں اپنی سند سے سعید بنِ مسیّب سے روایت کی اور اس نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی طرف ابو بکر کو بھیجا وہ فتح نہیں کر سکا پھر عمر کو بھیجا وہ فتح نہیں کر سکا، پس آپؐ نے فرمایا:

لَأُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ رَجُلاً کَرَّاراً غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبُّ اللہَ وَرَسُولَہُ وَیُحِبُّہُ اللہُ وَرَسُولُہُ۔

"میں علم ایسے مرد کو دوں گا جو کرار ہوگا غیر فرار ہوگا وہ اللہ و رسولؐ سے محبت کرنے والا ہوگا اور اللہ و رسولؐ اس سے محبت کرنے والے ہیں"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا علیؑ کو طلب فرمایا، مولا علیؑ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے آپؐ نے اپنا لعابِ دہن مولاؑ کی آنکھ میں لگایا مولا علیؑ نے اپنی آنکھیں کھولیں، گویا کہ کوئی مرض موجود

---

[1]۔ المناقب، ابنِ مغازلی، ۱۸۱

Presented by Ziaraat.Com

ہی نہیں تھا، پھر فرمایا کہ پرچم کو پکڑو تا کہ اللہ سبحانہ تمھارے ہاتھوں سے فتح عطا فرمائے، بعد از آں مولا علیؑ باہر تشریف لے کر آئے، اور بہت تیز تیز چلتے ہوئے آئے اور میں ان کے پیچھے ہی آ رہا تھا، یہاں تک کہ مولاؑ پرچم لے کر قلعے کی دیوار تک پہنچ گئے، ایک یہودی قلعے سے باہر آیا اور کہا: تم کون ہو؟ مولاؑ نے فرمایا کہ میں علی ابنِ ابی طالبؑ، وہ یہودی اپنے لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرتِ موسیٰؑ پر تورات نازل فرمائی تھی تم لوگ شکست پاؤ گے، نیز کہا کہ اللہ کی قسم جب تک اللہ تعالی اس کو فتح نہیں دے گا یہ واپس نہیں ہوگا۔

یہ ہی تعبیر (وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محبت کرتے ہیں) یا اس کے طرح کی دیگر تعبیرات سے ابنِ مغازلی نے متعدد اسانید سے اسی واقعے کو نقل کیا ہے، یہ واقعہ اتنا مشہور ہے کہ اس کو بیان کرنے کی ضرورت تک نہیں ہے، اور واقعے میں ان دونوں کی رسوائی ہے جو کہ رحمتِ الٰہی سے دور ہیں، اور صاحبانِ عقل و خرد کے لیے میرے مولاؑ کا مقام و رتبہ واضح و آشکار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان:

رَجُلاً كَرّاراً غَيْرَ فَرّارٍ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ۔

ایسا مرد جو کرار ہوگا غیر فرار ہوگا وہ اللہ و رسولؐ سے محبت کرنے والا ہوگا۔ اس میں ان دونوں کی طرف جو اشارہ ہے وہ کافی وشافی ہے۔

حال آں کہ شعرا نے اس موضوع پر بہت نظمیں اور قصیدے لکھے ہیں، اور ان دونوں کی صورتِ حال بھی بیان کی ہے (جن میں سے سید الحمیری اور شیخ عز الدین عبد الحمید بن ابی الحدید وغیرہ) کہ وہ کس طرح ڈر گئے اور شرم سار ہو کر خالی ہاتھ واپس آئے، ان کے اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں کو شرمندگی اٹھانا پڑی۔

آیتِ مذکورہ سے استدلال کا بیان واضح ہے کیوں کہ ان دونوں کا جنگ سے فرار ہونا باوجود اس کے کہ یہ عمل باعثِ ننگ و عار ہے اپنی جگہ پر گناہِ کبیرہ بھی ہے اور اس کا فاعل

Presented by Ziaraat.Com

فاسق ہو جاتا ہے، جو لعن و غضبِ الٰہی کا مستحق قرار پاتا ہے کیوں کہ غضبِ الٰہی کے معنا تقریباً لعنت کے ہی ہیں جیسا کہ آپ جان چکے ہیں بلکہ لعنت سے بھی زیادہ سخت مقام ہے۔

اگر تم کہو کہ اس بنا پر تو تمام صحابہ پر لعنت جائز ہو جائے گی کیوں کہ جنگِ حنین میں سب فرار ہو گئے تھے۔ تو میں کہوں گا کہ ہر وہ شخص جس کی توبہ اس معصیت کے بارے میں ثابت نہیں ہوئی تو اس پر لعنت جائز ہو جائے گی وہ خواہ کوئی بھی ہو۔

اگر تم کہو کہ کیا اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد نہیں ہے:

لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

بے شک اللہ مؤمنین سے راضی ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے آپؐ سے بیعت کر رہے تھے۔[1]

اور رضائے الٰہی توبہ کے قبول ہونے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔

ہم کہیں گے کہ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ آیت فتحِ خیبر سے پہلے نازل ہوئی ہے، مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت کے آخر:

وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا۔

اور انھیں انعام میں ایک قریبی فتح عنایت فرمائی۔[2]

سے مراد فتحِ خیبر ہے، ان دونوں کا بھاگنا اس فتح میں ہے، آیت کے نزول کے بعد، گویا ان دونوں کی یہ اضافی خصوصیت ہے جو دیگر میں نہیں تھی، وہ یہ ہے کہ توبہ کو توڑنا کیوں کہ توبہ کی خلاف ورزی کرنا خود ایک گناہِ کبیرہ ہے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جھوٹی توبہ تھی، اور اس کا دین پر اعتقاد ضعیف ہے، اپنے مولاؑ کے خلاف بداخلاقی کا مرتکب ہوا جو اس کے دین و دنیا کے معاملات میں اس کا آقا و مولا، جب کہ اس سے پہلے وہ خود اقرار کر چکا تھا:

۱۔ سورۂ فتح: ۱۸

۲۔ سورۂ فتح: ۱۸

Presented by Ziaraat.Com

اَصْبَحْتَ مَوْلَایَ وَمَوْلَا کُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَۃٍ۔

آپؑ میرے اور ہر مومن ومومنہ کے مولا بن گئے ہیں۔

یہ اس کی طرف سے پہلا اعتراف ہے، اور بعد میں اس نے اپنے مولاؑ کو بیعتِ فاجرہ کی طرف دعوت دی، حال آں کہ کوئی خاص وقت نہیں گزرا تھا اس کے گناہانِ کبیرہ کھل کر سامنے آچکے تھے، تو ایسا تو کوئی دین نہیں ہے جس پر وہ عمل کرتا ہو اور نہ ہی کوئی عقیدہ۔

آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ سبحانہ مؤمنین سے راضی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اس حساب سے ہم جانتے ہیں کہ ابوبکر وعمر مومنین میں سے نہیں تھے، تو پھر وہ آیت کے مفہوم میں ہی شامل نہیں ہیں، اس کے ساتھ ہی جو کچھ ابوبکر وعمر کے اقوال و افعال منقول ہیں وہ ان دونوں کے نفاق پر دلالت کر رہے ہیں، آگے چل کر ہم مزید اس کی وضاحت کریں گے۔

باقی رہی بات عثمان کی تو وہ تو اس کی بیعت کے وقت حاضر بھی نہیں تھا وہ پیغامِ رساں کے طور پر مکہ گیا ہوا تھا، بالفرض وہ موجود بھی ہو تو بھی وہ اپنے دونوں دوستوں سے زیادہ واضح نفاق رکھتا تھا کیوں کہ ڈھکا چھپا کر کام کرنے کی اس کی عادت ہی نہیں تھی جو اس کے پہلے کے دونوں دوستوں میں تھی، یہاں تک کہ اس کو صحابہ کی ایک جماعت نے قتل کر دیا جیسا کہ پاگل کتے کو مارا جاتا ہے۔

اگر تم کہو کہ آیت کی دلالت یہ ہے کہ جس کسی نے بھی بیعت کی وہ مومنین ہی تھے کیوں کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

جب کہ وہ درخت کے نیچے آپؐ سے بیعت کر رہے تھے۔[۱]

ہم کہتے ہیں کہ ایسی کوئی دلالت نہیں ہے آیت میں کیوں کہ ضمیر مومنین کی طرف ہی پلٹ

---

[۱]۔ سورۂ فتح: ۱۸

Presented by Ziaraat.Com

رہی ہے اور وہی رضایتِ الٰہی سے خاص ہیں، نہ کہ ہر وہ شخص جس نے بیعت کی خواہ وہ مومن ہو یا نہ ہو، حال آں کہ ابوبکر وعمر صدقِ دل سے بیعت نہیں کر رہے تھے، کیوں کہ وہ خیبر میں بیعت کرنے کے بعد فرار ہوئے تھے حال آں کہ اس بیعت کو زیادہ زمانہ بھی نہیں گزرا تھا، اس بیعت کرنے نے ان کی معصیت میں اضافہ ہی کیا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ یہ مطلب انتہائی واضح وآشکار ہے، دلیل وبرہان کی ضرورت نہیں ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

پانچویں فصل

(سورۂ مائدہ کی ۴۵، ۴۷، ۴۴ آیات سے استدلال)

Presented by Ziaraat.Com

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

اور جو قانونِ خدا کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ ظالم ہیں۔[1]

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔

اور جو اللہ کے نازل کردہ (قانون) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی فاسق (نافرمان) ہیں۔[2]

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ۔

اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ کافر ہیں۔[3]

مذکورہ آیات سے بیانِ استدلال مندرجہ تین ابحاث پر مشتمل ہے۔

بحثِ اوّل:

وہ احکام جو ابوبکر سے صادر ہوئے وہ اللہ سبحانہ کے نازل کردہ احکام کی مخالفت میں تھے جیسا کہ بعض مسائل کو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس نے امامت کا دعوا کیا، حال آں کہ قرآنِ کریم صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ امامت امیر المومنینؑ کا حق تھا، چنانچہ اس نے حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو ان کی میراث سے روکا جب کہ کتابِ حکیم کے مطابق وہ اپنی میراث کی مالکہ ہیں، اور وہ حدیث جو اس کے گمان میں اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی، اس کی صحت کا امکان نہیں ہے جیسا کہ ہم بیان کر کے آئے ہیں کہ خبرِ واحد سے کلامِ الٰہی کی تخصیص ممکن نہیں ہے، اگر ہم جائز بھی قرار دے دیں تب بھی اس مقام پر ممکن نہیں ہے، اسی طرح اس کا بی بیؑ کو منع کرنا جب کہ بنتِ رسول اللہ سلام اللہ علیہا نے دعوا کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے چکی ہیں، اور امیر المومنینؑ، امامِ حسنؑ اور امامِ حسینؑ نے اس کی گواہی دی جب کہ اللہ سبحانہ نے ان

[1] سورۂ مائدہ: ۴۵

[2] سورۂ مائدہ: ۴۷

[3] سورۂ مائدہ: ۴۴

Presented by Ziaraat.Com

کی عصمت وطہارت کی گواہی دی، یہ سب مطالب ہم بیان کر چکے ہیں۔

باقی وہ احکام جن میں ابوبکر نے احکامِ الٰہی کی مخالفت کی، اور ہم نے ابھی تک بیان نہیں کیے تھے ان میں سے بعض یہ ہیں کہ اس نے چور کا بایاں ہاتھ کاٹا تھا جب کہ جو کچھ قرآن میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کے ساتھ ملا کر چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جاتا ہے، دوسرا یہ کہ اس نے ایسے شخص کو آگ میں جلا دیا جو کہہ رہا تھا کہ میں مسلمان ہوں، حال آں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگ میں جلانے سے منع فرمایا ہے، کہ جن کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

وَما يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحىٰ۔

وہ (رسول اللہؐ) خواہشِ نفسانی سے گفت وگو نہیں کرتے بلکہ جو بات کرتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے۔[۱]

کیا اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہی سے منہ نہیں موڑا جا سکتا؟

دیگر یہ کہ اس سے کلالہ (جس کے درجۂ اوّل کے وارث نہ ہو) کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر میری بات صحیح ہوئی تو اللہ کی طرف سے ہے اگر مجھ سے خطا ہوئی تو شیطان کی طرف سے ہے، حال آں کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَلا تَقْفُ ما لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ۔

اور (اے انسان!) تو اس بات کی پیروی نہ کر جس کا تجھے (صحیح) علم نہیں۔[۲]

جب ایک دادی اماں نے اپنے ارث کے بارے میں سوال کیا تو اس سے کہا کہ میں نے تمھارے حق میں کتاب اللہ اور سنّتِ نبوی میں کچھ نہیں پایا، حال آں کہ یہ صریح جھوٹ ہے؛ کیوں کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

۱۔ سورۂ نجم: ۳۔۴

۲۔ سورۂ اسراء: ۳۶

Presented by Ziaraat.Com

وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِی کِتَابِ اللّٰهِ۔

اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں (صلۂ رحمی اور وراثت کے لحاظ سے) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔[1]

بالآخر یہ کہ کتاب اللہ میں جدہ (دادی) کے حق کے بارے میں آیت موجود ہے۔ اگر سنّت کی بات کریں تو صحابہ کے درمیان یہ بات مشہور تھی کہ آنحضرتؐ نے جدہ (دادی) کو میراث میں سے چھٹا حصہ دیا تھا اور یہ خبر مغیرہ اور محمد بن سلمہؓ سے روایت ہے۔

اگر وہ کتاب وسنّت سے جاہل تھے تو اس کے لیے یہ کہنا جائز نہیں تھا کہ میں نے کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ میں تمھارے حق میں کچھ نہیں پایا۔ ان کو اپنی لاعلمی کو ظاہر کرنا چاہیے تھا نہ یہ کہتا کہ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ میں کچھ نہیں ہے۔ بہت سے ایسے احکام نقل ہوئے ہیں جن کے حکم سے وہ جاہل تھا۔

بعض متعصبین نے مذکورہ امور کا جواب دیا ہے:

(چور کے) ہاتھ کاٹنے کے بارے میں کہا کہ (یا تو ممکن ہے کہ) جلاد کی غلطی تھی (لیکن) اس بات کا حکم ابوبکر نے دیا تھا اس میں کوئی شک نہیں ہے، یا تیسری بار اس کا ہاتھ کاٹا جا رہا ہو تو اس بارے میں یہ ہی حکم ہے جس پر اہل فقہ کا اتفاق ہے۔ ہم ان باتوں کو ردّ کرتے ہیں، کیوں کہ نقل سے جو متبادر ہوتا ہے وہ مذکورہ دونوں جوابوں کے خلاف ہے، کیوں کہ ایسی کوئی چیز ہوتی جو جواب میں ذکر ہوئی ہے (ممکن طور پر کہہ کر) تو روایت میں بھی نقل ہوتی جیسا کہ نقل میں روشن ہے، صرف عقلی احتمال دے کر دعوا کرنا کافی نہیں ہے، اس طرح تو پھر تمام منقولات مشکوک ہو جائیں گے اور تاویلات کا ایک الگ باب کھل جائے گا اور پھر نقل کے ظاہر سے تمسک کرنا محال ہو جائے گا۔

آگ سے جلانے والے کے بارے میں جواب دیا ہے کہ مجتہد اپنے ظنّ پر عمل کر سکتا ہے، اس شخص کا یہ کہنا کہ میں مسلمان ہوں۔ وہ اس کی نظر میں ثابت نہ ہو، شاید وہ جانتے ہوں کہ یہ شخص زندیق ہے، اور اس کی توبہ قبول نہیں ہے۔ ہم اس جواب کو بھی ردّ کرتے ہیں کہ نبی

---

[1] سورۂ انفال: ۷۵

Presented by Ziaraat.Com

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آگ کے عذاب سے منع کرنا مشہور ہے، آپؐ نے فرمایا:

لا یُعذّب بالنّار الّا ربّ النّار۔

آگ سے عذاب صرف آگ کا رب ہی دے سکتا ہے۔

کیا کسی مجتہد کے لیے جائز قرار دیا جاسکتا ہے کہ وہ صریح قولِ نبی اکرم کے خلاف اپنا اجتہاد لے کر آئے جس طرح ابوبکر نے کیا؟ اس شخص کے ثبوت میں یہ ہی کافی ہے کہ اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اس کے زندیق ہونے کا احتمال دینا منقول کے ظاہر کے خلاف ہے، ہم بیان کر کے آئے ہیں کہ اس طرح ایسا باب کھل جائے جو شرعیات کو ساقط کر دے گا کیوں کہ ہر نقل میں اس طرح کے احتمالات ممکن ہیں۔

کلالہ (جس کے درجۂ اوّل کے وارث نہ ہو) کے بارے میں جو ایک جدہ (دادی) نے سوال کیا تھا اس کا جواب یوں دیا ہے کہ ہر مجتہد پر لازم ہے کہ وہ مدارک احکام کی چھان بین کرے اور جس شخص کو احاطہ ہو اس سے سوال کرے۔ اس وجہ سے امیر المومنینؑ نے مَذی کے حکم میں حضرتِ مقدادؓ کے قول کی طرف رجوع کیا اور بچوں کی ماؤں (یعنی وہ کنیزیں جو بچوں کی مائیں ہیں) کے بیچنے کے بارے میں عمر کے قول کی طرف رجوع کیا۔ اس جواب کا ردّ یہ ہے کہ کسی مجتہد کے لیے جائز نہیں ہے کہ محض اپنی رائے سے کچھ کہہ دے بغیر اس کے کہ وہ کسی اصل کا سہارا لے یا کسی عموم یا ظاہرِ دلیل یا اس کی سی کوئی دلیل پر تکیہ کرے بغیر یہ کہہ دے کہ میں نے کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ میں تمھارے حق میں کچھ نہیں پایا۔ اس کا یہ قول نہ تو سوال ہے کسی سے اور نہ ہی بحث و تحقیق ہے بلکہ یقینی طور پر اپنی رائے ہے بغیرِ علم و حجت کے، حال آں کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَلا تَقْفُ ما لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ۔

اور (اے انسان!) تو اس بات کی پیروی نہ کر جس کا تجھے (صحیح) علم نہیں۔[1]

---

[1] سورۂ اسراء: ۳۶

Presented by Ziaraat.Com

اس نے بہت ہی جلدی سے جدہ (دادی) کو اپنی میراث سے محروم کرنے کا حکم سنا دیا نہ تحقیق کی اور نہ ہی غور وفکر کیا، حال آں کہ اس کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ تمھاری میراث قرآنِ کریم کی رو سے ثابت ہے لیکن میں اس کی مقدار نہیں جانتا، کیوں کہ ابوبکر نے اس طرح کی خبر نہیں دی (کیوں کہ وہ جانتے نہیں ہی تھے) اس نے کتابِ الٰہی کے ظاہر کی مخالفت کرنے کی جسارت کر دی۔

ہمارا ماننا یہ ہے کہ ابوبکر نے ہمیشہ احکامِ قرآن کو توجہ نہیں دی اور ان سے بے خبر رہے جو قرآنِ حکیم میں اس کے میراث کا حکم تھا ابوبکر نہیں جانتے تھے، لیکن اس نے یہ کہاں سے سمجھا کہ یہ حکم سنّتِ مطہرہ میں بھی نہیں ہے؟ کیوں کہ اس وقت وہ ایسا حکم نہیں تھا جو کتابوں میں محفوظ ہوتا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کر کے معلوم کر لیتا، بلکہ یہ اصحاب کے سینوں میں محفوظ تھا، ضروری تھا کہ ضرورت کے وقت ان سے رجوع کیا جاتا، پس ابوبکر پر واجب تھا کہ وہ پوچھتے، بجائے اس کے کہ جانتے ہوئے حکمِ الٰہی کے خلاف اقدام کرتے۔ پس اس کا جواب وہ تھا جو اللہ سبحانہ نے نازل نہیں کیا تھا اور کتاب اللہ کی مخالفت میں تھا۔

آخر میں اگر کوئی شخص ابوبکر کے جوابات میں غور کرے تو جان لے گا کہ علمِ فقہ سے اس کی واقفیت کس قدر تھی وہ احکامِ دین سے کس قدر جاہل تھا کجا ایں کہ وہ استنباطِ احکام اور اس کے مدارک کے بارے میں جانتا ہوگا، دین میں اس کی باتیں محض افترا ہیں بغیر کسی خوفِ خدا اور حیا وشرم کے یہ مطالب اس شخص کے لیے نہایت واضح وآشکار ہیں جس نے تعصب کی عینک نہیں پہنی ہو۔

جہاں تک بات ہے امیر المومنینؑ کی طرف سے حضرتِ مقدادؓ کی طرف رجوع کرنے کی تو یہ ناصبیوں کے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ہے کیوں کہ جس طرح شیعہ وسنی محدثین کی نصوص ہیں وہ یہ ہیں کہ مولا علیؑ باحیا مرد تھے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست پوچھنے سے شرما رہے تھے، حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کی قدر ومنزلت کی وجہ سے، لہٰذا آپؑ نے حضرتِ مقدادؓ کو حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسئلہ عرض کریں، پس یہ حضرت مقدادؓ کی طرف رجوع کرنا نہیں ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ مولا علیؑ نے عمر کی طرف رجوع کیا تو بتایا جائے کہ عمر فقہا میں سے کب تھے؟ کیا یہ وہی شخص نہیں ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بارے میں شک کیا تھا، اور کہا:

كُلُّ النَّاسِ أَفْقَهُ مِنْكَ يَا عُمَرُ حَتَّى الْمُخَدَّرَاتِ۔

اے عمر! ہر شخص تم سے زیادہ فقیہ ہے یہاں تک کہ خواتین بھی۔

اور اسی نے کہا تھا:

لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ۔

بالفرض علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

بھلا مولا علیؑ اس کی طرف رجوع فرمائیں گے کہ جو نفسِ رسول اللہ، اور کتاب اللہ سے کبھی جدا نہیں ہونے والے ہیں، جس کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا۔

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا در ہے۔

اللہ سبحانہ فرماتا ہے:

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا۔

اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو۔[1]

لیکن ناصبی لوگ روئے زمین پر شریر ترین مخلوق ہیں، ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حیا و شرم نہیں آتی بلکہ عمر یا کوئی اور جب بھی مولا علیؑ کی مخالفت کریں گے تو مذکورہ دلائل کی وجہ سے کافر قرار پائیں گے، ان میں سے خالد بنِ ولید ہے جس نے مالک بنِ نویرہؓ کی بیوی سے شادی کرنے کی لالچ میں انھیں قتل کر دیا۔ جس رات ان کو قتل کیا اسی رات ان کی بیوی سے رشتہ کیا اور نکاح کر لیا۔ پھر بھی ابو بکر نے نہ ہی اسے معزول کیا نہ ہی اس سے قصاص لیا۔

---

[1]۔ سورۂ بقرہ:۱۸۹

Presented by Ziaraat.Com

اور کہا کہ وہ تلوار جو میں نے کافروں پر چلائی ہے اس کو نیام میں نہیں ڈالوں، عمر نے اس کے اس فعل کو قبول نہیں کیا اور خالد سے کہا کہ جب حکومت مجھے ملے گی تو میں تم کو قید کروں گا۔ اور یہ فعل بھی خالد نے ابوبکر کے ساتھ مل کر انجام دیا جو کہ کتاب اللہ کی مخالفت شمار ہوتا ہے۔ خالد بن ولید پر حد اور قصاص دونوں کے واجب ہونے کو تسلیم کرنے کے بعد بعض نے اس طرح جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ خالد نے حضرتِ مالک بنِ نُویرہؓ کو قتل کیا یہ سمجھ کر کہ وہ مرتد ہو گیا ہے، اور اس کی بیوی سے نکاح کرنا میدانِ جنگ میں اس کے اجتہاد پر مبنی ہے، بعض نے عذر پیش کیا کہ حضرتِ مالک بنِ نُویرہؓ کو خالد بنِ ولید نے قتل نہیں کیا تھا بلکہ اس کے بعض دوسرے ساتھیوں نے غلطی سے مرتد و کافر سمجھ کر قتل کیا تھا، شاید اس کی بیوی طلاق یافتہ تھی اور اس کی عدت گزر چکی تھی، عمر کا انکار کرنا اس گمان (کہ حضرتِ مالکؓ مرتد ہو گئے ہیں نعوذ باللہ) کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا جیسا کہ بعض مجتہدین ایک دوسرے کے گمان کا انکار کر سکتے ہیں۔

ہم مذکورہ توجیہات کو رد کرتے ہیں کیوں کہ وہ محدثین کی نقل کے خلاف ہیں، اور قاتل اگر کسی کو مرتد سمجھ کر قتل کرتا ہے تو بھی قصاص اس سے ساقط نہیں ہوتا، خاص طور پر جب کہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس کے قتل کرنے کی وجہ اس کی بیوی سے ازدواج کا لالچ تھی اور اس کے علاوہ قتل کرنے کا اور کوئی سبب ذکر نہیں کیا ہے، اور یہ بات بھی درست نہیں ہو سکتی کہ اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے حضرتِ مالک بنِ نویرہؓ کو قتل کیا ہو کیوں کہ اس کے قتل کے بدلے قصاص کا وعدہ عمر نے خالد سے کیا تھا جو صریح دلالت ہے کہ قاتل خالد ہی ہے۔

اسی طرح یہ احتمال دینا کہ اس کی بیوی مطلقہ تھی تو یہ بھی اہلِ عناد اور متعصبینِ حق کی من گھڑت بات ہے، عمر کا ابوبکر پر اعتراض معلوم ہے وہ اعتراضِ گمان (کہ وہ مرتد ہے) اور اس کے اجتہاد کے بارے میں نہیں تھا، اسی طرح عمر کی خالد کو دھمکی دینا (اس کے زانی ہونے کی دلیل ہے) کیا قاتل سے قصاص لینا اجتہادی مسئلہ ہے؟ لیکن اہلِ عناد و تعصب نے اجتہاد کو اپنے لیے ایک چھپنے کی جگہ بنائی ہوئی ہے، جب کسی مسئلے میں ان کے خداؤں کا کفر ثابت ہو رہا

Presented by Ziaraat.Com

ہوتا ہے تو فوراً ہی اجتہاد کے قلعے میں جا کر پناہ حاصل کرتے ہیں، ذرا توجہ کریں کہ جس مسئلے میں نصِّ جلی واقع ہے کتاب اللہ وسنّتِ رسول اللہ میں اس مسئلے پر کون سا اجتہاد ہوسکتا ہے، اگر حضرتِ مالک بن نویرہؓ مرتد ہوتے تو عمر کو اس کے قتل ہونے پر کیا اعتراض ہوسکتا تھا، اگر اعتراض کرتے تو وہ جواب میں بولتے کہ وہ مرتد ہوگیا تھا، اگر ابوبکر کے پاس کوئی ایسی راہ ہوتی جو ناصبینِ وقت آج بیان کررہے ہیں تو ابوبکر یک دم اس راہ پر چلتا اور عمر کے اعتراض کو یہ کہہ کر ختم کردیتا کہ وہ مرتد تھا، حال آں کہ ہم جانتے ہیں کہ اس نے جیشِ اسامہؓ میں نہ جا کر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر کی مخالفت کی، آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ ملعون ہے وہ شخص جو جیشِ اسامہؓ میں شریک نہیں ہوگا۔ حال آں کہ اس لشکر میں ابوبکر وعمر اور عثمان کے نام شامل تھے اور وہ نہیں گئے! جب کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا۔

اور جو کچھ رسولؐ تمھیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمھیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو۔[۱]

ایک ناصبی نے جواب دیا ہے کہ ابوبکر وعمر اس لشکر میں شامل تھے ہم اس بات کو نہیں مانتے۔ منتہٰی یہ کہ شاید عمر تھے وہ بھی بطورِ اطلاق نہیں بلکہ از لحاظِ امرِ پیغمبر اور مصلحتِ دین کی خاطر۔ شاید مصلحت اس امر میں زیادہ تھی کہ عمر مدینے میں رکتے، اور عمومی حکم کو ذاتی رائے سے تخصیص لگاتا جائز ہے۔

ہم اس ناصبی کے قول کو ردّ کرتے ہیں کیوں کہ جو منقول ہے اس میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر کو کئی بار جانے کا حکم دیا اور یہ حکم تکرار ہوا ہے، اور فرمایا:

جهّزوا جَيْشَ أُسَامَةَ لَعَنَ اللهُ المتخلّف عَنْ جَيْشِ أُسَامَةَ۔

جیشِ اسامہ کو تیار کرو اللہ لعنت کرے اس شخص پر جو لشکرِ اسامہ میں شریک نہ ہو۔

۱۔ سورۂ حشر: ۷

Presented by Ziaraat.Com

وہ تخصیصِ عمومی جس کا اقرار ناصبی نے عمر کے لیے کیا ہے وہ ابو بکر کو بھی شامل ہے، تو اس عموم سے خروج کس طرح ممکن ہے؟ اور جو اس نے کہا کہ مصلحت یہ تھی کہ عمر مدینۂ منورہ میں رہ کر عموم حکمِ پیغمبرِ اسلام کو آپؐ ہی کی حیاتِ مبارک میں اپنی ذاتی رائے سے تخصیص لگا دے تو یہ قول باطل ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا حکمِ خروج جس طرح کہ نقل ہوا ہے عمومی طور پر نہیں تھا بلکہ تعیینی (یعنی ہر ایک نام کے ساتھ) طور پر تھا، تو اس امر کی مخالفت جائز ہی نہیں ہے، بلکہ مخالفت کرنے والا ملعون ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قولِ نبی اکرم کے عموم کو اپنی ذاتی رائے سے تخصیص دینا باطل ہے جیسا کہ یہ امر ظاہر ہے اور علمِ اصول سے ثابت شدہ ہے، اس طرح کی کسی مصلحت کی بنا پر تخصیص لگانے کا دعوا کرنا ممکن نہیں ہے، سوال ہے کہ کس طرح ابو بکر نے حکم کے وقت مصلحت جان لی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مصلحت سے غافل رہ گئے؟ اور قرائن صورتِ حال کے بارے میں وہ ہر صورت دلالت کر رہے ہیں جن میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ ان دونوں کی مخالفت کرنے کی محض یہ ہی وجہ تھی کہ ان کا گمانِ قوی یہ ہی تھا آنحضرتؐ داعی اجل کو لبیک کہنے والے ہیں، اور دونوں نے ہی امیر المومنینؑ کی مخالفت کو چھپایا ہوا تھا اور خلافت ہتھیانے کی منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔

لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قلم وقرطاس لا کر دو میں تمھارے لیے ایک مکتوب لکھ کر جا رہا ہوں جس کے بعد تم لوگ ہرگز گمراہ نہیں ہوگے تو یہاں پر عمر نے کہا کہ:

اِنَّ الرَّجُلَ لَیَهْجُرَ۔

یہ مرد ہذیان کہہ رہا ہے (نعوذ باللّٰہ من ذلك)۔

وہ ڈر گیا تھا کہ کہیں آنحضرتؐ کچھ ایسا نہ لکھ دیں جس کے سبب وہ جو کچھ کرنا چاہ رہا ہے وہ نہ کر پائے۔ ان شاء اللہ ہم بعد میں اس کی مزید وضاحت کریں گے۔

Presented by Ziaraat.Com

اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر عموم کی تخصیص صرف ذاتی رائے سے جائز بھی ہو تب بھی یہاں پر جائز ہونا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ جو شخص ذاتی رائے پر عمل کرنے کو جائز قرار دیتا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ قرآن وسنّت کی طرف سے کوئی اطلاع ممکن نہ ہو، جب کہ یہاں پر دستورِ پیغمبر کو معلوم کرنا ممکن ہے۔ کسی مسلمان کے لیے کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ وہ اس کام کو ترک کردے جو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے خواہ وہ خصوصی طور پر ہو یا عمومی پر اور اپنے قیاس اور ذاتی رائے کو استعمال کرے کے اس عمل سے سبک دوش ہو جائے؟

ان لوگوں کی طرف (آثار نفاق اور) احکامِ الٰہی کی مخالفت کے طور پر مختصر سا نمونہ پیش کیا ہے، اور ہم یہاں پر ان کے تمام افعال کو شمار کرنے کے مقام پر نہیں ہیں، وہ بہت زیادہ ہیں، مذکورہ مقدار ان کے کفر اور ان پر لعنت کے ثبوت کے طور پر کافی ہے۔

بحثِ دوّم (اعتراضات):

دوسری بحث عمر کی مخالفتوں کے بارے میں ہے جو اس نے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں سرانجام دیں، ان میں جیسے کہ گزر چکا ہے کہ اس نے اپنے لیے امامت کا دعوا کیا، حال آں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے امیر المومنینؑ کا حق تھا، نیز اس کے افعال میں سے حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو ان کی میراث سے روکنا، اور مکتوب کو پھاڑنا اور گھر کو جلانے کا ارادہ کرنا، اور جو کوئی بھی اس گھر میں ہے ان کو جلانے کا ارادہ کرنا یہ سب کے سب صریحاً کتاب اللہ کی مخالفت میں سرانجام دیے افعال ہیں جو ہم ذکر کر چکے ہیں، یہاں پر ہم بعض دیگر کا بھی ذکر کریں گے:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی شریعتِ مطہرہ سے شدید جہالت اور دین میں بغیر علم کے اپنی رائے قائم کرنے کی جرائت کی وجہ سے اس نے ایک دفعہ مجنونہ اور ایک دفعہ حاملہ خاتون پر رجم کرنے کا حکم صادر کیا، پس امام علیؑ نے فرمایا کہ مجنون اور حامل پر قلم اٹھایا گیا ہے، تمھارے لیے جائز نہیں ہے کہ پیٹ کے اندر بچے کو کوئی اذیت پہنچاؤ، پس عمر نے کہا:

Presented by Ziaraat.Com

لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ۔

اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

یہ واقعہ اس کی جہالت کی نوعیت کو واضح کر رہا ہے، جیسا کہ اس کو اس طرح کے عام نوعیت کے احکام بھی معلوم نہیں تھے جو ضروریاتِ دین میں سے ہیں جن کو علمِ فقہ کا ابتدائی طالبِ علم بھی جانتا ہے، اسی طرح اس فعل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ سبحانہ کے خلاف جرائت کا مظاہرہ کرتا ہے، اور شریعتِ مطہرہ کی مخالفت کرنے کی اس شخص کو کوئی پرواہ ہی نہیں ہے، جو حکم اللہ سبحانہ نے نازل ہی نہیں فرمایا اس پر وہ خاموش کھڑا نہیں ہوتا اور نہ ہی اہلِ ذکر سے سوال کرتا ہے، اور آخر دین کے محافظان کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتا؟ اس ناصبی نے جواب دیا ہے کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ عورت مجنون ہے اور دوسری حامل ہے۔ پھر عمر کا یہ کہنا کہ "لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ" سے عمر کی مراد یہ ہے کہ جب عمر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں سے ایک مجنون تھی اور دوسری حامل تو اس کو بہت تکلیف پہنچتی کیوں کہ وہ یہ نہیں معلوم کر پایا۔

اس قول کا بطلان واضح ہے کیوں کہ روایت یہ کہتی ہے کہ اس نے مجنون و حامل پر رجم کا حکم لگایا، بالفرض اس طرح ہوتا جیسا کہ یہ ناصبی کہہ رہا ہے تو روایت اس طرح ہوتی کہ عمر نے ایک عورت کو رجم کا حکم لگایا بعد از آں امامِ علیؑ نے اس کو آگاہ کیا کہ وہ مجنون ہے اور دوسری حاملہ ہے، نیز امامِ علیؑ کا یہ فرمان کہ:

اَلْقَلَمُ مَرْفُوْعٌ عَنِ الْمَجْنُوْنِ۔

مجنون پر شرعی حکم لاگو نہیں ہوتا۔

اور یہ فرمان کہ تم اس عورت کو تو سزا دے سکتے ہو لیکن اس کے پیٹ میں بچے کو سزا نہیں دے سکتے۔ یہ دونوں جملے صراحت سے بیان کر رہے ہیں کہ وہ جنون و حمل سے آگاہ تھا بلکہ حکم سے آگاہ نہیں تھا، نیز عمر کا یہ کہنا: "لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ" دلالت کر رہا ہے کہ عمر خاتون کے مجنون و حاملہ ہونے سے آگاہ تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

لفظِ ہلاک عملِ حرام کے ارتکاب کرنے پر دلالت کرتا ہے چنانچہ میں ہلاک ہوگیا کہ ماہِ رمضان میں دن میں بیوی سے ہم بستر ہوا، اس طرح کا استعمال بہت زیادہ ہے۔

اس طرح اس کا حقِ مہر کے بارے میں جہالت، اس نے زیادہ حقِ مہر مقرر کرنے سے منع کر دیا اور حکم دے دیا کہ جو بھی عورت زیادہ حقِ مہر مقرر کرے گی اس کا حقِ مہر بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ وہاں پر کوئی عورت اٹھی اور اس نے کہا کہ تم کس طرح ہمارے لیے زیادہ حقِ مہر کو منع کر سکتے ہو جب کہ حق تعالی نے ہمارے لیے حلال قرار دیا ہے اور اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا:

وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۔

اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو۔[۱]

یہ سن کر عمر نے کہا کہ سب لوگ عمر سے زیادہ فقہ جانتے ہیں یہاں تک کہ گھروں میں بیٹھی عورتیں بھی۔ اور جو انھوں نے اس کی تاویل کی ہے کہ سب لوگ عمر سے زیادہ فقہ جانتے ہیں، یہ جملہ انھوں نے تواضع اور انکساری میں کہا ہے۔ ان کی بات واضح طور پر باطل ہے، کیوں کہ نہی اور منع، حرام ہونے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اس لیے اس عورت نے کہا کہ تم کس طرح منع کر سکتے ہو اس چیز کو جس کو اللہ تعالی نے ہمارے لیے حلال قرار دیا ہے۔ اگر صورتِ حال اس طرح ہوتی جیسا کہ ناصبی کہہ رہا ہے تو اس صورت میں منع کے مقابلے میں لفظِ "حلال" کا استعمال غلط ہے، کیوں کہ اس صورت میں بھی حقِ مہر زیادہ رکھنا حلال ہی ہوگا، اگر حلال ہوگا تو پھر عمر کے لیے کس طرح جائز ہوگا کہ وہ مہر کو بیت المال میں ڈال دے، کیوں کہ اگر وہ اس حقِ مہر کو حلال جانتے ہوئے بھی اگر بیت المال میں ڈالنے کا حکم دے رہا ہے تو یہ صورت پچھلی صورت سے بھی بدتر ہے کیوں کہ عورت اپنی حقِ مہر کی مالکہ ہوتی ہے کس طرح جائز ہوگا کہ مالک سے اس کا مال لے کر بیت المال میں ڈال دیا جائے؟ جو صراحتاً

۱۔ سورۂ نساء: ۲۴

Presented by Ziaraat.Com

کتاب وسنّت میں حرام ہے۔لیکن وہ حسبِ معمول اپنی روش کے مطابق شرعِ مطہر میں تغیّر و تبدیلی کرتا رہا، اس کو کوئی پرواہ نہیں تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے، اگر کوئی اس کے افعال واقوال میں غور وفکر کرے تو یقیناً اس کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

عمر کا یہ کہنا کہ" ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ (سمجھ دار) ہے"۔ یہ جملہ اس نے ازلحاظِ تواضع و انکساری کہا ہے، اس طرح کا خیال بے بنیاد ہے کیوں کہ اس طرح کی افترا پردازی کے حساب سے وہ خاتون غلطی پر تھیں، اور عمر کی بات ٹھیک تھی، پھر اس اعتبار سے کس طرح جائز تھا کہ عمر تواضع وانکساری اختیار کرتے ایسی عورت کے سامنے جس نے اس پر ایک باطل انداز سے شرعی اعتراض کیا؟ تو پھر کیا یہ اس عورت کو دھوکہ دینے کے برابر نہیں ہے، جب کہ جو لوگ عمر کو جانتے ہیں ان کو معلوم ہے وہ کس طرح تندخو اور سخت مزاج تھا، حضرتِ عبداللہ بنِ عباسؓ جب تک عمر زندہ تھا عمر کے نظریات کے خلاف مسائلِ شرعیہ بیان نہیں کر سکتے تھے حال آں کہ ان کے پاس کتاب وسنّت میں سے نصوص موجود ہوتے تھے، وہ جانتے تھے کہ جیسے ہی وہ یہ مسائل بیان کریں گے عمر کی طرف سے سخت ردِّعمل آئے گا، عمر نے جو اس عورت سے کہا وہ اس کی ایسی مجبوری تھی کہ اس کے سوا وہ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا، میری جان کی قسم جو شخص کتاب اللہ اور سنّتِ نبوی سے اس قدر جاہل ہو اس کے لیے اجتہاد کا دعوا کرنا سب سے بڑی بے وقوفی ہے، چنانچہ اس نے دو طرح کے متعہ کو حرام قرار دیا، جس طرح اس نے منبرِ رسول اللہ پر لوگوں کے سامنے اعلان کیا کہ اے لوگو! تین چیزیں عہدِ رسول اللہ میں حلال تھیں، اور میں ان تینوں سے نہی اور منع کرتا ہوں اور ان کو حرام قرار دیتا ہوں، اور کہا میں اس پر سزا دوں گا وہ تین چیزیں یہ ہیں، عورتوں سے متعہ (غیر دائمی) نکاح، حجِ تمتع اور (اذان میں) حیّ علیٰ خیر العمل[۱] ایک روایت میں ہے:

---

[۱] شرحِ تجرید، قوشچی، ۴۸۴۔

Presented by Ziaraat.Com

مُتعَتَانِ كَانَتَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ اَنَا اَنْهٰى عَنْهُمَا وَ أُعَاقِبُ عَلَيْهِمَا۔

دو متعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں تھے اور میں ان دو سے منع کرتا ہوں اور اس پر سزا دوں گا۔

یہ اس کے کفر پر مضبوط دلائل میں سے ہے، کیوں کہ جو شخص مسلمانوں کے سامنے اعلان کر رہا ہے کہ وہ حلالِ رسول اللہ کو حرام قرار دے رہا ہے، حال آں کہ جو شخص شرع میں تغیّر و تبدیلی کرتا ہے اور اس کے انجام دہی پر سزا دیتا ہے وہ بدترین کافر ہے، یہ ہی دلیل کے طور پر کافی ہے کہ وہ شریعت کا معتقد نہیں تھا اور نہ ہی نبوتِ محمدی کا کوئی پاس رکھتا تھا، یہ صورت اور اس طرح کے دیگر واقعات عمر کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں، بے وقوف ناصبیوں نے اس کا بھی جواب دیا ہے کہ عمر نے ان تینوں سے منع اس لیے کیا کیوں کہ پہلے وہ ان کے جواز کے قائل تھے اور بعد میں وہ ان کے تحریم کے قائل ہوئے، اور مجتہد اپنے گمان پر عمل کرنے کا پابند ہے، جب کہ یہ جواب دور از عقل ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ردّ کرنا اور جو چیز وحی کے حکم سے حلال ہو اس کو حرام کرنا ہے، اور یہ دین میں کفر و الحاد ہے، کیا ایسا بھی کوئی اجتہاد ہے اور ایسا بھی کوئی عذر اور بہانہ ہے، یہ عمل اجتہاد کس طرح ہوسکتا ہے؟

حال آں کہ اس نے خود کہا کہ تین چیزیں عہدِ رسول اللہ میں تھیں، اور میں ان سے منع کر رہا ہوں اور ان کو حرام قرار دے رہا ہوں، تحریم و نہی کی نسبت اپنی طرف دی ہے، یہ واضح کرنے کے بعد کہ وہ تینوں چیزیں عہدِ رسول اللہ میں حلال تھیں، یہ کہنے میں اس کو کوئی حرج پیش نہیں آیا اور نہ ہی اس کو کوئی پرواہ ہوئی، اور جو ناصبی لوگ دفاع میں کہہ رہے ہیں اس کو سمجھنا محال ہے، کیوں کہ اس کی بات نص ہے، کسی تاویل کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے کہ اس نے وہ چیز حرام قرار دے دی جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے میں حلال قرار دیا تھا، پھر یہاں پر اجتہاد کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے، جس کو تواتر کے ساتھ مخالف و موافق نے نقل کیا ہے کہ وہ تینوں چیزیں عہدِ رسول اللہ میں حلال تھیں، بلکہ عہدِ ابوبکر تک وہ حلال ہی تھیں، یہاں تک کہ عمر کا زمانہ

Presented by Ziaraat.Com

آ گیا، کیا یہاں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد عمر کے کہنے سے نسخِ شریعت کا جواز ممکن ہے؟ جو مسائلِ شریعت جانتا تک نہیں ہے!۔

اگر بات کریں حجِ تمتع کی تو وہ کتاب اللہ میں صریحاً مذکور ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَی الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡيِ۔

تو جو شخص (حجِ تمتع کا) عمرہ کر کے حج کے موقع تک لذائذ سے فائدہ اٹھائے۔ تو وہ لازمی طور پر ممکنہ قربانی کرے۔[۱]

باقی متعہ (غیر دائمی نکاح) کی بات کریں تو جیسا کہ مفسرین نے ابنِ عباسؓ، سدی، سعید بن جبیر اور تابعین کی ایک جماعت سے روایت کی ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ:

فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ۔

پس جو بھی ان عورتوں سے تمتع کرے ان کی اجرت انھیں بطورِ فریضہ دے۔[۲]

اس سے مراد نکاحِ متعہ ہے، صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ جن میں ابی بنِ کعب، عبداللہ بنِ عباس اور عبداللہ بنِ مسعود شامل ہیں کہ انھوں نے اس آیت کی قرائت اس طرح کی:

فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ اِلٰی اَجَلٍ مُسَمّٰی۔

پس جو بھی ان عورتوں سے تمتع کرے مدت معیّن تک۔

ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حبیب بنِ ثابت سے نقل کیا ہے اس نے کہا کہ عبداللہ بنِ عباسؓ نے مجھے کلامِ مجید کا نسخہ دیا اور کہا کہ یہ قرائتِ اُبی کے مطابق ہے اور میں نے اس میں اس طرح سے دیکھا ہے:

فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ اِلٰی اَجَلٍ مُسَمّٰی۔

پس جو بھی ان عورتوں سے تمتع کرے مدت معیّن تک۔

۱۔ سورۂ بقرہ: ۱۹۴

۲۔ سورۂ نساء: ۲۴

Presented by Ziaraat.Com

ثعلبی نے اپنی سند سے ابی نضرہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سوال کیا متعہ کے بارے میں تو اس نے کہا کہ کیا تم نے سورۂ نسا کی تلاوت نہیں کی؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ تو کہا کہ:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔

پس جو بھی ان عورتوں سے تمتع کرے مدت معین تک۔

میں نے کہا کہ میں نے اس طرح تو نہیں پڑھا، حضرتِ ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ کی قسم اللہ تعالی نے یہ آیت تین مرتبہ تفسیر کے ساتھ اس طرح نازل فرمائی تھی۔

ثعلبی نے اپنی سند کے ساتھ شعبہ سے اور اس نے حکم بنِ عتیبہ سے نقل کیا ہے کہ میں اس آیت:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔

پس جو بھی ان عورتوں سے تمتع کرے ان کی اجرت انہیں بطور فریضہ دے۔[1]

کے بارے میں سوال کیا کہ کیا مذکورہ آیت منسوخ ہوگئی ہے؟ کہا کہ نہیں، راوی نے کہا کہ حکم کہتا ہے کہ مولا علیؑ نے فرمایا کہ اگر عمر متعہ کو حرام نہ قرار دیتا تو سوائے شقی انسان کے کوئی زنا نہیں کرتا۔

اس کی تائید یہ ہے کہ عربی زبان میں "اَلْاِسْتِمْتَاعُ" کا معنا عورت سے لطف اندوز ہونا ہے، مگر یہ کہ شریعت میں یہ لفظ نکاحِ متعہ کے لیے ایک اصطلاح بن چکا ہے۔ اہلِ سنّت کے متأخر مفسرین وغیرہ نے کہا ہے کہ آیت سے نکاحِ متعہ مراد ہی نہیں ہے، اگر یہ بات مان بھی لیں تو بھی یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے۔ اور حضرتِ ابنِ عباسؓ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا تھا، یہ سب انھوں نے حق اور حقیقت سے بغض کے باعث کہا ہے اور یہ بغض ان لوگوں کو بدیہیات کے انکار کرنے تک لے کر آیا ہے، کیوں کہ عمر کے منع کرنے کا دفاع کرنا چاہ رہے ہیں خواہ وہ اس کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں، ایک باطل دعوے کے ساتھ ایک آیت منسوخ کس طرح ہوسکتی ہے جب کہ

[1] سورۂ نساء: ۲۴

Presented by Ziaraat.Com

انھیں کے مصادر میں سے ہیں جیسا کہ ہم نے نقل کیا ہے متعارض روایات موجود ہیں۔

جیسا کہ امامِ مسلم نے اپنی صحیح میں حسن الحلوانی سے روایت کی ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم کو عبدالرزاق نے بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے ابنِ جریج خدیج نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ عطا نے کہا کہ جابر بنِ عبداللہؓ عمرہ کرنے آئے اور ہم ان کے پاس گئے، ایک گروہ نے ان سے بہت سی چیزوں کے بارے میں سوالات پوچھے پھر متعہ کا ذکر کیا تو جابر بنِ عبداللہؓ نے فرمایا کہ جی ہاں! ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، ابوبکر اور عمر کے دور میں متعہ کیا تھا۔ اس طرح کی روایات متعدد طرق سے وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ امامِ بخاری اور حمیدی نے نقل کیا ہے کہ عمر ہی تھا جس نے متعہ کو باطل قرار دیا تھا۔

الجمع بین الصحیحین میں جابر بنِ عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں متعہ کیا تھا پس جیسے ہی عمر نے خلافت حاصل کی تو کہا کہ اللہ سبحانہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جو چیز چاہی اور جس طرح چاہی حلال قرار دی اور قران اپنے خاص موقع کے لیے نازل ہوا، تم لوگ حج وعمرہ کو جیسے کہ اللہ تعالی کا امر ہے ویسے ہی ادا کریں، اور اس نکاح سے اجتناب کریں، اگر کسی بھی مرد کو میرے پاس لایا گیا کہ اس نے نکاحِ موقت کیا ہے تو میں اس کو سنگ سار کردوں گا[1]! یہ حدیث عجیب وغریب ہے، اگر کوئی غور وفکر کرے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہر اس چیز کو حلال قرار دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ان حدود سے واقف ہی نہیں ہے جو اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے برائے حلال وحرام معین کردی تھیں، اور یہ اس نہی کو اپنی طرف سے شریعت قرار دے رہا ہے، اور جیسا کہ اس نے کہا کہ اگر کوئی مرد میرے پاس لایا گیا جس نے نکاحِ موقت کیا ہے میں اس کو سنگ سار کردوں گا، جو اپنی طرف سے شریعت ایجاد کررہا ہو وہ ہی منبرِ رسول پر بیٹھ کر اس طرح کی بات کرسکتا ہے، کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے عمر سے فرمایا کہ اگر مجھے مبعوث نہیں کیا جاتا تو اے عمر! تو مبعوث ہوتا، اور یہ کہ اللہ تعالی نے حضرتِ جبرئیلؑ کو

---

[1] صحیح مسلم، ج ۳، ۸۸۵؛ صحیح بخاری، کتاب الحج، حدیث ۱۴۶۹، ۲۱۳۵۔

Presented by Ziaraat.Com

بھیجا کہ وہ عمر سے پوچھے کہ کیا وہ بھی اللہ تعالی سے اسی طرح راضی ہے جس طرح اللہ تعالی اس سے راضی ہے؟ اور اس طرح کی دیگر واہیات باتیں جو کہ ایک عاقل کی نظر میں محض بدعنوانی ہے، اور ایک مسلمان کی نظر میں کفر ہے، بتوں کو سجدہ کرنے کے باوجود بھی اگر عمر کو نبی بنایا جاتا تو وہ بہت بڑے عظیم نبی ہوتے! میری جان کی قسم عمر کے کفر کے لیے اس کی طرف سے اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کی گئی یہ ہی ایک جسارت کافی ہے، اور اس کے پیروکاروں کی بے وقوفی کے ثبوت کے لیے ان کا یہ ہی عقیدہ کافی ہے۔

الجمع بین الصحیحین میں حضرتِ جابرؓ سے اور سند کے ساتھ روایت ہے کہ ہم کھجوروں کی مٹھی اور آٹے کے عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر اور عمر کے دورِ حکومت کے کچھ دنوں تک متعہ کرتے تھے[۱]، یہاں تک کہ عمر بن خطاب نے عمر بن حریث کے متعہ کرنے کی وجہ سے متعہ سے منع کیا۔

امامِ احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں عمران بن حصین سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ نکاحِ متعہ کتاب اللہ میں نازل ہوا، ہم نے اس کو جانا اور حضرتِ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں انجام دیا، قرآن میں اس کی حرمت نہیں نازل ہوئی اور نہ ہی حضورؐ نے اس سے منع کیا یہاں تک کہ آپؐ وفات پا گئے۔[۲]

صحیح ترمذی میں ہے کہ اس نے کہا کہ ابنِ عمر سے متعہ کے بارے میں سوال ہوا تو اس نے کہا کہ یہ حلال ہے اور سوال کرنے والا شام کا رہنے والا تھا تو اس نے کہا کہ تمھارے باپ نے تو اس سے منع کیا تھا تو ابنِ عمر نے اس سے کہا کہ اگرچہ میرے باپ نے متعہ کرنے سے منع کیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جائز قرار دیا تھا تو کیا تم سنّتِ نبوی چھوڑ کر میرے باپ کی پیروی کرو گے؟[۳]

۱۔ صحیح، مسلم، ج ۳، ۱۲۰۳۔

۲۔ مسندِ احمد، ابنِ حنبل، ج ۴، ۴۳۶؛ صحیح، بخاری، ج ۶، ۳۳۰۔

۳۔ صحیح، ترمذی، ج ۳، ۱۷۵؛ تاریخ، ابنِ کثیر، ج ۵، ۱۴۱۔

Presented by Ziaraat.Com

محمد بنِ حبیب بختری نے کہا کہ صحابہ میں سے چھ لوگ اور تابعین میں سے چھ لوگ متعہ کو جائز قرار دیتے تھے، میں نے علامہ کمال الدین ابی شریف شافعی سے بیت المقدس میں چالیس اور دیگر چند احادیث پڑھیں جن کو حافظ بنِ حجر عسقلانی مراغی (جو مدینۂ منورہ کا رہائشی ہے) نے تخریج کیا تھا، اس میں جو انھوں نے اپنی سند سے روایت کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ" دو متعے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں تھے اور ابو بکر کے زمانے تک جاری رہے یہاں تک ایک آدمی آیا اور اس نے اپنی رائے سے حکم لگایا"، پس وہ حکم جس کے بارے میں اتنی روایات موجود ہیں تو ایک مسلمان کس طرح کہہ سکتا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا، چھوڑ دو جو شیعوں نے روایات نقل کی ہیں وہ حصر وضبط سے زیادہ ہیں۔

شیخ مفیدؒ اور دیگر علما نے اس موضوع پر الگ کتابیں لکھی ہیں، یہ ہی ایک مسئلہ عمر اور اس کے پیروکاروں کے کفر کے ثبوت کے لیے کافی ہے، نیز جو کچھ اس کے چاہنے والوں نے اس کے لیے بہانے تلاش کیے ہیں ان کے ردّ کے لیے جو ہم نے ذکر کیا ہے وہی کافی ہے، یہاں پر ظن و گمان کی کوئی جگہ ہی نہیں، سوائے اس شخص کے جو شریعت و کتاب میں تحریف کرنے کی جسارت کر سکتا ہو جیسا کہ یہود اور ان کے سوں کی عادت ہے۔

اس کے دیگر کارناموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بیت المال سے وہ کچھ دیتے تھے جو جائز نہیں تھا، وہ عائشہ و حفصہ کو بیت المال میں سے سالانہ دس ہزار درہم دیتے تھے اور اہلِ بیتؑ کو ان کے خمس سے محروم رکھا جو اللہ تعالی نے ان کے لیے فرض فرمایا تھا، اس نے بیت المال سے ۸۰ ہزار درہم لے لیے جب اس پر اعتراض ہوا تو کہا کہ میں نے یہ رقم بطورِ قرض لی ہے! ناصبی نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ فعل از لحاظِ اقتضائے مصلحت تھا، جب کہ مذکورہ خواتین کو بیت المال سے دیے گئے مال کی حرمت ثابت نہیں ہو، لیکن اس نے اہلِ بیتؑ کو خمس سے محروم کیا کیوں کہ اس نے اپنے اجتہاد سے خمس کے خلاف کسی معارض کو جان لیا تھا، جب کہ کتاب اللہ کی نص اس کے اجتہاد سے معارض ہے، عمر کے اس طرح خیالات کو ردّ کرنے

Presented by Ziaraat.Com

کی ضرورت تک نہیں ہے، یہ بھی ایک عجیب وغریب جواب ہے کیوں کہ بیت المال سے مذکورہ خواتین کو عطا کرنے کا کوئی سبب ہی نہیں، قطعی طور پر حرام ہے؛ کیوں کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے، اور آنحضرتؐ نے بیت المال کی تقسیم کو صاف وشفاف انداز سے معین فرما دیا تھا کسی اختلاف کی جگہ نہیں تھی، اور خمس اللہ تعالی کی طرف سے اس کی کتاب میں نصِ صریح سے موجود ہے جس میں کسی احتمال وتاویل کی گنجائش نہیں ہے، تو یہاں پر اجتہاد وظن اور گمان کی گنجائش کہاں پر ہے؟ بہت ہی تعجب کی بات ہے کہ عمر کا اجتہاد بھی ہمیشہ کی طرح صریح کتاب اللہ کے خلاف ہوتا ہے، آپ دیکھیں جب اللہ تعالی کی طرف سے حکم منصوص ہے اہلِ بیتؑ کے متعلق، وہاں پر عمر کا اجتہاد اور اس کا ظن حقوقِ اہلِ بیتؑ کو ضائع کر دیتا ہے، اور اس کی نظر میں معارض پیدا ہو جاتا ہے، پھر اس کا ظن اور اجتہاد تقاضا کرتا ہے وہی حقوق کسی اور کو دیے جائیں، اور یہ ناصبی کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج ومرج ہی نہیں ہے کیوں کہ وہ تو اجتہاد وظن کا تابع تھا، پھر تو شاید اس کا اجتہاد وظن تھا ہی اسی نوعیت کا کہ اس کو ظن وگمان ہو گیا ہو کہ وہ نبی ہے اور اس کو کوئی معارض مل گیا ہو اللہ سبحانہ کے ارشاد کے متعلقکہرسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرتا ہو، پھر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال قرار دیا اس کو اس نے حرام قرار دیا، اسی وجہ سے اس نے نکاحِ متعہ پر حد جاری کرنے کا حکم صادر کر دیا ہو، کسی حرام کو حلال قرار دیا جیسا کہ نمازِ تراویح کی جماعت بنائی، عداوتِ اہلِ بیتؑ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ان کے حقوق کو پامال کیا، امیر المومنینؑ کو اذیتیں دیں اور امامت کے منصب پر خود بیٹھ گیا، جیسا کہ اس نے شورا وغیرہ میں کیا، کیوں کہ محال ہے کہ کوئی انسان اس طرح کی باتوں کا قائل ہو اور اس طرح کے افعال کو قبول کرے اور اس کے باوجود وہ شریعتِ نبوی کا پابند بھی ہو اور کتاب اللہ کی اطاعت بھی کرتا ہو، جب کہ وہ ناصبی کہہ رہا ہے کہ امورِ ظنیہ کی مخالفت مسلمان ہونے پر شک پیدا نہیں کرتی، لیکن ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ کتاب اللہ کی نص اور صراحتِ ظنی کس طرح جمع ہو سکتے ہیں کیا کسی کو آج تک سورۂ اخلاص

Presented by Ziaraat.Com

کے نص کے خلاف کوئی احتمال یا ظن پیدا ہوا ہے؟ بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ ناصبیوں نے جو راہ اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ دین وشریعت کو اس راہ پر لے کر چلنا چاہتے ہیں جس پر نجس و پلید بت اور گندگی کے ڈھیر چلے ہیں، جو کچھ انھوں نے کہا اور کیا دین کا دائرہ اسی کے اندر قرار دینا چاہتے ہیں، ان کو کوئی پراوہ نہیں ہے اس کا انجام حق دشمنی اور راہِ رسول سے انحراف ہے، اور عقل ونقل اس کے خلاف ہے، وہ حقوقِ اہلِ بیتؑ کے پیشِ نظر اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی گئی تعلیمات کو ذرا بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور نہ ہی حق کی حقانیت اور باطل کے ابطال میں کوئی سعی وکوشش کرنے کے درپے ہیں۔ بہر حال اتنی مقدار عمر کی طرف سے کی گئی مخالفتوں کے بیان میں کافی ہے، اگر چہ ہم نے اس کی تمام مخالفتیں بیان نہیں کیں، کہ کہیں ہم اپنی مراد ومقصود سے نہ ہٹ جائیں۔

بحثِ سوم (اعتراضات)

تیسری بحث عثمان کے ان افعال کے بارے میں ہے کہ جس میں اس نے اللہ سبحانہ کے نازل کردہ احکام کی مخالفت کی، حال آں کہ ان کی مخالفتیں بہت زیادہ ہیں، جب کہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے پہلے کے دونوں دوستوں کے اعمال میں بھی شریک ہے کیوں کہ یہ ان دونوں کا حمایتی رہا ہے، ہم یہاں پر اس کی بعض قباحتوں کی طرف اشارہ کریں گے، ان میں ایک تو یہ کہ اس نے مسلمانوں کی ولایت ایسے افراد کے حوالے کی جو ہرگز اس منصب کے اہل نہیں تھے، اور نہ ہی اس عہدے کے لیے امانت دار تھے، حال آں کہ ان افراد میں فسق وفساد ظاہر تھا، اور نہ ہی اس منصب کے لحاظ سے ان کے پاس علم تھا، یہ سب اس نے اپنی اقربا پروری میں کیا اور دین کی عزت وحرمت سے لا پرواہی کی وجہ سے کیا، حال آں کہ عمر نے اس کو اصحاب کے اجتماع کے خوف سے اس کو روکا تھا، جن کو اس نے ولایت دی تھی ان میں ایک ولید بنِ عقبہ تھا جو شراب خوری اور فسق وفجور میں مشہور تھا، یہ ہی شخص تھا جس کے بارے میں اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد ہے:

Presented by Ziaraat.Com

فَمَنْ كَانَ مُؤْمِناً كَمَنْ كَانَ فَاسِقاً لَا يَسْتَوُنَ۔

کیا وہ شخص جو صاحبِ ایمان ہے اس کے مثل ہو جائے گا جو فاسق ہے، ہرگز دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔[1]

مفسرین کا کہنا ہے کہ آیت میں مؤمن سے مراد مولا علیؑ اور فاسق سے مراد ولید بنِ عقبہ ملعون ہے، اس کا قصہ مولا علیؑ کے ساتھ اس آیت کے نزول کے سبب مشہور ہے، اور اس کے بارے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی:

اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا۔

ایمان والو! اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو۔[2]

جب اس کو امیر بنایا گیا تھا تو وہ نشے کی حالت میں نماز پڑھاتا تھا، یہاں تک کہ نماز میں کلام کیا اور نمازیوں سے متوجہ ہو کر کہا کہ کیا اور بھی نماز پڑھاؤں؟ انھوں نے کہا نہیں ہم نے اپنی نماز پڑھ لی ہے[3]، عثمان بنِ عفان نے سعید بنِ عاص کو کوفہ کا حاکم بنایا، اور اس سے بہت ساری چیزیں دین کے خلاف سرزد ہوئیں، اور عثمان نے کہا یہ منطقہ قریش کے لیے ایک باغ کی مانند ہے جو کچھ لینا چاہیں وہ لیں اور جو کچھ ترک کرنا چاہیں وہ ترک کریں، یہاں تک کہ کسی نے کہا کہ جو کچھ اللہ تعالی نے ہم کو عطا فرمایا ہے وہ تمھارے اور تمھارے رشتہ داروں کے لیے باغ ہے؟! بات یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کو دارالحکومت میں داخل ہونے سے منع کر دیا، سعید بنِ عاص کے بارے میں عثمان سے بات کی یہ چاہتے ہوئے کہ عثمان کو خلافت سے ہٹا دیں، پھر عثمان نے مجبور ہو کر ان کے تقاضے کو پورا کیا اور اس کو عہدے سے معزول کیا، اہلِ مصر کے لیے عبداللہ بنِ ابی سراح بطورِ حاکم مقرر کر دیا، مصریوں کی طرف سے احتجاج کرنے پر اس نے محمد بنِ ابی بکر کو مقرر کیا، پھر وہاں کے والی کو حکم دیا کہ تم اپنی جگہ پر بیٹھے رہو، اور کہا کہ محمد بنِ ابی بکر اور جو کوئی بھی اس کے ساتھ ہو ان کو قتل

---

[1]۔ سورۂ سجدہ: ۱۸

[2]۔ سوۂ حجرات: ٦

[3]۔ شرح نہج البلاغہ، ابنِ حدید، ج ۱۷، ۲۲۹۔

Presented by Ziaraat.Com

کردوا، عثمان کا یہ خط اس کے قتل کا سبب ہوا کہ اس کا محاصرہ کر کے اس کو قتل کیا گیا۔ معاویہ کو شام کا حاکم رہنے دیا جس سے عظیم فتنے ظاہر ہوئے، اور ابو معیط کے بیٹوں کو لوگوں کے سروں پر سوار کر دیا، حال آں کہ عمر نے اسے اس عمل سے روکا تھا، ناصبی (جس کے منہ کو اللہ تعالی دنیا و آخرت میں کالا کر دے) نے جواب دیا ہے کہ عثمان نے ولید کو اس گمان کے ساتھ حاکم مقرر کیا کہ شاید وہ اس عہدے کا اہل ہے، اور ولی و حاکم کا معصوم ہونا شرط نہیں ہے، مگر جب اس سے فسق ظاہر ہوا تو اس نے اس کو معزول کیا اور اس پر حد جاری کی، ہر وہ شخص جس کو عثمان نے حاکم مقرر کیا ہے، ہر ایک کے بارے میں یہ ہی جواب ہے، اس کا ظاہر اصلاح تھا، اگر چہ وہ شخص حقیقت میں صالح نہیں تھا، اور عثمان نے جو اپنے رشتہ داروں کو حاکم مقرر کیا تو اس کی وجہ ان لوگوں کی اہلیت تھی، ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ عمر نے عثمان کو ابو معیط کے بیٹوں کو عہدے دینے سے منع کیا تھا، ہم اس کے جواب کو رد کرتے ہیں کہ ولید کا فسق اتنا مشہور و ظاہر تھا کہ اس کو بیان کرنے کی ضرورت تک نہیں ہے، بالآخر وہ شخص ولایت کا اہل کیسے ہو سکتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی جب اس نے مولا علیؑ سے فخر کیا تھا:

وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ۔ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۔

اور جن لوگوں نے فسق اختیار کیا ہے ان کا ٹھکانا جہنم ہے کہ جب اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو دوبارہ پلٹا دیے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اس جہنم کی آگ کا مزہ چکھو جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔ اور ہم یقیناً بڑے عذاب سے پہلے انھیں معمولی عذاب کا مزہ چکھائیں گے کہ شاید اسی طرح راہِ راست پر پلٹ آئیں۔[۲]

نیز اللہ سبحانہ ارشاد ہے:

---

[۱]۔ الغدیر، امینی، ج۹، ۱۷۹؛ الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ۵۵۔

[۲]۔ سورۂ سجدہ: ۲۰-۲۱

Presented by Ziaraat.Com

إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا۔

ایمان والو! اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو۔[1]

یہ آیت بھی اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عثمان کو بنی عبدالمصطلق کی طرف بھیجا تو اس کے اور بنی عبدالمصطلق کے درمیان پرانی دشمنی تھی، جب انھوں نے اس کا استقبال کیا تو اس نے گمان کیا کہ وہ اس سے جنگ کرنا چاہتے ہیں پس وہ واپس آیا اور خبر دی کہ وہ لوگ مرتد ہوگئے ہیں اور زکات دینے سے انکار کرتے ہیں، بس جو شخص اس طرح کا ہے اس کے بارے میں عثمان نے کس طرح گمان کیا کہ وہ ولایت وحاکمیت کا اہل ہے، ہمیں عثمان کے فعل سے اس قدر تعجب نہیں ہوا جس قدر ناصبی کا جواب دیکھ کر تعجب ہوا یقیناً یہ ناصبی بے شرم ہے، کوئی شک نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص عناد وتکبر میں یہاں تک آسکتا ہے تو اس کا علاج سوائے تلوار کے کچھ اور نہیں ہے، سچ کہا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے:

اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَأَصْنَعْ مَا شِئْتَ۔

اگر تم کو حیا نہیں ہے تو جو چاہو وہ کرو۔

معاویہ اور عبداللہ بن ابوسرح کا حال تو بیان کرنے سے زیادہ واضح ہے، ان کے بارے میں اللہ سبحانہ کا یہ قول ہی کافی ہے:

وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۔

اور جب ہم نے کہہ دیا کہ آپ کا پروردگار تمام لوگوں کے حالات سے باخبر ہے اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھلایا ہے وہ صرف لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہے جس طرح کہ قرآن میں قابلِ لعنت شجرہ بھی ایسا ہی ہے اور

---

[1] سورۂ حجرات: ۶

Presented by Ziaraat.Com

ہم لوگوں کوڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی سرکشی بڑھتی ہی جارہی ہے۔[1]

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ "شجرۃ" سے مراد بنوامیہ ہے، اور خواب جو آنحضرتؐ نے دیکھا جیسا کہ اللہ سبحانہ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔

اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھلایا ہے وہ صرف لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہے۔

اس خواب سے مراد جیسا کہ روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے منبر پر بندر کو ناچتے ہوئے دیکھا، آپؐ بہت غم گین ہوگئے اور پریشان ہوئے، اس خواب کی تاویل یہ ہوئی کہ بنی امیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپؐ کے منبر پر قبضہ کرلیں گے، جیسا کہ شورا کے روز عمر کا عثمان سے کہنا کہ "اگر حکومت حاصل کرلو تو ابومعیط کی اولاد کو لوگوں کے سروں پر سوار مت کرنا"، زبیر کے بارے میں کہا تھا کہ "اگر وہ امیر بن گیا تو وہ لوگوں سے دو تین کلو آٹے پر بھی لڑتا رہے گا" اور طلحہ کے بارے میں کہا تھا کہ "وہ ایک روز انسان ہوتا ہے اور ایک روز شیطان ہوتا ہے" یہ عمر کا قول مشہور ومعروف ہے، اس منع سے زیادہ آشکار کون سا منع کرنا ہوسکتا ہے، باقی اس ناصبی کا یہ کہنا کہ "ہم نہیں مانتے کہ عمر نے منع کیا تھا"۔ ہم اس کے جواب کو تسلیم نہیں کرتے، اس کے انکار کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو دوپہر کے وقت دن ہونے کا انکار کرتا ہو، ورنہ طالبِ راہِ حق سے یہ بات کس طرح مخفی رہ سکتی ہے، ایک انصاف پسند انسان انکارِ حق کی جسارت نہیں کرسکتا، عثمان کے افعالِ قبیحہ میں سے ایک فعل یہ بھی ہے کہ اس نے حکم بن عاص کو واپس مدینے بلا لیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ بدر کردیا تھا[2] اور اس کو طائف بھیج دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ میں جہاں پر ہوں تم وہاں پر نہیں رہو گے، حال آں کہ ابوبکر وعمر نے بھی اس کو واپس نہیں بلایا تھا، مگر عثمان نے بے باکی سے فرمانِ رسول اللہ کی مخالفت کی، جب کہ یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت کا

---

[1] ۔سورۂ اسراء:۶۰

[2] ۔انساب الاشراف، بلاذری، ج۵، ۲۷، ۲۲۵

Presented by Ziaraat.Com

موجب تھا، عثمان کو اس بات سے کوئی ڈر محسوس نہیں ہوا، اس شخص سے دوستی رکھی جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن تھا، جو نہ اللہ سبحانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتا تھا اور نہ ہی مرنے کے بعد زندہ ہونے کا عقیدہ، اور کافر تھا۔ بدبخت ناصبی نے اس بات کا بھی جواب دیا ہے کہ عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایسا نہ ہوسکا تھا، اور جب ابوبکر و عمر کی حکومت آئی تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لی ہوئی اجازت ان دونوں سے بیان کی تو انھوں نے اس سے گواہ طلب کیا مگر وہ پیش نہ کرسکے یہاں تک کہ اس کی اپنی حکومت آگئی تو اس نے اپنے علم کے مطابق حکم لگایا، اس جواب کا باطل ہونا واضح ہے، ہمارے سید شریف مرتضیؒ فرماتے ہیں، یہ جواب تو کسی سے سنا ہی نہیں گیا ہے، نہ ہی کسی کتاب میں کوئی روایت ہے، اور یہ بھی نہیں معلوم کہ اس ناصبی نے یہ روایت (کہ عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لی ہوئی تھی) کہاں سے نقل کیا ہے، حالاآں کہ تمام محدثین و مؤرخین نے اس کے خلاف روایت کی ہے۔

واقدی نے مختلف اسناد و طرق سے اور دیگر علمائے اہلِ سنّت نے کہا ہے، حکم بنِ عاص[۱] جب فتحِ مدینۂ منورہ آیا تو آنحضرتؐ نے اسے شہر بدر کردیا تھا اور فرمایا تھا کہ ہمارے ساتھ ہرگز رہائش اختیار نہیں کرنا کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھلم کھلا اپنے بغض و عداوت کا اظہار کرتا تھا، یہاں تک کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ پر چلنے میں عیب جوئی کرتا تھا، تو آنحضرتؐ نے اسے دور بھیج دیا تھا، کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو یہ نہ جانتا ہو کہ حکم بنِ عاص دھتکارہ ہوا ہے، پس عثمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سفارش کی کہ اس کو واپس بلائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول نہیں فرمایا، ابوبکر و عمر کے زمانے میں وہ ان دونوں کے پاس آیا اور حکم کے واپسی کی سفارش کی، انھوں نے سختی سے جواب دیا اور کہا کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکال دیا ہے تم مجھ سے سفارش کررہے ہو کہ میں اس کو واپس بلاؤں، میں

---

[۱] حکم کا مزید احوال جاننے کے لیے الاستیعاب، اسد الغابہ اور الاصابہ کی طرف رجوع کریں۔

Presented by Ziaraat.Com

رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی بات پر ایمان نہیں رکھتا، پس اے عفان کے بیٹے! آئندہ خیال رکھنا مجھ سے اس طرح کی بات نہ کرنا، تو کس طرح ممکن ہے کہ رسولؐ نے عثمان کو اجازت دے دی ہو اس ناصبی نے یہ بہانہ کہاں سے تلاش کیا؟ اگر ایسی بات تھی تو عثمان نے وہ ابوبکر و عمر سے کیوں نہیں ذکر کیا تا کہ وہ ان کی ڈانٹ سے بچ جاتا؟! جب عثمان اس کو واپس مدینے لے کر آیا تو حضرت علیؑ، طلحہ، زبیر سعد، عبدالرحمن اور حضرتِ عمار بنِ یاسرؓ عثمان کے پاس گئے اور کہا کہ تم اس شخص کو مدینے میں لے کر آئے ہو جس کو رسول اللہ ﷺ نے نکال دیا تھا، ہم تم کو اسلام اور روزِ محشر کی یاد دہانی کروا رہے ہیں، اگر تم اپنے لیے روزِ محشر میں جی اٹھنے کے قائل ہو، تم سے پہلے جنھوں نے حکومت کی ان سے اس بارے میں کسی نے بات کرنے کی ہمت نہیں کی، یہ ایسی چیز ہے جس کے بارے میں ہم تم کو اللہ سبحانہ سے ڈراتے ہیں، تو عثمان نے کہا کہ ان لوگوں کی مجھ سے رشتہ داری کے بارے میں تم لوگ جانتے ہو، حال آں کہ رسول اللہ ﷺ حکم کے بارے میں کچھ سن کر اسے نکال دیا تھا، اب اس کی موجودگی سے تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا[۱] لوگوں میں ایسے بھی موجود ہیں جو حکم سے بھی زیادہ برے ہیں، تو مولا علیؑ نے فرمایا کہ حکم سے زیادہ کوئی شر نہیں ہے اور نہ ہی ان لوگوں سے زیادہ کوئی اور شریر ہے، پھر فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو عمر نے کہا تھا کہ اگر عثمان نے ابی معیط کی اولاد کو لوگوں کے سروں پر سوار کیا تو لوگ اس کو قتل کر دیں گے، عثمان نے کہا تم لوگوں میں سے کوئی نہیں ہے جس کی ان کے ساتھ رشتہ داری ہو جس طرح میری اور ان کے درمیان قرابت و رشتہ داری ہے، اور میں ان لوگوں (قرابت داروں) کو طاقت و قدرت دوں گا کہ جو کام میں لوگوں کے ساتھ کرتا ہوں وہ بھی میری طرح ہی کریں گے، پس مولا علیؑ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا:

"اللہ کی قسم! تم ہمارے لیے اس سے بھی بدترین مشکلات لے کر آؤ گے، اے عثمان! اگر تم سلامت رہے تو عنقریب دیکھو گے کہ تمھارے یہ کام کس طرح کے فتنوں کی پرورش کریں گے۔

۱۔ اصل میں عثمان کہنا یہ چاہتا تھا کہ پیغمبر کو غلط فہمی ہوئی ہے اور انھوں نے غلط فیصلہ کیا تھا۔

Presented by Ziaraat.Com

مؤرخین اور اہلِ سنّت کے راوئین و محدثین نے یہ ہی نقل کیا ہے، وہ باتیں کہاں ہیں جو یہ ناصبی شیعوں کو جواب دینے کے لیے گھڑ کر بیان کر رہا ہے؟ پھر عثمان نے امیر المومنینؑ اور جو لوگ آپؑ کے ساتھ آئے تھے ان کو یہ جواب (جو ناصبی دے رہا ہے) کیوں نہیں دیا، اپنے آبرو اور دین کی حفاظت کیوں نہیں کی، جب انھوں نے اس سے کہا تھا کہ ہم تم کو اللہ سبحانہ، اسلام اور روزِ محشر کی یاد دلانے آئے ہیں؟ یہ باتیں اسی شخص کو ہی یاد دلائی جاتی ہیں جو اقدامِ کفر کرتا ہے، اور ناصبی کے جواب کے بطلان پر بھی دلالت کر رہی ہیں، ہم یہ جانتے ہیں کہ عثمان اپنے قرابت داروں کی محبت میں کتنا حریص تھا اور ان کی تعظیم و تکریم کرتا تھا اور ان کی سربلندی کے لیے کتنی جدوجہد کرتا تھا، بالفرض اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حکم کے لیے اجازت مانگنے کے بعد آنحضرتؐ نے اجازت رات کے وقت میں دی ہوتی تو وہ صبح تک اس کو مدینے میں پہنچا چکا ہوتا اور کسی کام میں مشغول نہ ہوتا، اگر آنحضرتؐ نے دن میں اجازت دی ہوتی تو وہ شام تک اس کو مدینہ میں لے کر پہنچ چکا ہوتا کیوں کہ طائف و مدینہ میں کوئی بڑی مسافت نہیں ہے، کیا کوئی عاقل انسان یہ تصور کرسکتا ہے کہ عثمان میں اتنی جرائت تھی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کی ہو اس شخص کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن تھا آنحضرتؐ نے اس کی سفارش کو قبول فرمایا، پھر اس کو سستی ہوگئی اور دیگر کاموں میں مشغول رہا یہاں تک کہ آپؐ دارِ فانی سے الوداع فرما گئے؟!

لیکن مکر و فریب کی ترویج کے لیے اس طرح کی من گھڑت کہانیوں کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا، اس سے بھی واضح بات یہ ہے کہ عثمان کے لیے ضروری تھا کہ وہ حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتا، وہ دشمنِ رسول اللہ کو اپنے مستحق مقام پر رہنے کے لیے راضی ہوتا اور اس سے برائت کرتا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں لعنت کرتا، اللہ سبحانہ کے اس قول کی روشنی میں:

لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ۔

آپ کبھی نہ دیکھیں گے کہ جو قوم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والی ہے وہ ان لوگوں سے دوستی کر رہی ہے

Presented by Ziaraat.Com

جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرنے والے ہیں چاہے وہ ان کے باپ دادا یا اولاد یا برادران یا عشیرہ اور قبیلہ والے ہی کیوں نہ ہوں۔[۱]

اپنے دین و اسلام کی حفاظت کرتا اگر مسلمان تھا تا کہ اللہ تعالی اور روزِ آخرت کا کفر نہ کرتا۔ آنحضرتؐ کوئی سلطان یا بادشاہ نہیں تھے کہ اگر وہ کسی پر غضب ناک ہوئے تو اس شخص کی محبت پر باقی رہا جا سکتا تھا اور اس کی سفارش کی جا سکتی تھی کیوں کہ آیت صراحتاً بیان فرماتی ہے کہ:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى۔

اور وہ (رسولِ خداؐ) اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتے ہے۔ ان (رسولِ خداؐ) کا کلام ہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔[۲]

اگر یہ منافق ناصبی عثمان کے دفاع میں نکل آئے جس طرح اس نے پہلے کیا اور کہے کہ عثمان نے کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اجتہاد کیا، اور مجتہد اپنے ظن و گمان کا پیرو کار ہوتا ہے تو اس کا یہ بیان زیادہ مناسب تھا بجائے کھلا جھوٹ بولنے اور قبیح افترا پردازی کے۔ اسی طرح عثمان کا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا اس مالِ عظیم سے جو مسلمانوں کا حق تھا۔ قریش میں سے چار افراد کو چار ہزار دینار دیے ان کی بیویوں کے لیے، مروان بن حکم کو ایک لاکھ دینار دیا، حال آں کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔

تا کہ سارا مال صرف مال داروں کے درمیان گھوم پھر کر نہ رہ جائے۔[۳]

ناصبیوں نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ عثمان نے جو کچھ دیا ہے وہ اس نے بیت المال میں سے نہیں دیا بلکہ وہ خود مال دار تھا اس نے اپنے مال میں سے دیا ہے۔ تعجب ہے ان فاسق و فاجر

۱۔ سورۂ مجادلہ: ۲۲

۲۔ سورۂ نجم: ۳۔۴

۳۔ سورۂ حشر: ۷

Presented by Ziaraat.Com

لوگوں پر کس منہ سے یہ جواب دے رہے ہیں کہ جب کہ ان کی اپنی کتابوں میں اس کے خلاف موجود ہے۔ واقدی نے روایت کیا ہے کہ عثمان نے کہا کہ ابوبکر وعمر اس مال میں سے اپنے رشتہ داروں کونوازتے رہے، اور میں بھی اسی میں سے صلۂ رحمی کرر ہاہوں۔

نیز واقدی نے روایت کی ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے بصرہ میں سے بہت زیادہ مال بھیجا اور عثمان نے پیمانے کی مدد سے اس کو اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کردیا اور زیاد گریہ کررہا تھا۔

واقدی نقل کرتا ہے کہ عثمان کے پاس زکات کا ایک اونٹ آیا اور اس نے وہ حراث بن حکم بنِ ابی العاص کو ہبہ کردیا، صدقات قضاع کی ولایت حکم بنِ ابی العاص کو دی، جو کہ تین لاکھ ہوگئی تھی، اور وہ مبلغ اسی کو ہی بخشش کردیا جس پر لوگوں نے اعتراض کیا۔ اور سعد بنِ عاص کو لاکھ دیے، اس وقت عثمان نے وہ جواب نہیں دیا جو آج ناصبی ملعون بیان کررہے ہیں جب صحابہ اس پر شدید برہم ہوئے، اس کو مارنے کے لیے اس کے پاس آئے۔ اور یہ فاسق وفاجر ناصبی جو سنّتِ مطہرہ میں ردّ و بدل کا خواہاں وہ جواب دے رہا ہے جو خود عثمان کو بھی نہیں معلوم۔ بالآخر صحابہ اس کے فعل پر کس طرح غور وفکر نہ کرتے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نکالے ہوئے شخص کو جو علی الاعلان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن تھا اس کو مدینے واپس لانے پر قناعت نہیں کی بلکہ اس کو صدقات کی ولایت بھی دے دی، بلکہ وہ مال بھی اسی کو عطا کردیا، چلیں فرض کر لیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان کے سفارش کرنے پر اپنے اور خدا کے دشمن کی واپسی کی اجازت بھی دے دی ہو لیکن عثمان کو یہ اجازت کس نے دی کہ وہ حقِ رسول اللہ کو ضائع کرے اور حرمتِ نبی اکرم کو پامال کرتے ہوئے اس شخص کو صدقات کا ولی مقرر کرے اور بعدازآں وہ مال بھی اسی کے ہی سپرد کردے؟ پس جو شخص یہ بات جان لے اور عثمان کی حقیقت اس کے سامنے آجائے، اور وہ پوری بات بھی سمجھ جائے اس کے باوجود بھی وہ اپنے دل میں عثمان کی عداوت نہ پائے، اس کے کفر کا اعتقاد نہ کرے تو یقیناً وہ شخص اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہے، جو کچھ اللہ سبحانہ نے نازل فرمایا ہے اس کا منکر ہے۔ عثمان کے افعالِ قبیحہ

Presented by Ziaraat.Com

میں سے ایک اور قبیح فعل یہ ہے کہ اس نے بزرگ صحابہ کی توہین کی اور ان کو مارا پیٹا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اتنا مارا کہ ان کی پسلیاں توڑ دیں، ان کے مصحفِ شریف کو جلا دیا، اس کا وظیفہ روک دیا اور اسی میں انھوں نے وفات پائی، انھوں نے حضرتِ عمارؓ کو وصیت کی کہ عثمان ان کے جنازے میں شریک نہ ہو[۱]۔ روایت ہے کہ عثمان حضرتِ عبداللہ بن مسعودؓ کے مرض کے آخری ایام میں ان کے پاس آیا اور کہا کہ تمھیں کیا شکایت ہے؟ انھوں نے کہا کہ اپنے گناہوں کی، عثمان نے کہا کہ کیا چاہیے؟ انھوں نے کہا کہ اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ کیا میں تمھارے لیے طبیب کا بندوبست کروں؟ انھوں نے کہا کہ طبیب نے ہی مریض کیا ہے، اس نے کہا کہ کیا میں تمھیں کچھ عطا کروں؟ انھوں نے کہا کہ جب ضرورت تھی تب نہیں دیا، اور جب میں بے نیاز ہو گیا ہوں تو دینے آ گئے ہو؟ اس نے کہا کہ اپنے اولاد کے لیے لے لو؟ انھوں نے کہا کہ ان کا رزق اللہ سبحانہ پر ہے، اس نے کہا کہ اے رحمن کے بندے! میرے لیے استغفار کرو۔ انھوں نے فرمایا کہ میں اللہ سبحانہ سے دعا کرتا ہوں کہ تم سے میرا حق لے۔

حضرتِ عمار بنِ یاسرؓ کو پیٹ کے نیچے مارا اور ان کو ہرنیا ہو گیا، اور حضرتِ عمار بنِ یاسرؓ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو عثمان کا قتل چاہتے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ "ہم نے کافر کو قتل کیا" اس کی وجہ یہ تھی کہ بیت المال میں جوہر کا ایک دانہ تھا جو عثمان نے لے کر اپنی بیوی کو پہنایا، پس لوگوں نے اس پر اعتراض کرنا شروع کیے، لوگوں نے عثمان سے بات کی، اور وہ اس پر ناراض ہو گیا، اور کہا کہ ہم لوگ اپنی ضرورتیں بیت المال سے پوری کرتے ہیں، چاہے لوگوں کی ناک خاک آلود ہی کیوں نہ ہو جائے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ تو پھر یہ لوگ تمھارے کام کے درمیان رکاوٹ بن جائیں گے، حضرتِ عمارؓ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالی کو گواہ بناتا ہوں کہ پہلی ناک جس کی خاک آلود کر دی جائے گی وہ میری ہو گی، تو عثمان نے کہا کہ اے

۱۔ شرحِ نہج البلاغہ، ابنِ حدید، ج ۳، ۴۲۔

Presented by Ziaraat.Com

یاسر کے بیٹے! میرے سامنے تمھاری اتنی جرائت ہوگئی ہے، ان کو پکڑنے کا حکم دیا[1]، اور اس قدر زدوکوب کیا کہ وہ بے ہوش ہوگئے، عثمان کے لوگ ان کو اٹھا کر لے گئے، ہوش آنے کے بعد پھر عثمان نے ان کو اس قدر مارا کہ وہ دوبارہ بے ہوش ہوگئے، پھر ان کو عثمان نے باہر نکالا اور ان کو اٹھا کر حضرتِ امّ سلمہؓ کے گھر لایا گیا اور وہ بے ہوشی کی حالت میں تھے یہاں تک کہ ظہر، عصر اور مغرب کی نماز تک نہیں پڑھی، جب ہوش آیا تو وضو کر کے نمازیں پڑھیں۔ چنانچہ حضرتِ مقدادؓ، عمارؓ، طلحہ، زبیر اور صحابہ کی ایک جماعت نے ایک مکتوب لکھا جس میں انھوں نے عثمان کی کارستانیاں درج کیں، اور عثمان کو خوف دلانے کی کوشش کی اور اس کو آگاہ کیا کہ اگر وہ باز نہیں آتا تو وہ اٹھ کھڑے ہوں گے، یہ مکتوب عثمان کے لیے حضرتِ عمارؓ لے کر آئے، عثمان نے اس مکتوب کی ایک سطر پڑھی، تو کہا کہ کیا تم ان لوگوں کے ساتھ مل کر میرے خلاف اقدام کرنے والے ہو؟، اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ان کو پکڑو، اس کے غلاموں نے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے، پھر عثمان نے ان کو اتنا مارا کہ ان کو ہرنیا ہوگیا[2]، حال آں کہ حضرتِ عمارؓ پیرِ سن تھے، اور وہ بے ہوش ہوگئے۔ حضرتِ عمارؓ نے فرمایا کہ تین لوگ عثمان کے کفر کی گواہی دیں گے اور میں چوتھا ہوں گا۔

حضرتِ زید بنِ ارقمؓ سے کہا گیا کہ تم لوگوں نے عثمان کو کس وجہ سے کافر قرار دیا تھا؟ تو اس نے کہا کہ تین چیزوں کی وجہ سے۔ مال و دولت کو مال دار لوگوں میں بانٹا، اور اصحاب میں سے مہاجرین کو اس نے ان لوگوں کی طرح کھڑا کیا جیسے وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے والے ہوں، کتاب اللہ کے خلاف عمل کیا، حضرتِ ابوذرؓ کو مارا جب کہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں

۱۔ این عثمان ملعون کہ بعد از قطع شدن وحی وشہادت پیغمبر این گونہ گستاخ گشتہ، ہمان کسی است کہ در زمان پیغمبر اکرم (ص) از جنگہا فرار میکرد.

۲۔ الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ۵۱۔

Presented by Ziaraat.Com

اور بہت پہلے اسلام لے کر آئے تھے، اوران کو ربذہ میں بھیج دیا، عثمان کے یہ کام صریحاً کتاب اللہ کے خلاف ہیں ظاہری اسلام کا لبادہ اوڑھ کر یہ سب کام انجام دیے اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنفُسَكُم مِّن دِيَارِكُمْ۔

اور ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور کسی کو اپنے وطن سے نکال باہر نہ کرنا۔[1]

ناصبیوں نے جواب دیا ہے کہ عثمان کا حضرتِ ابن مسعودؓ کو مارنے کی بات اگر درست ہے تو اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عثمان چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے درمیان کلامِ مجید کا ایک ہی نسخہ ہونا چاہیے، اور ان کے درمیان کتاب اللہ کے بارے میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہے، تو اس نے ابن مسعودؓ سے ان کا نسخہ طلب کیا اور اس نے انکار کر دیا، جب کہ اس میں کمی بیشیاں تھیں، تو عثمان نے ان کو تادیب کی، ہم یہ بات نہیں مانتے کہ اس ہلکی پھلکی تادیب میں ابنِ مسعودؓ کی موت واقع ہوئی ہو، باقی اس کا وظیفہ بند کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ عثمان کی نظر میں اس رقم کا بہترین مصرف کسی اور جگہ پر لگانا تھا، اور ابنِ مسعودؓ کو بھی اس کی ضرورت نہیں تھی، باقی حضرتِ عمارؓ کو ادب سکھانے کی وجہ سے مارا تھا کیوں کہ اس نے آکر بدتمیزی کی تھی اور بہت سخت باتیں کہیں تھیں، جو کسی امام کے سامنے کہنے کی کسی کو جرائت نہیں ہونی چاہیے، امام کو حق حاصل ہے کہ وہ اس طرح مار پٹائی کر سکتا ہے، خواہ اس میں اس کی موت ہی کیوں نہ واقع ہو جائے، اس طرح کی بہت ساری مثالیں ہیں جو شیعوں کو بھی ماننی پڑیں گیں کیوں مولا علیؑ نے بھی اکثر صحابہ کا جنگوں میں قتل کیا ہے، اگر فساد کو روکنے کے لیے قتل کرنا جائز ہے تو ادب سکھانے میں مار پٹائی کرنا بھی درست ہے۔

باقی جہاں تک ابوذرؓ کی بات ہے تو جب وہ شام میں تھے تو ان کے بارے میں یہ خبر آئی

---

[1] سورۂ بقرہ: ۸۴

Presented by Ziaraat.Com

کہ نمازِ جمعہ میں شیخین ابوبکر وعمر کی تعریف کی جارہی تھی، تو ابوذرؓ نے کہا کہ دیکھو! ان دونوں کے بعد کیسی صورتِ حال ہوگئی ہے، بڑے بڑے گھر بنائے جارہے ہیں، مہنگے ترین لباس زیبِ تن ہورہے ہیں، گھوڑوں پر سواری ہورہی ہے، کھانے میں طرح طرح کی اقسام شامل کی جارہی ہیں، وہ ان باتوں سے شورش پیدا کرنا چاہ رہے تھے، تو عثمان نے ان کو شام سے بلایا، وہ جب بھی عثمان کو دیکھتے تھے تو یہ آیت پڑھتے تھے:

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ۔

جس دن وہ سونا چاندی آتشِ جہنم میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور پشت کو داغا جائے گا کہ یہ ہی وہ ذخیرہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا اب اپنے خزانوں اور ذخیروں کا مزہ چکھو۔[1]

پس عثمان نے اس کو ادب سکھایا اور اس کو یہ کرنے کا حق حاصل تھا، خواہ اس میں اس کی موت ہوجاتی، بعدازآں اس سے کہا کہ یا تو اپنا منہ بند رکھو یا یہاں سے نکل جاؤ، پس وہ چلے گئے ربذہ اور وہیں پر ان کا انتقال ہوگیا۔

میں یہ کہہ رہا ہوں کہ مذکورہ جواب اور اس طرح کے دیگر جوابات ناصبیوں کی باتیں گھڑنے کی مہارت کی علامت ہے، اور ان کے جوابات کو رد کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ عثمان کا ابنِ مسعودؓ کو زدوکوب کرنا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، تو وہ کس طرح کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ بات ٹھیک ہے تو اس کی وجہ۔۔الخ۔ جہاں تک عثمان کے ارادے کی بات کریں کہ وہ ایک ہی مصحف بنانا چاہتا تھا اور ابنِ مسعودؓ نے اپنے پاس موجود نسخے کو دینے سے منع کردیا تھا، اگر یہ بات سچ بھی ہے تو بھی اس صورت میں عثمان کے لیے جائز نہیں تھا کہ وہ ان کو زدوکوب کرے، کیوں کہ زیادہ سے زیادہ ابنِ مسعودؓ کے

---

[1] ۔سورۂ توبہ: ۳۵

Presented by Ziaraat.Com

نسخے کی طرف جو ناصبی کمی وزیادتی کی نسبت دے رہا ہے تو وہ متواتر کے درجے تک نہیں پہنچے ہوں گے، لیکن ضروری نہیں ہے کہ باقی مسلمانوں کی نظر میں وہ کمی وزیادتی باطل ہو، کیوں کہ وہ اجماع کے مخالف تو نہیں تھیں، تو اس میں تادیب وتعزیر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، اور نہ ہی شرع کے خلاف تھا، اور عثمان کی اطاعت بھی مطلقاً تو واجب نہیں تھی، بلکہ جہاں پر شرعا واجب ہو، حال آں کہ وہ یہاں پر انصاف کرنے والا ہے بالفرض تادیب

حبیب بنِ ابی ثابتؓ سے روایت ہے کہ جب اس گروہ (ان چھ لوگوں کا گروہ) نے عمر کے بعد خلیفہ چننے کے لیے شوری بنائی اور ایک گھر میں جمع ہوئے تو مقداد بنِ اسودِ کندیؓ آئے اور کہا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ شریک کرلو کیوں کہ میں خدا کو راضی کرنے کے لیے تم لوگوں کو نصیحت کروں گا اور تمھارے لیے خیر کا طلب گار رہوں گا۔ لیکن جب انھوں نے ان کی بات کو تسلیم نہیں کیا تو پھر انھوں نے کہا کہ کم ازکم مجھے اس گھر میں سر نکالنے دو تا کہ تم لوگ کچھ بات مجھ سے سن سکو۔ لیکن انھوں نے یہ بھی تسلیم نہیں کیا۔ پھر انھوں نے کہا کہ اگر آپ لوگ میرا حضور نہیں مان رہے تو پھر میری یہ بات سن لیں کہ کسی ایسے شخص کے ساتھ (عثمان) بیعت نہ کریں جو نہ جنگِ بدر تھا اور نہ ہی بیعتِ رضوان میں تھا اور جنگِ احد کہ جس دن مشرکین اور مسلمین آمنے سامنے تھے بھاگ گیا تھا۔

(امالی شیخ مفید ۱۲۵/۷)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ تَأَثَّمَ أَنْ يَلْعَنَ مَنْ لَعَنَهُ اهللُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ الله

جو بھی خدا کے لعنت کردہ شخص پر لعنت کرنے کو گناہ سمجھے اس پر خدا کی لعنت

(رجال الکشی، حدیث ۱۰۱۲)

Presented by Ziaraat.Com

جائز بھی ہوئی تو اس میں پسلیاں توڑنا اور زدوکوب کرنا اور جان سے مارنا کہاں سے جائز ہوگیا کیوں کہ تادیب کی حد معین ہے، وہ جان سے مارنے تک قطعاً جائز نہیں ہے، باقی جو ناصبیوں نے کہا کہ ہم یہ بات نہیں مانتے کہ حضرتِ ابنِ مسعودؓ کی وفات زدوکوب سے ہوئی ہے، تو یہ روش اپنا نا نقل اور اس مضمون کی روایات کی شہرت کے باوجود محض ہٹ دھرمی اور ڈھیٹ پنا ہے، ان کے گمان میں حضرتِ ابنِ مسعودؓ کا یہ گناہ تھا تو پھر اس نسخے (جو مصحف یعنی قرآن مجید) کا کیا گناہ تھا جس کو عثمان نے جلا دیا۔

عثمان کے کفر کے ثبوت کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ اس نے کتاب اللہ کو آگ میں جلانے کا اقدام کیا، کیوں کہ اس طرح کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہی انجام دے سکتا ہے کوئی اور نہیں۔ باقی جو عثمان نے ان کا وظیفہ بند کر دیا تھا تو محدثین نے نقل کیا ہے کہ وہ اس نے ابنِ مسعودؓ سے انتقام کے طور پر روکا تھا، جیسا کہ ناصبی نے کہا کہ عثمان نے اس سے بہترین مقام پر وہ رقم خرچ کرنے کا ارادہ کیا تھا تو بھی کسی کو محروم کر کے بہترین مقام پر خرچ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ بلکہ ہر ایک کو استحقاق کے اعتبار سے دینا چاہیے، حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرتِ ابنِ مسعودؓ اپنے وظیفے سے بے نیاز ہوگئے تھے۔ حال آں کہ روایت ہے کہ جب عثمان نے ان سے ملاقات میں کہا تھا کہ میں تمھارے لیے عطا کرنے کا حکم دوں، تو انھوں نے فرمایا کہ جب مجھے ضرورت تھی تب تم نے نہیں دیا، ابھی میں بے نیاز ہوں تو تم دینے آئے ہو، تو ابنِ مسعودؓ نے وہ جواب کیوں نہیں دیا جو فاسق و فاجر ناصبیوں نے جواب دیا ہے، بلکہ عثمان اس چیز کا حکم کیسے دے سکتا ہے جو شرعاً جائز ہی نہیں ہے؟

حضرتِ عمارؓ کو مارنا تادیب کی خاطر تھا، بہت ہی عجیب و غریب ہے جو ناصبیوں نے اس کی تفسیر کی ہے، جب کہ حضرتِ عمارؓ سے کون سی بے ادبی سرزد ہوئی تھی سوائے اس کے جو منقول ہے کہ حضرتِ عمارؓ نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں کہ سب سے پہلے میری ناک رگڑی جائے گی، جب عثمان نے کہا تھا کہ ہم اپنی ضروریات بیت المال سے پوری کریں گے، اگرچہ

Presented by Ziaraat.Com

اس کی خاطر ہم کو لوگوں کی ناک ہی کیوں نہ رگڑنا پڑے، جس پر مولا علیؑ نے بھی اعتراض کیا تھا۔ اسی طرح حضرتِ عمارؓ کا اعتراضات سے بھرا مکتوب لانا جو جلیل القدر صحابہ کی طرف سے تھا جنھوں نے اس میں عثمان کے خلاف لکھا تھا، عثمان پر لازم تھا کہ وہ مسلمانوں پر اپنے ستم بند کر کے نصیحت کو قبول کرتا، ان کے مال کو اپنے حق میں استعمال کرنے سے گریز کرتا، حضرتِ عمارؓ کی بات سنتا، اور دلی طور پر قبول کرتا، اپنے گناہانِ کبیرہ اور اپنی روش سے باز رہتا۔ سوال یہ ہے کہ عثمان کے راہنما ہونے میں ایسی کون سی بات تھی جس کی وجہ سے اس کے ساتھ حق بات نہ کی جاتی، کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کو تادیب واہانت کی جائے اور اس کو مارا پیٹا جائے؟ کیا عثمان کی کوئی خاص اہمیت تھی جس کی وجہ سے اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا سوئے ادب سمجھا جاتا اور وہ شخص مار پیٹ کا مستحق ہوجاتا، اس کی اہانت کی جاتی؟، حال آں کہ شرعاً مارنے کا جواز اس صورت میں ہے جب کوئی حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرے۔

باقی وہ آداب جو ہندو فارس کے بادشاہوں نے متعارف کروائے ہیں اپنے لیے، ان حدود سے تجاوز کرنے والے کو شرعاً مارنا جائز نہیں جب تک کہ وہ شخص حدودِ الٰہی سے تجاوز نہ کرے، اور مارا اس صورت میں جائے جب کوئی شریعت کا لحاظ نہ کرے، عثمان نے بادشاہوں والا سلوک اپنایا، وہی غرور و تکبر اختیار کیا، تعجب کی بات ہے کہ اگر اس کو مارنے کا جواز شرعی بھی ہوتا تب بھی ان کو پیٹ کے نیچے مارنا جائز نہیں تھا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہوگئے، وہ پیرسن تھے، اسلام میں پیش قدمی کرنے والے تھے، جلیل القدر صحابی تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شدید محبت کرتے تھے، کیا کسی مسلمان کی سزا کسی کافر سے بھی سخت ہوسکتی ہے؟ جو عثمان نے کہا، یہ اپنی جگہ لیکن اس کے باوجود جو انھوں نے اپنی ہی کتابوں میں روایت کیا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرتِ عمارؓ کے متعلق فرمایا کہ عمارؓ آنکھ اور ناک کے درمیان کا گوشت ہے اور فرمایا:

مَا لَهُمْ وَلِعَمَّارٍ يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ۔

ان لوگوں کا عمار سے کیا لینا دینا جن کو عمار جنت کی دعوت دے رہا ہوگا اور وہ اس کو جہنم کی طرف بلا رہے ہوں گے۔

Presented by Ziaraat.Com

نیز فرمایا کہ جس شخص نے عمارؓ سے عداوت رکھی اس شخص کے ساتھ اللہ تعالی نے عداوت رکھی، جس نے عمار سے بغض رکھا اس سے اللہ نے بغض رکھا۔ کوئی عقل وخرد رکھنے والا ذرا دیکھے تو صحیح ان کی کتابوں میں یہ لوگ روایت کیا کر رہے ہیں، اور ہمارے اعتراضات کے جواب میں جواب کیا دے رہے ہیں، کوئی شک نہیں کہ روئے زمین پر ان لوگوں سے بڑا کوئی جاہل نہیں ہوگا۔

باقی جو انھوں نے کہا کہ اس طرح کی کاروائی شیعوں پر ماننا لازم ہے کیوں کہ مولا علیؑ نے جنگوں میں بڑے صحابہ کا قتل کیا ہے۔ تو یہ کسی کافر کا کلام ہے جس کو حق سے کوئی دل چسپی نہیں ہے، مولا علیؑ کی جنگیں جو کہ ناکثین، قاسطین اور مارقین کے خلاف تھیں، جن کی خبر آنحضرتؐ نے دی تھی مولا علیؑ عنقریب ان لوگوں سے جنگیں کریں گے اور فرمایا کہ یا علی! تم تاویلِ قرآن پر جنگ کروگے جس طرح میں نے نزولِ قرآن پر جنگ کی، اور فرمایاؐ کہ یا علیؑ! تمھاری جنگ میری جنگ ہے، جس نے تم سے جنگ کی اس نے مجھ سے جنگ کی، جس کے ساتھ تمھاری جنگ نہیں اس کے ساتھ میری جنگ نہیں۔

ادھر عثمان مسلمانوں کے مال کو استعمال کر رہا ہے اور اس کو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں میں بانٹ رہا ہے، مسلسل بنی امیہ کو نواز رہا ہے، اور اس کی جنگ اعتراض کرنے والے صحابہ کے ساتھ ہے، کیا ان کے پاس ایسی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان سے فرمایا ہو کہ جس نے تم پر اعتراض کیا اس نے مجھے اذیت دی؟ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا علیؑ کے بارے میں فرمایا ہے کہ تمھاری جنگ میری جنگ ہے، پھر کیا کبھی کوئی ایسی روایت ان لوگوں کی نظر سے گزری کہ جس میں مولا علیؑ نے کسی قول وفعل کے ذریعے سے حدود شرعیہ سے تجاوز کیا ہو، حقوق اللہ کو ذرّہ برابر بھی ضائع کیا ہو؟ خواہ حیاتِ مبارکِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یا بعد میں، کیا مولا علیؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں کوئی تغییر وتبدیلی کی اپنی ابتدائی زندگی سے لے کر آخر تک تاکہ ہم شیعوں پر عثمان کی بات ماننا لازم قرار پائے کہ جس طرح مولا علیؑ نے کوئی فعل انجام دیا ہے اسی طرح عثمان نے بھی وہی کام کیا ہے؟ اللہ ان کے چہرے سیاہ کرے، کس

Presented by Ziaraat.Com

قدر اللہ سبحانہ کے خلاف جرائت کرتے ہیں اور کس قدر حق سے دور ہیں۔

اگر حضرتِ ابوذرؓ کو بھی[۱] تادیب کی خاطر مارا ہے تو سب سے بڑی تعجب کی بات ہے کیوں کہ حضرتِ ابوذرؓ سے کوئی ایسا فعل صادر نہیں ہوا سوائے اس کے انھوں نے عثمان کی نافرمانی کی اور اسے منکر سے روکا۔ تو اس کے لیے کیسے جائز ہوا کہ اس نے حضرتِ ابوذرؓ کو شام بھجوادیا پھر وہاں سے بھرپور توہین واہانت کے ساتھ واپس بلوایا، کیا لوگوں کے سامنے اعتراض کرنا شرعاً اس سزا کا موجب قرار پاتا ہے؟ حضرتِ ابوذرؓ کو شام بھیجنا کسی سے پوشیدہ نہیں تھا، لیکن اہلِ عناد جو حقیقی دشمن ہیں وہ اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ کفر کو ترک نہیں کرسکتے۔

روایت ہے کہ عثمان نے ایک روز کہا کہ کیا امام کے لیے جائز ہے کہ وہ بیت المال سے مال لے اور جب ادا کرسکتا ہو تو ادا کردے؟ کعب الاحبار نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، تو ابوذرؓ نے فرمایا کہ اے یہودی کی اولاد! کیا اب تم ہمارا دین ہم لوگوں کو سکھاؤ گے؟ تو عثمان نے کہا کہ بس بہت ہوگیا تم مجھے اور میرے دوستوں کو پریشان کرتے ہو، نکل جاؤ یہاں سے اور پھر شام بھیج دیا۔

حضرتِ ابوذرؓ معاویہ کے کردار پر بھی اعتراضات کیا کرتے تھے، تو معاویہ نے تین سو دینار ان کے پاس بھجوائے تو انھوں نے لینے سے انکار کردیا۔

حضرتِ ابوذرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم جس طرح کی بدعات ہیں (دین کے نام پر) میں ان کو نہیں جانتا۔ اللہ کی قسم! یہ کام کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ میں موجود نہیں ہیں، اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ حق خاموش ہورہا ہے اور باطل زندہ ہورہا ہے، سچ بولنے والے کو جھٹلایا جارہا ہے نالائق لوگ اقتدار کے مالک بن گئے، لائق لوگوں سے ان کا حق چھین لیا گیا ہے۔ حبیب بن مسلمہ قہری لع نے معاویہ سے کہا کہ ابوذر شام میں تمھاری ساکھ کو خراب کردے گا، اگر یہ لوگ تمھارے کام کے ہیں تو تمھیں اپنا بندوبست کرنا چاہیے۔ معاویہ نے عثمان کو خط لکھا۔ عثمان نے جوابی خط میں لکھا کہ،

---

[۱] ۔شرحِ نہج البلاغہ، ابنِ حدید، ج ۳، ۵۲؛ الغدیر، امینی، ج ۸، ۲۹۵۔

Presented by Ziaraat.Com

جندب (حضرتِ ابوذرؓ کا اسلام سے پہلے کا نام) کو میرے پاس سرکش اونٹ پر بٹھا کر اور شب و روز مستقل سفر کروا کر میرے پاس بھیجو۔ معاویہ نے ان کو بغیر کجاوے کے اونٹ پر سوار کیا یہاں تک کہ وہ مدینے پہنچ گئے اور ان کے رانوں کا گوشت گر گیا تھا، عثمان کے پاس لائے گئے تو عثمان نے کہا کہ کہاں جانا چاہتے ہو؟ ابوذرؓ نے کہا کہ شام کی طرف کفار سے جہاد کے لیے چلا جاؤں، عثمان نے کہا کہ نہیں۔ ابوذرؓ نے کہا کہ عراق چلا جاؤں، عثمان نے کہا کہ نہیں۔ ابوذرؓ نے کہا کہ مصر چلا جاؤں؟ عثمان نے کہا کہ نہیں، ابوذرؓ نے کہا کہ پھر کہاں جاؤں؟ عثمان نے کہا کہ ربذہ! اور پھر حضرتِ ابوذرؓ اپنی وفات تک وہیں رہے۔

واقدی نے روایت کیا ہے کہ جب حضرتِ ابوذرؓ عثمان کے پاس پہنچے تو عثمان نے کہا کہ اے جندب! اللہ تعالیٰ تمھاری زندگی کو گوارا نہ کرے۔ تو حضرتِ ابوذرؓ نے فرمایا کہ میں جندب تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام عبداللہ رکھا تھا، تم وہ نام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے رکھا تھا اس کو چھوڑ کر میرے پرانے نام سے مجھے بلا رہے ہو؟ تم سمجھتے ہو کہ ہم کہتے ہیں کہ:

يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ۔

خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔[1]

نیز یہ کہتے ہیں کہ:

إِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ۔

خدا فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔؟[2]

حضرتِ ابوذرؓ نے فرمایا کہ اگر تمھارا یہ گمان نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے مال کو لوگوں میں بانٹ دو، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا کہ اگر آلِ ابی عاص کے افراد تیس (۳۰) تک پہنچ جائیں گے تو مالِ خدا اپنا حصہ اور بندگانِ خدا کو

۱۔ سورۂ مائدہ: ۶۴

۲۔ سورۂ آلِ عمران: ۱۸۱

Presented by Ziaraat.Com

اپنی ملکیت کہیں گے، اور دینِ خدا سے دغا بازی کریں گے، پس عثمان نے موجود لوگوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگوں میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے؟ مولا علیؑ اور دیگر حاضرین نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نیلے آسمان کے نیچے اور روئے زمین کے اوپر حضرتِ ابوذرؓ سے زیادہ سچا کوئی نہیں پیدا ہوگا[1]۔ پس عثمان نے اس کو ربذہ کی طرف بھیج دیا۔

واقدی نے روایت کیا ہے کہ ابوالاسود دوئلی نے کہا کہ میں حضرتِ ابوذرؓ سے ملنا چاہتا تھا تاکہ میں ان سے پوچھ سکوں کہ ان کو کیوں نکالا گیا؟، پس میں ربذہ گیا، میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ آپ مدینے سے خود نکلے ہیں یا آپ کو نکالا گیا ہے، تو انھوں نے کہا کہ میں مسلمانوں کے سرحدی علاقے میں تھا، ان لوگوں سے بے نیاز، پس مجھے مدینے سے نکالا گیا، میں نے کہا کہ میں یہاں پر اپنی ہجرت کی جگہ اور اپنے دوستوں کے پاس ہوں، لیکن وہاں سے بھی مجھے دور کر دیا، یہاں (ربذہ) پر جسے تم دیکھ رہے ہو، پھر فرمایا کہ ایک رات میں مسجد میں سو رہا تھا پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور مجھے اپنے مبارک پاؤں سے ہلایا اور مجھ سے فرمایا کہ میں تمھیں مسجد میں سوتا ہوا نہیں دیکھ رہا، میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان میری آنکھ لگ گئی تھی اور نیند آ گئی، آپؐ نے فرمایا کہ تم اس وقت کیا کرو گے جب تم کو مسجد سے نکال دیں گے، تو میں نے کہا کہ میں شام چلا جاؤں گا، وہاں مقدس زمین ہے، قبۂ اسلام اور سرزمینِ جہاد ہے، تو آپؐ نے فرمایا کہ جب تمھیں وہاں سے نکال دیں گے تو کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ میں واپس مسجدِ نبوی میں آجاؤں گا، تو آپؐ نے فرمایا کہ تب کیا کرو گے جب تمھیں یہاں سے بھی نکال دیں گے، تو میں نے کہا کہ میں اپنی تلوار نکالوں گا اور اس سے لڑوں گا، تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں اس سے بہتر کی طرف راہنمائی نہ کروں کہ تم ان کے ساتھ ہو جانا، جہاں بھی تمھیں لے کر جائیں، سننا اور اطاعت کرنا، پس میں نے سنا اور

---

[1] سنن، ترمذی، حدیث ۳۸۲۷؛ شرح نہج البلاغہ، ابن حدید، ج ۸، ۲۵۳-۲۵۹؛ مستدرک، حاکم، ج ۳، ۳۴۴۔

Presented by Ziaraat.Com

اطاعت کی، اللہ کی قسم عثمان جب رب سے ملاقات کرے گا تو میرا گناہ گار ہوگا۔[۱]

یہ روایات دلالت کررہی ہیں کہ وہ خود نہیں گئے تھے بلکہ عثمان نے ان کو نکالا تھا۔

ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ہم مذکورہ روایات کو ایک طرف کرلیں تو بھی فعلِ عثمان کے حرام ہونے پر ہم یہ استدلال پیش کرسکتے ہیں کہ حضرتِ ابوذرؓ کے حق میں جو عثمان نے ارتکاب کیا ہے، اس میں حضرتِ ابوذرؓ نے جو کچھ عثمان کے بارے میں کہا کہ اس نے عثمان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا، کیوں کہ وہ جھوٹا نہیں تھا، کیوں کہ آنحضرتؐ نے حضرتِ ابوذرؓ کے صداقت کی گواہی دی تھی، ان کا جھوٹا ہونا محال ہے، کیوں کہ جب عثمان نے موجود لوگوں سے استفسار کیا جس کو حضرتِ ابوذرؓ نے روایت کیا تھا تو انھوں نے بھی آنحضرتؐ کی حدیث پیش کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے صادق ہونے کی گواہی دی ہے، تو اس لحاظ سے مستحقِ تعزیز و زدوکوب عثمان تھا نہ کہ حضرتِ ابوذرؓ تھے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث "نیلے آسمان کے نیچے اور روئے زمین کے اوپر حضرتِ ابوذرؓ سے زیادہ سچا کوئی نہیں پیدا ہوگا" سے مراد مبالغہ ہے کیوں کہ بصورتِ دیگر لازم آئے گا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بڑھ کر صادق و امین ہیں، کیوں کہ ہمارے پاس اس کا بھی جواب ہے وہ یہ کہ حدیث سے مجازی معنا لینا جائز نہیں ہے جب تک کہ کوئی قرینہ موجود نہ ہو جو اس کے حقیقی معنا سے دور لے جائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عصمت کی وجہ سے اس دائرے سے پہلے سے ہی الگ ہیں اور یہاں پر تخصیصِ منفصل ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔

اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔[۲]

اگر عثمان کے اس فعل کے علاوہ کوئی اور کارنامہ نہ بھی ہوتا تب بھی اس کے کفر اور مستحقِ لعنت

۱۔ شرحِ نہج البلاغہ، ابنِ حدید، ج ۸، ۲۶۰۔

۲۔ سورۂ انفال: ۴۱

Presented by Ziaraat.Com

ہونے کے لیے کافی تھا۔ وہ یہ کہ اگر عثمان کافر نہ ہوتا تو ممکن نہیں تھا کہ صحابہ اس کو قتل کرنے پر متفق ہوتے[۱]، ایک جماعت ان میں سے قاتل تھی، اور دوسری جماعت نے اس کا دفاع نہیں کیا، عائشہ ان لوگوں میں تھیں جو چاہتے تھے کہ عثمان قتل ہو[۲]، اس سے روایت ہے کہ اس نے کہا:

اُقْتُلُوا نَعْثَلاً قَتَلَ اللّٰہُ نَعْثَلاً۔

قتل کرو نعثل کو، اللہ نعثل کو قتل کرے۔

اور کہا کہ عثمان نے سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبدیل کیا ہے۔

کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کسی فعلِ قبیح کو دیکھیں اور اس پر اعتراض نہ کریں، حال آں کہ ان میں اہلِ بیتؑ، حضرتِ علیؑ اور آپؑ کے بیٹے بھی شامل ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ امت گم راہی پر جمع ہو جائے؟ اگر کہا جائے کہ حضرتِ علیؑ نے اس کو مدد کرنے کی پیش کش کی مگر اس نے قبول نہیں کی۔

تو ہم کہیں گے کہ (اگر قتلِ عثمان اسلام کے لیے ضرر و نقصان کا باعث ہوتا تو) واجب تھا کہ مولا علیؑ دفعِ ضرر کے لیے اس کی مدد کرتے خواہ وہ قبول کرتا یا نہیں۔ اگر مولا علیؑ نے مدد نہیں کی تو اس کا مطلب تھا کہ مولا علیؑ اس کے کفر کے معتقد تھے اور اس کے قتل ہونے کے استحقاق کے قائل تھے، اگر قتلِ عثمان میں مصلحت نہ ہوتی، اس فرض کے ساتھ کہ امیر المومنینؑ کے لیے حمایت کرنا ممکن نہیں تھا کیوں کہ مولا علیؑ کے پاس وسائل موجود نہیں تھے، تو ضروری تھا کہ کم سے کم زبانی طور پر فرماتے، کم سے کم اپنے قریبی اصحاب کو اس کے قتل سے منع فرماتے جیسا کہ حضرتِ عمارؓ وغیرہ ان کو بتاتے کہ یہ عمل اسلام کے لیے ضرر رساں ہے اور اس کا ارتکاب جائز نہیں ہے۔ مولا علیؑ نے محمد بنِ ابی بکرؓ اور مالکِ اشترؓ کے قتل ہونے پر کس طرح اپنے دکھ کا اظہار فرمایا، حضرتِ مالک اشترؓ کی شہادت پر فرمایا تھا کہ اللہ رحمت فرمائے مالکِ اشتر پر وہ میرے لیے اس طرح تھے جس طرح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھا، حضرتِ محمد بنِ ابی بکرؓ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ محمد بن ابی بکرؓ پر رحمت

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ابنِ حدید، ج ۳، ۶۲۔

۲۔ تاریخ طبری، ج ۴، ۴۷۷؛ تاریخ، ابن اعثم، ج ۱، ۱۵۵؛ ابنِ اثیر، ج ۳، ۸۷؛ ابنِ حدید، ج ۲، ۷۷۔

Presented by Ziaraat.Com

کرے، وہ میرے لیے ایک بیٹے کی طرح تھا اور میرے ایک مہربان دوست کی طرح تھا۔

آیا جائز ہے کہ ایک فاسق اور نفسِ محترمہ کے قاتل کو مولا علیؑ حکومت دیتے، بلکہ اس سے دوستی کر کے اس کے گناہوں سے چشم پوشی کرتے اگر اس سوال کا جواب "نہیں" میں ہے تو پھر جو ہم نے بیان کیا ہے وہ صحیح تھا[۱]، چنانچہ (اصحاب نے عثمان کو صحیح طرح سے سمجھ لیا تھا اور اس کو کافر سمجھتے تھے اور اس کا بدن) تین دن تک بغیر غسل و دفن کے پڑا رہا[۲]، تو (اگر وہ مسلمان تھا) کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ مسلمان سب مل کر اس طرح کے فعل کا ارتکاب کرتے؟ جس طرح کہ اصحاب میں سے حضرتِ عمارؓ، حذیفہؓ، زید بنِ ارقم نے اس کے کفر کی گواہی دی، الحمدللہ (عثمان کا واجب القتل ہونا اور اس کا کافر ہونا) بیان کا محتاج نہیں ہے۔

جب بات یہاں تک پہنچ گئی ہے تو عثمان کے دیگر کارنامے جن کو ہم نے ذکر نہیں کیا ہے کیوں کہ بہت زیادہ ہیں، اگر اللہ سبحانہ نے زندگی دی تو اس کے بارے میں الگ ایک کتاب کی ضرورت ہے جسے ہم ضرور تصنیف کریں گے ان شاء اللہ۔

۱۔ کیوں کہ امام نے محمد بنِ ابی بکرؓ اور مالکِ اشترؓ کو حکومت دی تھی۔

۲۔ طبقاتِ واقدی، ج ۳، ۵۵؛ طبری، ج ۵، ۱۴۳؛ روضۃ الاحباب، ج ۲، ۲۱۴؛ وفاء الوفا، ج ۲، ۹۹؛ الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ۶۲۔

Presented by Ziaraat.Com

چھٹی فصل

(تبرّا مصادرِ اہلِ سنّت میں)

Presented by Ziaraat.Com

یہ فصل ان روایات کے بارے میں ہے جن کو اہلِ سنّت نے روایت کیا ہے جن میں صریحاً یا اشارتاً لعنت کی گئی ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ حضرتِ اسامہؓ کے لشکر کی تیاری میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس مرض میں مبتلا تھے جس سے آپؐ کی وفات ہوگئی تھی، آپؐ نے فرمایا کہ "لشکرِ اسامہ کو تیار کرو"، اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ لعنت کرے اس شخص پر جس نے جیشِ اسامہ میں شرکت کرنے سے گریز کیا"۔ حال آں کہ ابوبکر وعمر دونوں ہی نے شرکت کرنے سے گریز کیا تھا تو دونوں ہی بقولِ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ملعون ٹھہرے۔ اس بحث کی تحقیق اوپر گزر چکی ہے۔

صاحبِ **کشف الغمۃ** علی بنِ عیسی اربلیؒ نے ابومحمد فحام۔ الخ۔ کی احادیث کے سیاق میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مولا علیؑ سے فرمایا کہ "اس قوم کے سینوں میں پوشیدہ اس بغض و کینے سے ڈرو جسے وہ میرے بعد ظاہر کریں گے۔ وہ ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے، اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں" بعدازآں آپؐ نے گریہ فرمایا، لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپؐ کیوں گریہ کررہے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ "حضرتِ جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ لوگ علیؑ پر ظلم کریں گے، ان کو ان کا حق نہیں دیں گے، اور ان سے جنگ کریں گے، ان کے بیٹے کو قتل کریں گے اور ان کے بعد ان پر ظلم کریں گے۔

میں کہتا ہوں کہ کوئی شک نہیں، مولا علیؑ کا حق ابوبکر وعمر اور عثمان کے زمانے میں نہیں دیا گیا کیوں کہ آپؑ کو اپنی ہر چیز سے دور رکھا گیا، بعد میں معاویہ نے آپؑ سے جنگ کی، اور اس کے بعد آپؑ کے بیٹوں کو شہید کردیا گیا۔

حافظ ابوبکر محمد بن موسابنِ مردویہ اہلِ سنّت کے علما میں سے ہیں، اپنی کتاب **المناقب** میں حضرتِ ابنِ عباسؓ کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مولا علیؑ کسی باغ میں گئے، میں نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! یہ کتنا ہی خوبصورت باغ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ "تمھارا باغ جنت میں اس سے زیادہ اچھا ہے" پھر ہم کسی اور باغ کے پاس

Presented by Ziaraat.Com

سے گزرے، پھر مولا علیؑ نے فرمایا کہ یارسول اللہؐ یہ باغ کتنا ہی خوبصورت ہے، جب ہم سات باغوں سے گزرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا علیؑ سے فرمایا کہ "تمھارے باغات جنت میں ان سے زیادہ خوبصورت ہیں" پھر آپؐ نے اپنے سر اور داڑھی مبارک پر ہاتھ مارا اور گریہ فرمایا یہاں تک کہ آپؐ کے گریے کی آواز بلند ہوگئی، تو مولا علیؑ نے فرمایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کیوں گریہ کر رہے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ "ان لوگوں کے سینوں میں تمھارے لیے بغض و کینہ ہے، جو وہ ابھی ظاہر نہیں کر رہے مگر میرے جانے کے بعد وہ ظاہر کریں گے"۔

ابنِ مغازلی شافعی نے **المناقب** میں اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا علیؑ سے فرمایا کہ میرے بعد امّت تم سے بے وفائی کرے گی۔

صاحبؒ **کشف الغمۃ** نے کتاب **المناقب** کے مصنف، خطیبِ خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ اس نے اپنی اسناد عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے، وہ کہتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، آپؐ نے گہری اور اندوہ ناک سانس لیں، میں نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو کیا ہوا؟ فرمایا کہ "مجھے میری وفات کی خبر دی گئی ہے"۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنا جانشین مقرر فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کس کو بناؤں؟ میں نے کہا کہ ابوبکر کو بنائیں۔ آپؐ خاموش ہوگئے۔ پھر اسی طرح کی سانس لی، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہوا؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے میری وفات کی خبر دی گئی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنا جانشین مقرر فرمائیں۔ فرمایا کہ کس کو؟ میں نے کہا کہ عمر کو۔ آپؐ پھر خاموش ہوگئے۔ پھر اسی طرح کی سانس لی، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہوا؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے میری وفات کی خبر دی گئی۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنا جانشین مقرر فرمائیں۔ فرمایا کہ کس کو؟ میں نے عرض کیا کہ علی ابنِ ابی طالبؑ کو۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ آہ! وہ اس کو ہرگز نہیں ہونے دیں گے، اللہ کی قسم اگر تم لوگ یہ کام کرو گے تو حضرتِ علیؑ تم لوگوں کو جنت میں داخل کرادیں گے۔

یہ روایت دلالت کر رہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کے والی و حاکم ہونے کو پسند

Presented by Ziaraat.Com

نہیں فرماتے تھے، اور اس میں حث و تشویق ہے اس بات کی طرف کہ امرِ حکومت مولا علیؑ کو دی جائے، پس اگر وہ شخص اس امر کو حاصل کرے جس کے لیے آپؐ پسند نہیں فرماتے تھے تو یقیناً وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہے۔

حافظ محمد بنِ موسی شیرازی نے اپنی کتاب جس کا ماخذ اس نے بارہ تفاسیر کو قرار دیا ہے، وہ تفاسیر درجِ ذیل ہیں:

- تفسیرِ ابو یوسف یعقوب بنِ سفیان۔
- تفسیرِ ابنِ جریح
- مقاتل بنُ سلیمان
- وَکیع بنُ جرّاح
- یوسف بنُ موسی قَطّان
- یوسف بنُ موسی قَطّان
- قَتادہ
- ابی عبیدہ قاسم بنِ سلام
- علی بن حرب طائی
- سُدّی
- مُجاھد
- مقاتب بن حَیّان
- ابی صالح

یہ سب اہلِ سنّت سے تعلق رکھتے ہیں، انھوں نے انس بنِ مالک سے روایت کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محضر میں بیٹھے ہوئے تھے، پس ہم نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو نماز پڑھتا تھا، روزے رکھتا تھا، صدقہ و زکات دیتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

Presented by Ziaraat.Com

فرمایا کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا، ہم اسی شخص کا ذکر ہی کر رہے تھے کہ وہ سامنے سے آ گیا، ہم نے کہا کہ یہ ہی وہ شخص ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نظر دیکھا اور ابوبکر کو حکم دیا میری تلوار لو، اور اس کے پیچھے جاؤ اور اس کو قتل کر دو کیوں کہ یہ شیطان کے گروہ میں سے پہلا شخص ہے، پس ابوبکر مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ رکوع میں ہے، تو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں اس شخص کو قتل نہیں کروں گا کیوں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازیوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر سے کہا کہ بیٹھ جاؤ! تم اِس کام کے اہل نہیں ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر کو حکم دیا اے عمر! اٹھو اور میری تلوار ابوبکر کے ہاتھ سے لو، مسجد میں جا کر اس شخص کو قتل کر دو، عمر کہتا ہے میں نے تلوار ابوبکر کے ہاتھ سے لی، مسجد میں گیا میں نے اس آدمی کو سجدہ کی حالت میں پایا، تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں اس شخص کو قتل نہیں کروں گا، حال آں کہ اس شخص نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت طلب کی تھی جو مجھ سے افضل تھا، میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے اسے سجدہ کرتے ہوئے پایا، تو آپؐ نے فرمایا کہ اے عمر! بیٹھ جاؤ، تم بھی اس کام کے اہل نہیں ہو، اے علیؑ! آپ اٹھیں، آپ اس کے قاتل ہیں، جب اس کو دیکھیں تو قتل کر دینا، میری امت میں کبھی اختلاف نہیں ہوگا، امام علیؑ نے فرمایا کہ میں نے تلوار لی، اور مسجد میں داخل ہوا، میں نے اسے نہیں دیکھا، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آ گیا، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے اسے نہیں دیکھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اے ابوالحسنؑ! حضرتِ عیسیٰؑ کی امت ۷۲ فرقوں میں بٹ گئی اور ان میں سے ایک فرقہ راہِ حق پر ہے اور نجات پانے والا ہے، میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں سے ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا اور باقی جہنم میں جائیں گے" میں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ناجیہ (نجات پانے والا) فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا کہ جو تمھارے ساتھ تمسّک کریں گا اور تمھارے اصحاب کی راہ پر چلے گا تو اللہ سبحانہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

Presented by Ziaraat.Com

ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ۔

وہ غرور سے منہ پھرائے ہوئے ہیں تا کہ دوسرے لوگوں کو بھی راہِ خدا سے گم راہ کر سکیں تو ایسے اشخاص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ہم انھیں جہنّم کا مزہ چکھائیں گے۔[۱]

کہتا ہے کہ یہ پہلی بار ہوا کہ بدعتیں اور گم راہیاں ظاہر ہوئیں۔

حضرتِ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو صرف امیر المومنین نے قتل کیا، پھر کہا:

لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ۔

تو ایسے اشخاص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔

یہ آیت اس کے قتل ہونے کے بارے میں ہے اور پھر مندرجہ آیت کی تلاوت کی:

وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ۔

اور آخرت میں ہم انھیں جہنّم کا مزہ چکھائیں گے۔[۲]

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امیر المومنینؑ نے ان کے ساتھ جنگِ صفین میں قتال فرمایا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث واضح دلالت کر رہی ہے کہ ابوبکر وعمر دونوں ہی نہ نبوتِ نبی کے معتقد تھے اور نہ ہی عصمتِ نبوی کے، حال آں کہ آپؐ نطق اپنی خواہش سے نہیں فرماتے تھے، مگر یہ کہ وحی بھیجی جاتی تھے۔

کرنے کا حکم دیا ہے وہ اس کے بارے میں اس طرح سوچ بھی کیسے سکتا تھا۔ آنحضرتؐ نے عمر کو حکم دیا (اگرچہ وہ نماز میں ہی کیوں نہ ہو) اس کی گردن اڑا دو، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو ایک طرف کر دیا۔ اور ابوبکر کی رائے پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ میں بھی ان

۱۔ سورۂ حج: ۹

۲۔ سورۂ حج: ۹

Presented by Ziaraat.Com

سے اجازت لے لوں جن سے اس نے اجازت لے لی جو مجھ سے بہتر ہے (ابوبکر نے جس طرح قتل کرنے سے معذرت کی)

جب ان دونوں کافروں کا حال آنحضرتؐ کے سامنے اور آپؐ کی موجودگی میں بھی یہ ہی ہے تو آپؐ کی وفات کے بعد یہ کیا کر سکتے ہیں؟

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ "ناجی فرقہ وہی ہے جو علیؑ سے تمسک کرے گا" اس قول سے لازم آتا ہے کہ ابوبکر وعمر اور عثمان یا تو امام علیؑ کے اصحاب، اتباع کرنے والے اور رعیت امامِ علیؑ میں سے ہیں، لیکن جیسا کہ گزرا کہ انھوں نے امامِ علیؑ پر ظلم و جبر کیا، یا وہ اہلِ جہنم والے فرقوں میں سے ہیں۔

اگر کوئی سوال کرے کہ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر وعمر کو حکم ہی کیوں دیا تھا؟

ہم کہیں گے کہ یہ واضح ہے، کیوں کہ آنحضرتؐ ان دونوں کی حقیقتِ حال سے واقف تھے کہ وہ دونوں خلیفہ بننے کی خواہش رکھتے ہیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بعض احکام دیے تا کہ لوگ دیکھ سکیں کہ وہ دونوں کس طرح اطاعت کرتے ہیں، پھر امامِ علیؑ کو حکم دیا تا کہ تنبیہ کر سکیں کہ مولا علیؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل اطاعت کرتے ہیں، اور ان دونوں پر اتمامِ حجت کی تاکید کرنے اور جو ان دونوں کے پیروکار ہیں، کہ اگر امت میں اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "امّتِ موسیٰؑ کے ۷۱ فرقے ہوئے۔ الخ۔" یہاں تک کہ فرمایا کہ "میری امت میں سے نجات یافتہ فرقہ وہ ہوگا جو راہِ علیؑ اور اصحابِ علیؑ کی پیروی کرتا ہو"۔

اس طرح کی ایک روایت ہمارے علما نے روایت کی ہے کہ ایک عرب کے باشندے نے آنحضرتؐ کے ساتھ کوئی دعوا کیا، ابوبکر نے فیصلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گواہ طلب کیا، حضور غضب ناک ہوئے، اور پھر عمر آیا اور عمر نے بھی ابوبکر کی طرح فیصلہ کیا، آپؐ غضب ناک ہوئے، پھر امامِ علیؑ کے پاس آئے اور امامِ علیؑ نے عرب کے باشندے کی گردن اڑا دی، تو آنحضرتؐ نے پوچھا کہ "تم نے اس کو قتل کیوں کر دیا؟" تو فرمایا کہ اس نے آپؐ کو جھٹلایا، تو اب

Presented by Ziaraat.Com

وہ موت کا مستحق تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنینؑ کی لیے دعا فرمائی اور فرمایا کہ:

اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ علیہ السلام۔

تم لوگوں میں سب سے بڑا قاضی (فیصلہ کرنے والا) علیؑ ہے۔

اہلِ سنّت نے حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جنگِ بدر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خیمے میں دعا فرما رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَنْشُدُکَ عَھْدَکَ وَوَعْدَکَ اَللّٰھُمَّ اِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ بَعْدَ الْیَوْمِ۔

اے میرے اللہ! میں تجھ سے تمھارے عہد و پیمان کا واسطہ دے کر درخواست کر رہا ہوں، اے میرے اللہ! اگر تو نے چاہا تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔

پس ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس بہت ہوگیا، آپؐ کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر حجت تمام ہوگئی، اور کہا کہ:

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

عنقریب یہ جماعت شکست کھا جائے گی اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔[1]

یہ روایت صاحبِ مشکاۃ نے بخاری سے روایت کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس واقعے سے یہ سمجھ آتا ہے کہ ابوبکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راہنما اور لغزشوں سے بچانے والے ہیں!۔

الجمع بین الصحیحین میں ابوہریرہ سے روایت نقل ہوئی ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جوتے ابوہریرہ کو دے کر فرمایا کہ جاؤ دیوار کی اس طرف تمھیں جو شخص نظر آئے جو یہ گواہی دے رہا ہو کہ اللہ ایک ہے اور دل سے ایمان بھی رکھتا ہو تو اس کو جنت کی بشارت سناؤ۔ پس اس کی ملاقات عمر سے ہوگئی، عمر نے اس کے سینے پر اس قدر زور سے مارا کہ وہ زمین پر گر گیا، اور اس کو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس لے کر آئے، ابوہریرہ نے

۱۔ سورۂ قمر: ۴۵

Presented by Ziaraat.Com

روتے ہوئے عمر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو عمر نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے ابو ہریرہ کو اس کام سے بھیجا تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جی بھیجا تھا۔ عمر نے کہا کہ آپؐ یہ کام نہ کریں، لوگوں کو نیک کام کرنے دیں، (اس طرح کی بشارتیں نہ دیا کریں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو چھوڑ دیں (تا کہ وہ نیک کا کرتے رہا کریں)۔

اس حدیث میں عجائب ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض، اور آپؐ کی بات کی تردید، ابو ہریرہ کی پٹائی، اور آنحضرتؐ کی راہنمائی کرنا کہ لوگوں کی راہنمائی کس طرح کی جائے، نعوذ باللہ کوئی مسلمان اپنی زبان سے اس طرح کی بات کہہ بھی نہیں سکتا۔

ابنِ عباسؓ، جابر، سہل بنِ حنیف، ابی وائل نے روایت کی ہے، قاضی عبد الجبار، ابی علی الجبائی، ابی مسلم اصفہانی، ثعلبی، طبری، واقدی، ترمذی، بخاری، اور حمیدی نے الجمع بین الصحیحین میں حدیثِ صلح کے عنوان سے نقل کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سہیل بنِ عمرو کے مابین طے پائی تھی، اس کے بعد عمر نے کہا کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور کیا کفّار باطل پر نہیں ہیں؟ کیا ہمارے مقتولین جنت میں نہیں جائیں گے اور کیا ان کے مقتولین دوزخ میں نہیں جائیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں نہیں! عمر نے کہا کہ پھر ہم اپنے دین کے بارے میں ذلّت کا مظاہرہ کیوں کریں اور کیوں واپس جائیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابنِ خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا، اور وہ میرا مددگار ہے۔ عمر نے کہا کہ کیا آپؐ نے نہیں کہا تھا کہ ہم لوگ بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے واپس آ گیا اور اس کو غصہ آ رہا تھا، صبر نہیں آیا اور ابوبکر کے پاس آیا اور کہا، اے ابوبکر! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ ابوبکر نے بھی وہی جواب دیا کہ اے ابنِ خطاب! وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گے اور وہی ان کا مددگار ہے، تم ان کے عذر کے ساتھ تمسّک کرو، اللہ کی قسم وہ حق پر ہیں، میں نے کہا

Presented by Ziaraat.Com

کہ کیا وہ نہیں کہتے تھے کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے، ابوبکر نے کہا کہ کیا انھوں نے اس سال کے بارے میں کہا تھا؟ میں نے کہا کہ نہیں، ابوبکر نے کہا کہ پس وہ سال آئے گا جس میں تم بیت اللہ کا طواف کرو گے۔

ثعلبی نے اپنی تفسیر میں سورۂ فتح وغیرہ کی تفسیر میں راویوں کے حوالے سے اضافی جملہ نقل کیا ہے کہ عمر نے کہا کہ میں جب سے اسلام لے کر آیا تھا تب سے اس قدر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں شک نہیں کیا تھا۔

میں نے کہا کہ اگر کوئی شخص اس روایت میں غور کرے، جو عمر نے آنحضرتؐ پر اعتراض کیا ہے اور ایک ہی بات دہرائی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبوت کا معتقد ہی نہیں تھا بلکہ جیسا کہ وہ نبوت کے معانی ہی نہیں جانتا تھا، اس کی نظر میں نبی کا احترام وتوقیر ہی نہیں تھی، آپ سوچیں کہ آنحضرتؐ کے سامنے کہاں عمر کا قول وفعل اور کہاں اللہ سبحانہ کا ارشاد:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ، إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ، إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾۔

ایمان والو! خبردار! خدا اور رسولؐ کے سامنے اپنی بات کو آگے نہ بڑھاؤ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ ہر بات کا سننے والا اور جاننے والا ہے، ایمان والو! خبردار! اپنی آواز کو نبیؐ کی آواز پر بلند نہ کرنا اور ان سے اس طرح بلند آواز میں بات بھی نہ کرنا جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمھیں اس کا شعور بھی نہ ہو، بے شک جو لوگ رسول اللہؐ کے سامنے اپنی آواز کو دھیما رکھتے ہیں یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے تقوے کے لیے آزما لیا ہے اور ان ہی کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے،

Presented by Ziaraat.Com

بے شک جو لوگ آپؐ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان کی اکثریت کچھ نہیں سمجھتی ہے۔[١]

اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں عمر کا یہ قول کہ "میں نے اس قدر پہلے کبھی شک نہیں کیا تھا" سب سے عجیب بات ہے۔

کون سی ایسی چیز تھی جو موجبِ شک واقع ہوئی تھی، اگر عمر اسلام کے متعلق صاحبِ بصیرت تھے، اور نبوت کے بارے میں تھوڑی سی بھی معرفت ہوتی۔

اس طرح کی دوسری روایت ہے کہ جو الجمع بین الصحیحین میں مسند عائشہ سے متفق علیہ طور پر روایت ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ عشا میں تاخیر کی، یہاں پر عمر آیا اور بلند آواز میں آ کر "الصلوٰۃ" کہا، حال آں کہ خواتین و بچے سوئے ہوئے تھے، آنحضرتؐ باہر آئے اور فرمایا کہ تم لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کے بارے میں اذیت دو، یہ وہ وقت تھا جب عمر نے چلانا شروع کیا، حال آں کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔

اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرنا اور ان سے اس طرح بلند آواز میں بات بھی نہ کرنا جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمھیں اس کا شعور بھی نہ ہو۔[٢]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے والے عمر کے اتنے اقوال و افعال ہیں کہ اگر کوئی عاقل ان سب کو جمع کرے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔[٣]

مسلم نے اپنی صحیح میں اور حمیدی نے اپنی مسند میں ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرتؐ حالتِ احتضار میں تھے، آپؐ کے گھر میں چند لوگ تھے جن میں عمر بھی تھا، جب نبی

١۔ سورۂ حجرات: ١۔٤

٢۔ سورۂ حجرات: ٢

٣۔ مزید تفصیلات کے لیے شرف الدین کی کتاب "النص والاجتہاد" کی طرف رجوع کریں۔

Presented by Ziaraat.Com

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کاغذ و قلم لا کر دو کہ میں تم لوگوں کو وہ چیز لکھ کر دوں گا جس کے بعد تم لوگ کبھی گم راہ نہیں ہو گے، تو عمر نے کہا کہ آنحضرتؐ پر درد غالب آ گیا ہے اور وہ ہذیان کہہ رہے ہیں (**نعوذ باللہ من ذلك**)۔

حمیدی کہتا ہے کہ موجود لوگوں میں اختلاف ہو گیا بعض نے کہا کہ قول وہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بعض نے کہا کہ قول وہی ہے جو عمر نے کہا، جب فضولیات و اختلاف حد سے بڑھ گئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے ہاں سے چلے جاؤ، میرے پاس ہوتے ہوئے جھگڑنا مناسب نہیں ہے۔

حضرتِ ابنِ عباسؓ جب اس حدیث کو روایت کرتے تھے تو رویا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے آنسو بہنا شروع ہو جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ جمعرات کا دن، کیا تھا جمعرات کا دن!!!۔

نیز فرمایا کرتے تھے کہ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوب کے سامنے حائل ہو گئے۔

المصباح، اور **المشکاۃ** کی روایت کے مطابق مختصر تغیّر سے عمر نے کہا کہ یقیناً اس پر درد غالب آ گیا ہے، اور تم لوگوں کے پاس قرآن ہے، اور قرآن تم لوگوں کے لیے کافی ہے۔

نیز سلیمان بنِ ابی مسلم احول نے ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے کہ:

حضرتِ ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ ہائے جمعرات کا دن! اور کیا ہی تھا جمعرات کا دن پھر آپ روئے یہاں تک کہ آپ کے آنسو نے کنکر تر کر دیے میں نے کہا کہ اے ابنِ عباسؓ! جمعرات کا دن کا کیا ہے؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری سخت ہو گئی ہے تو فرمایا کہ میرے پاس کندھے کی ہڈی لاؤ میں تمھارے لیے ایسی تحریر لکھ دوں کہ تم اس کے بعد کبھی گم راہ نہیں ہو گے مگر لوگ جھگڑ پڑے نبی کے پاس جھگڑا نہیں چاہیے تو لوگ بولے کہ حضور کا خیالِ مبارک کیا ہے؟ کیا آپؐ پریشان باتیں کر رہے ہیں؟ آپ سے پوچھ لو چنانچہ وہ آپ سے بار بار پوچھنے لگے تو فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو جس میں میں مشغول ہوں وہ اس سے اچھا ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو پھر ان کو تین

Presented by Ziaraat.Com

چیزوں کا حکم دیا مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکالو، وفود کو ان کا حق دو جیسا کہ انھیں ہم دیا کرتے تھے اور تیسری سے خاموشی فرمائی یا حضور نے وہ بات کہی مگر میں بھول گیا سفیان کہتے ہیں کہ یہ سلیمان کا قول ہے۔ مسلم، بخاری اور **مشکاۃ** میں بھی اس طرح ہی روایت ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی مذکورہ احادیث میں خود سے غور وفکر کرے اور کسی کی تقلید نہ کرے، عمر کی بات جو اس نے کہی کہ:

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَهْجُرُ۔ (نعوذ باللہ)

یہ شخص ہذیان بک رہا ہے،

اور کہا کہ تم لوگوں کے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے، لغت میں "**الهجر**" کا لفظ مریض کے لیے ہذیان کے معنا میں استعمال ہوتا ہے، تو منصف مزاج شخص جان جائے گا کہ عمر مسلمان ہی نہیں تھا، اور نہ ہی آنحضرتؐ کی نبوت کا معترف تھا، کیوں کہ جب آنحضرتؐ اپنی وصیت لکھوانے کی بات فرما رہے ہیں تو یہ شخص جواب میں ایسی گری ہوئی باتیں کر رہا ہے، آنحضرتؐ کی ذاتِ مبارک اور آنحضرتؐ کے ارادوں کے درمیان حائل بن جاتا ہے، تا کہ دھوکے سے امر کو لوگوں پر مشتبہ کر دے، یہ سب عمر محض اس لیے کر رہا تھا کہ وہ صورتِ حال کی نزاکت سے واقف تھا اور قرائن کی مدد سے جانتا کہ آنحضرتؐ اس وقت امیر المومنینؑ کی ولایت کے نص کی تجدید چاہتے ہیں، لہٰذا یہ پیچ میں آ گیا اور حیلہ اختیار کیا۔

شیخ عزالدین عبدالحمید جو کہ ابنِ ابی الحدید کے نام سے مشہور ہیں نہج البلاغہ کی شرح میں احمد بنِ طاہر کی تالیف، تاریخِ بغداد سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ میں عمر کی خلافت کے شروع کے دنوں میں گیا تھا، میں نے دیکھا ایک صاع (تقریباً تین کلو) کھجور کسی چیز پر رکھے ہوئے ہیں، مجھ سے کہا کھاؤ، میں نے ان میں سے ایک دانہ کھایا، اس نے کھانا شروع کیا اور پورا (تین کلو ہی) کھا گیا، پاس میں رکھے برتن سے پانی پیا، اپنے دونوں ہاتھوں کی کہنیوں سے پیچھے رکھے ہوئے تکیہ پر ٹیک لگایا، اور بار بار الحمد للہ کہتا رہا۔ پھر مجھ سے پوچھا

Presented by Ziaraat.Com

عبداللہ کہاں سے آ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ مسجد سے۔ پھر سوال کیا کہ اپنے چچا کے بیٹے کو کس حال میں دیکھا؟ میں سمجھا کہ وہ عبداللہ بن جعفرؑ کے بارے میں بات کر رہا ہے، میں نے کہا کہ وہ اپنے ہم عمر بچوں سے کھیل رہا تھا، اس نے کہا میں بچوں کے بارے میں نہیں بات کر رہا ہوں بڑوں کے بارے میں پوچھا ہے، میں نے جواب دیا وہ کھجوروں کے باغ میں تھے اور قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے، عمر نے کہا کہ اے عبداللہ! (ابنِ عباسؓ) تم سے جو بات پوچھ رہا ہوں وہ مت چھپانا، کیا اس کے ذہن میں ابھی تک خلافت کے بارے میں کوئی چیز باقی ہے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! اس نے کہا کہ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو خلیفہ بنایا تھا؟ میں نے کہا کہ جی بالکل! میں آپ کو یہ بھی بتا تا چلوں کہ میں نے اس کے دعوے کے متعلق اپنے والد (حضرتِ عباسؓ) سوال کیا تھا، تو انھوں نے بھی کہا کہ وہ ٹھیک سمجھ رہا ہے، پس عمر نے کہا کہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے حق میں مختصر گفت وگو تھی جو اس کے حق میں قطعی طور پر دلالت نہیں کرتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی عرصے سے اس معاملے کے بارے میں پریشان تھے، اور اپنے آخری مرض میں آپؐ کا ارادہ تھا کہ علیؑ کے نام کو صریح طور پر پیش کر دیں، پس میں اس میں رکاوٹ بن گیا اسلام کی محبت اور اس کی حفاظت کی خاطر، اللہ کی قسم قریش اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرتے، اگر ان کو ولایت دے دیتے تو ہر طرف سے عرب حملہ آور ہو جاتے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو گیا جو چیز میں جانتا تھا، تو آپؐ خاموش ہو گئے، اور جو چیز حتمی تھی اللہ تعالی اس سے راضی ہو گیا۔

عمر کے اس کلام کے بارے میں صراحت کے ساتھ اعتراف ہے، بلکہ جو اس نے کہا کہ اپنے چچا کے بیٹے کو کس حال میں دیکھا؟ اس طرح کے الفاظ کم اہمیت اور حقارت کو ظاہر کرتے ہیں، یہاں تک کہ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھا کہ وہ عبداللہ بن جعفرؑ کے بارے میں پوچھ رہا ہے، کیا کوئی مسلمان علی بن ابی طالبؑ کی تحقیر کرنے کا سوچ بھی سکتا ہے؟ جس کی تلوار و کوششوں سے دین قائم ہوا، جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بہ قدم چلے اور اتباع کی یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا کہ علیؑ کی ایک

Presented by Ziaraat.Com

ضربت (تلوار سے مارنا) قیامت تک ثقلین کے اعمال کے برابر ہے، جس کا علم، زہد، تقوا، قرابت و اخوت اور قدر و منزلت اس قدر مشہور و معروف ہو جس کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

عَلِیٌّ مِنّی وَ اَنَا مِنْهُ لا تُبَلِّغ عَنّی اِلّا اَنَا وَ عَلِیٌّ۔

علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں کہ مجھ سے منسوب کوئی بھی بات فقط وفقط مجھ سے یا علیؑ سے پہنچے گی۔

جنگِ خیبر جہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں کل پرچم اس شخص کو دوں گا جو اللہ و رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسولؐ اس سے محبت کرتے ہیں، ایسا حملہ آور ہوگا جو فرار نہیں کرتا۔ یہ مولا علیؑ کے بارے میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں جس کی عمر اپنے کلام میں تحقیر کر رہا ہے!۔

مجھے یہ بات پتہ چلی ہے کہ بعض لوگ جو اپنے آپ کو سید سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرتِ علیؑ اور ابوبکر وعمر اور عثمان کے بیچ میں کوئی دشمنی وبغض نہیں تھا اور مولا علیؑ ان سے بہت محبت کرتے تھے، اور ان کی شان وشوکت کا اعتراف کیا کرتے تھے، کتنا قبیح شخص ہے یہ آدمی، اللہ اس کا چہرہ دنیا وآخرت میں سیاہ کرے۔ اللہ کی قسم بیٹا کبھی بھی باپ پر یلغار نہیں کرتا، جب وہ اہلِ سنّت سے سنتے ہیں، اور وہ عمر اور اس کے ساتھیوں کے افعال واقوال نقل کرتے ہیں جو انھوں نے ان کے والد کے ساتھ کیے ہے، جس کی عظمت ومرتبہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کیا ہے جانتے ہوئے بھی تو یقیناً یہ اس کا بیٹا نہیں ہے، میں وہ پہلا شخص بنوں گا جو ایسے بیٹے سے برائت کروں گا، میں اس پر اللہ تعالی کی لعنت بھیجتا ہوں، اور اللہ اس کو اپنے آقاؤں کے ساتھ محشور فرمائے۔

چنانچہ عمر نے کہا کہ علیؑ گمان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اور پھر یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ولایت کے بارے میں مختصر بات کی تھی الخ۔ کیا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ امیر المومنینؑ کے بارے میں لفظِ "یَزْعَمُ" (گمان کرتا ہے) استعمال کرے، جس لفظ سے جھوٹا کہنے کی طرف اشارہ ہو؟

اس کے بعد کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی ایسی چیز صادر ہو سکتی ہے جو کسی بھی امرِ شرعی کے بارے میں حجت کو ثابت نہ کر سکتی ہو اور عذر کو ختم نہ کر سکتی ہو، بالفرض یہ بات کسی حق کے بارے میں

Presented by Ziaraat.Com

ہے تو اس کا مطلب ہے کہ (نعوذ باللہ) آپؐ سے کارِ تبلیغ میں کوتاہی ہوئی، یا یہ بات کسی باطل کے بارے میں ہے تو لازم تھا کہ آپؐ اس سے نہی فرماتے، محض غیر واضح اشارہ اس کی طرف کس طرح کر سکتے ہیں؟ اور یہ منافق اس طرح کی بات کہنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہے؟

حال آں کہ اس نے غدیر کے روز مولا علیؑ سے کہا تھا کہ مبارک ہو ابو طالبؑ کے بیٹے! آج سے تم میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا بن گئے ہو۔ جب کہ اس قول کو اہلِ سنّت نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے، چنانچہ متاخرین میں سے بغوی نے **مصابیح** میں نقل کیا ہے اور **مشکاۃ** میں وارد ہوا ہے۔

سب سے عظیم اور بڑی بات یہ ہے کہ عمر کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری مرض میں ولایتِ علیؑ کی صراحت کرنا چاہی۔ الخ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی خواہش سے باز رکھنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے،؟ کیا عمر امرِ اسلام اور اس کی اصلاح کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ جانتے تھے!؟

عمر کے یہ کام بتا رہے ہیں کہ وہ خود سے ایک سردار اور راہنما ہیں جو فقط اپنے نظریے اور رائے کو قبول کرتا ہے، اور اس کے علاوہ کو رد کرتا ہے، ممکن ہی نہیں ہے کہ یہ کام کوئی اس طرح کا شخص کرے جو اطاعتِ نبی اور امر و نہی نیز پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خضوع و تسلیم کا قائل ہو۔

یہ عمر کے کفر اور اس پر لعنت کے جواز پر عظیم ترین دلائل ہیں۔

اس عنوان کے تحت **کامل التواریخ ابنِ اثیر جزری** جو کہ اہلِ سنّت میں سے ہیں اس کتاب میں ایک طویل و مفصل حدیث میں سے مقدارِ حاجت کے مطابق ایک اقتباس نقل کرتے ہیں کہ "عمر بنِ خطاب نے ابنِ عباسؓ سے کہا کہ کیا تم جانتے ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تم لوگوں (تمھی بنی ہاشم و اہلِ بیتؑ) سے لوگوں کو کس نے روکا؟ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں میں جواب دینا پسند نہیں کرتا، بے دلی سے کہا کہ اگر میں نہیں جانتا تو امیر المومنینؑ جانتے ہوں گے۔ عمر نے کہا کہ قریش پسند نہیں کرتے تھے کہ نبوت و امامت تمھارے خاندان (بنی ہاشم) میں جمع ہو جائیں کہ کہیں تم لوگ اپنے آپ کو زیادہ بڑا نہ سمجھو، اپنی قوم پر فخر و مباہات نہ کرو، پس قریش نے امامت کو

Presented by Ziaraat.Com

اپنے لیے اختیار کیا اور وہ صحیح ثابت ہوئے، میں کھڑا ہوا اور کہا کہ اے امیر المومنین! اگر آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیں اور ناراض نہ ہوں تو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، عمر نے کہا کہ کہو! میں نے کہا کہ اے امیر المومنین! جو آپ نے کہا ہے کہ قریش نے امامت اپنے لیے چاہی اور وہ صحیح ثابت ہوئے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امامت کو قریش کے لیے چاہا جس سے معلوم ہوا کہ صواب دیدی قریش کے ہاتھوں میں ہے۔

باقی جو آپ نے کہا کہ قریش نے نہیں چاہا کہ نبوت وخلافت ہمارے خاندان میں جمع ہوں تو اللہ تعالیٰ نے جب کسی قوم کی توصیف کرامت سے کی ہو اور اس کے قبول نہ کرنے والوں کی مذمت میں یہ آیت ہے:

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ۔

یہ اس لیے کہ انھوں نے خدا کے نازل کیے ہوئے احکام کو برا سمجھا تو خدا نے بھی ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔[1]

پس عمر نے کہا کہ وائے ہو ابن عباسؓ! تمھارے بارے میں میرے پاس ایسی خبریں پہنچتی ہیں کہ میں نہیں چاہتا کہ وہ بیان کروں کہیں تمھاری منزلت میری نظر میں کم نہ ہو جائے۔ تو میں نے کہا کہ اے امیر المومنین! وہ کونسی باتیں ہیں؟ اگر وہ حق ہیں تو مناسب نہیں کہ میری شان آپ کی نظروں میں گھٹ جائے اور اگر باطل ہیں تو میں ان کو رڈ کرتا ہوں۔

عمر نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم کہتے ہو کہ انھوں نے امامت ہم (بنی ہاشم) سے حسد و بغاوت اور ظلم کی وجہ سے چھین لی ہے۔ میں نے کہا کہ اے امیر المومنین! اگر ظلم کی بات کریں تو وہ ہر جاہل وحکیم اور عاقل کے لیے واضح و روشن ہے۔ اور رہی بات حسد کی تو حضرتِ آدمؑ کی اولاد حسد کرتی ہے اور ہم ان کی وہ اولاد ہیں جن سے لوگوں نے حسد کیا ہے۔

پس عمر نے کہا کہ وائے ہو! تمھارے (بنی ہاشم کے) دلوں سے حسد کبھی ختم نہیں ہوگا۔

میں نے کہا کہ امیر المومنین! رُک جائیں ایسے دلوں کی صفت حسد سے بیان نہ کریں جن

---

[1] سورۂ محمد: ۹

Presented by Ziaraat.Com

کے دلوں سے اللہ تعالی نے رجس کو دور کر دیا ہے اور ان کو ایسا پاک و پاکیزہ کیا ہے جیسا پاکیزگی کا حق تھا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بنی ہاشم میں سے ہی تھی۔

پس عمر نے کہا کہ اے عباس کے بیٹے! یہاں سے چلے جاؤ۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے، پس جب میں جانے کے لیے اٹھا تو مجھ سے حیا کرتے ہوئے کہا کہ اے ابن عباس بیٹھ جاؤ، میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تمھارے حق کی رعایت کرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ تم خوش رہو۔ پس میں نے کہا کہ اے امیر المومنین! میرا آپ اور ہر مسلمان پر حق ہے پس جس نے اس کی حفاظت کی تو وہ اس کا اجر پائے گا اور جس نے ضائع کیا اس نے خطا کی، پس اٹھا اور چلا گیا۔

میں کہتا ہوں یہ بھی بہت عجیب ہے کہ عمر نے کہا کہ قریش نہیں چاہتے تھے کہ نبوت و امامت بنی ہاشم میں جمع ہو جائیں، اگر اس نے حق بات کہی ہے تو وہ اللہ تعالی کی جانب سے ہوگی، تو پھر ابن عباس نے جواب میں یہ کیوں کہا کہ:

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۔

یہ اس لیے کہ انھوں نے خدا کے نازل کیے ہوئے احکام کو برا سمجھا تو خدا نے بھی ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔[1]

اور عمر نے بھی جواب میں نہیں کہا کہ قریش نے جو کچھ کیا وہی حق تھا اور اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ تھا۔

نیز عمر نے کہا کہ ”تم لوگ (بنی ہاشم) اپنی قوم کے دیگر افراد پر فخر و مباہات کرتے“ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ قریش نے جو کچھ کیا وہ حقیقی امر سے منہ پھیرنا تھا اور اس کی وجہ صرف حسد و کینہ تھا، انھوں نے اللہ سبحانہ کے واجب کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔

اسی طرح ابن عباس کا قول ”قریش نے امامت کو اپنے لیے چاہا اور اللہ تعالی نے ان (بنی ہاشم) کے لیے چاہا“۔ یہ اس پر صراحتاً دلالت کر رہا ہے۔

نیز عمر کے جواب میں ابن عباس کا یہ قول ”باقی آپ کا کہنا کہ ظلم سے خلافت لی ہے تو وہ ہر

---

[1]۔ سورۂ محمد: ۹

Presented by Ziaraat.Com

جاہل وحکیم کے لیے واضح وروشن ہے“۔

اللہ تعالی کے خلاف عمر کا یہ قول ”بنی ہاشم کے دلوں سے کبھی حسد ختم نہیں ہوگا“ جسارت ہے۔

حضرتِ ابنِ عباسؓ کا جواب نہایت لطیف وحکیمانہ طریقے سے اس کی تکفیر کرتا ہے۔

ہمارے بعض مشائخ نے نقل کیا ہے کہ علامہ بلاذری نے روایت کی ہے کہ جب امامِ حسین سید الشہداؑ کی شہادت واقع ہوئی تو عبداللہ بن عمر نے یزید بنِ معاویہ لعنۃ اللہ علیہ کی طرف خط لکھا:

مشکل عظیم ہوگئی، مصیبت آشکار ہوگئی، اسلام میں بہت بڑا حادثہ واقع ہوگیا، حسینؑ کے دن کی طرح کوئی دن نہیں ہے۔

پس یزید نے جواب میں لکھا کہ اما بعد! اے احمق ہم اپنے نئے گھروں، بچھے ہوئے فرشوں اور لگائے تکیوں کی طرف آئے، ہم نے جنگ کی اگر حق ہمارا تھا تو اپنے حق کے لیے لڑے، اگر کسی اور کا حق تھا تو پھر تمھارے والد ہی پہلے وہ شخص تھے جس نے یہ روش قائم کی تھی، اور حق کو اس کے اہل سے غصب کیا تھا۔

علامہ واقدی[۱] اور ان کے علاوہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے جس وقت خیبر فتح فرمایا تھا تو اپنے لیے ایک بستی چنی تھی جو یہودیوں کی بستی میں سے ایک تھی، حضرتِ جبرئیلؑ نازل ہوئے اس آیت کے ساتھ:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ۔

اور دیکھو قرابت داروں کو حق دے دو۔[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرابت دار کون ہیں؟ اور ان کا حق کیا ہے، تو حضرتِ جبرئیلؑ نے فرمایا کہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا، فدک وعوالی ان کے حوالے کریں، وہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا

۱۔ میزان الاعتدال، شمس الدین، ج ۲، ۲۲۸؛ درّ منثور، سیوطی، سورۂ اسراء: ۲۶؛ کنز العمال، ج ۲، ۱۵۸؛ وفاء الوفاء، ۱۵۳؛ شرحِ نہج البلاغہ، ابنِ حدید، ج ۱۶، ۲۱۰، ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۷۵، ۲۸۰، ۲۸۴۔

۲۔ سورۂ اسراء: ۲۶

Presented by Ziaraat.Com

کے پاس ہی رہا یہاں تک کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی۔

جب ابوبکر کی بیعت کی گئی تو بنتِ رسول اللہ سلام اللہ علیہا نے اس کی واپسی کے متعلق ابوبکر سے بات چیت کی اور فرمایا کہ وہ دونوں ہی میرے ہیں، میرے والد نے مجھے دیے تھے، ابوبکر نے کہا کہ جو چیز تمھارے والد نے تمھیں دی ہے میں اس کو نہیں روکوں گا، اس نے چاہا کہ وہ مکتوب لکھ کر دیں، پس عمر نے اس کو روک لیا اور کہا کہ یہ عورت ہے، اس سے گواہ طلب کرو جس چیز کے بارے میں ان کا دعواہے، ابوبکر نے حکم دیا کہ گواہ پیش کرو، پس حضرتِ امِّ ایمن، اسما بنتِ عمیس مولا علیؑ کے ساتھ آئیں اور گواہی دی، ابوبکر نے مکتوب لکھ کر دیا، یہ بات عمر کو پہنچی تو اس نے وہ مکتوب لے کر مٹا دیا، پس حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا نے عہد کیا کہ وہ ان دونوں سے بات نہیں کریں گی، حال آں کہ بی بی سلام اللہ علیہا کی وفات ہوگئی اور آپ سلام اللہ علیہا ان دونوں پر غضب ناک رہیں۔

روایت ہے کہ مامون نے ایک ہزار فقہا جمع کر کے مناظرہ کروایا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فدک علویوں کا حق ہے پس ان کی اولاد کو واپس کر دیا گیا۔

ابو ہلالِ عسکری نے اپنی کتاب **اخبار الاوائل** میں ذکر کیا ہے کہ پہلا شخص جس نے فدک کو حضرتِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی میراث تسلیم کر کے واپس کیا وہ عمر بنِ عبدالعزیز تھا، حال آں کہ معاویہ نے اس کو مروان بنِ حکم، عمر بنِ عثمان اور اپنے بیٹے یزید کے درمیان تقسیم کر دیا تھا، بعد از آں کئی بار بنی عباس کے دور میں غصب ہوا اور پھر واپس ہوا۔

حافظ ابنِ مردویہ نے اپنی سند سے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیۂ مبارکہ:

وَآتِ ذا الْقُربی حَقَّهُ۔

اور دیکھو قرابت داروں کو حق دے دو۔[1]

نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو بلایا اور فدک ان کو عطا کر دیا۔

محمود خوارزمی نے **الفائق (المناقب)** میں کہا ہے کہ ثابت ہوگیا کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سچی

---

[1] سورۂ اسراء: ۲۶

Presented by Ziaraat.Com

تھیں اور وہ اہلِ جنّت میں سے تھیں، تو فدک اور عوالی کے معاملے میں ان کے دعوے میں شک کیسے ہوسکتا ہے، اور یہ کہنا کیسے جائز ہوا کہ وہ پوری مخلوق پر ظلم کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں (یعنی بیت المال جو کہ سب کا حق تھا اس کو اپنا حق مانتی تھیں، مترجم) اور اپنی وفات تک اس ارادے پر اصرار کرتی رہیں !۔

اس شخص (خوارزمی) نے حق کو اس طرح دریافت کیا ہے کہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا سچی تھیں اور اہلِ جنّت میں سے تھیں، ممکن نہیں ہے کہ ان کا دعوا جو فدک وعوالی کے بارے میں تھا اس میں شک کیا جائے۔ لیکن وہ یہ بات تسلیم نہیں کرتا کہ ان سے گواہان کا مطالبہ غلط تھا، وہ کہتا ہے کہ ہمارے اصحاب (علمائے اہلِ سنّت) کہتے ہیں کہ بی بی سلام اللہ علیہا کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال سے بالاتر نہیں ہے، کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی یہودی ونصرانی کے خلاف کسی حاکمِ شرعی سے رجوع فرماتے ہیں تو کسی حاکم کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں گواہان کے بغیر فیصلے سنائے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صادق وامین اور اہلِ جنّت میں سے ہیں۔

پس عقلا ان لوگوں کی افترا پردازیوں کو دیکھیں اور تعجب کریں۔

بخاری کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا نے ابوبکر سے اپنی میراث کے بارے میں سوال کیا، تو ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم انبیاؑ کوئی میراث نہیں چھوڑتے جو چھوڑتے ہیں وہ ترکہ ہوتا ہے، وہ صدقہ ہے۔ آلِ محمد علیہم السلام اس مال میں سے کھا سکتے ہیں، اور میں اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں سے کسی چیز میں تبدیلی نہیں کروں گا، پس ابوبکر نے حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کو کچھ بھی نہیں دیا، بی بی سلام اللہ علیہا چھوڑ کر چلی گئیں، اپنی وفات تک ابوبکر سے بات نہیں کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں، وفات کے بعد ان کے شوہر امیر المومنینؑ نے رات کو دفن کیا، ابوبکر کو نمازِ جنازہ کی اجازت نہیں دی۔

میں نے پہلے بھی اس مطلب کی طرف اشارہ کیا تھا کہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا نے ابوبکر وعمر سے گفت وگو کے دوران شان دار خطبہ بیان فرمایا تھا، جس کے بارے میں معلوم ہونا نہایت

Presented by Ziaraat.Com

ضروری ہے، چنانچہ اس خطبے میں بنتِ رسول اللہ سلام اللہ علیہا نے کلماتِ الٰہیہ کے معانی بیان فرمائے ہیں، اور سنّتِ رسول اللہ سے آشنائی دی، کوئی شک نہیں ہے، کیوں کہ وہ بضعتِ رسول اللہ (رسولِ خدا کا حصّہ)، سلالتِ نبوت (نبوت کی کڑی) تھیں، اس خطبے میں ان دونوں ملعون کے کفر کا ثبوت ہے، ہم نے پہلے بھی بیان کیا تھا کہ وہ خطبہ اہلِ سنّت کے ہاں بھی روایت ہوا ہے، یہاں پر ہم اس خطبے کا خلاصہ نقل کریں گے، اگرچہ پورا خطبہ معارف وحقائق کا آئینہ ہے،

حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ:

فَلَمّا اخْتارَ اللّٰهُ لِنَبِيِّهِ دارَ أَنْبِيائِهِ وَ مَأْوى أَصْفِيائِهِ،

پھر جب اللہ نے اپنے پیغمبرؐ کے لیے انبیا کا گھر اور اوصیا کی آرام گاہ منتخب کرلی

ظَهَرَتْ فيكُمْ حَسيكَةُ النِّفاقِ وَ سَمَلَ جِلْبابُ الدّينِ

توتم میں نفاق کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہوگئیں، اور دین کا لباس بوسیدہ ہوگیا

وَنَطَقَ كاظِمُ الْغاوينَ وَ نَبَغَ خامِلُ الْأَقَلّينَ

اور گم راہی کی خاموشیاں ٹوٹ گئیں اور کمینے لوگ ظاہر ہوگئے

وَهَدَرَ فَنيقُ الْمُبْطِلينَ، فَخَطَرَ في عَرَصاتِكُمْ

اور اہلِ باطل کا نازوں پلا اونٹ تمھارے دروازوں تک پہنچ گیا

وَأَطْلَعَ الشَّيْطانُ رَأْسَهُ مِنْ مَغْرَزِهِ هاتِفاً بِكُمْ

اور شیطان نے کمین گاہ سے اپنا سر باہر نکال کر تمھیں دعوت دی

فَأَلْفاكُمْ لِدَعْوَتِهِ مُسْتَجيبينَ وَلِلْغِرَّةِ فيهِ مُلاحِظينَ

جب اس نے جانا کے تم اس کے ساتھ ہو اور اس کا لحاظ کرنے والے ہو

Presented by Ziaraat.Com

ثُمَّ اسْتَنْهَضَكُمْ فَوَجَدَكُمْ خِفافاً وَ اَحْمَشَكُمْ

اس نے تم سے چاہا کہ قیام کرو اور تمھیں ہلکا پایا اور تمھیں غصّہ دلایا

فَاَلْفاكُمْ غِضاباً فَوَسَمْتُمْ غَيْرَ اِبِلِكُمْ

تم لوگ غضب ناک ہو گئے تو تم نے غیروں کے اونٹوں پر پالان لگائے

وَوَرَدْتُمْ غيرَ مَشْرَبِكُمْ هذا و الْعَهْدُ قَريبٌ

اور پرائے پانی میں داخل ہوگئے یہ سب کچھ ماضی قریب کی باتیں ہیں

والْكَلْمُ رَحيبٌ وَ الْجُرْحُ لَمّا يَنْدَمِلْ

اور ابھی تک زخموں کے نشان واضح تھےاور زخم بھرے نہیں تھے

والرَّسولُ لَمّا يُقْبَرْ اِبْتِدَاراً زَعَمْتُمْ خَوْفَ الْفِتْنَةِ!

اور جب تک پیغمبرؐ دفن نہیں ہوئے تم گمان کرتے تھے کہ سے فتنے خوف زدہ ہو

اَلا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا، وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحيطَةٌ بِالكافِرينَ.

آگاہ رہو! کہ اب فتنے میں پڑے ہواور بے شک جہنم نے کافروں کا احاطہ کر رکھا ہے۔

فَهَيْهاتَ مِنْكُمْ وَكَيْفَ بِكُمْ وَاَنّى تُؤْفَكونَ؟!

افسوس! تمھیں کیا ہوگیا ہے اور کہاں چلے جارہے ہو؟

وكِتابُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ

حال آں کہ اللہ کی کتاب تمھارے درمیان موجود ہے

Presented by Ziaraat.Com

قائِمَة فرائضه، واضحة دلائله، نيّرة شرائعه زَواجِرُهُ واضحَةٌ

جس کے واجبات مستحکم، دلائل روشن، شریعت نورانی اور نواہی آشکار

وَاَوامِرُهُ لَائِحَةٌ خَلَفْتُموهُ وَراءَ ظُهورِكُمْ

اوراوامر چمک رہے ہیں حال آں کہ تم نے قرآن کی مخالفت کی اوراسے پسِ پشت ڈال دیا

أَرَغْبَةً عَنْهُ تدبرون اَمْ بِغَيْرِهِ تَحْكُمون؟

کیا تمھارا ارادہ یہ ہے کہ قرآن سے اعراض کر کے اس کے خلاف حکم دو؟

بِئْسَ لِلظّالِمينَ بَدَلاً. وَ مَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاسلامِ ديناً

یقیناً ظالموں کا انجام برا ہےاور جو بھی اسلام کے علاوہ دین اختیار کرے گا

فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فى الاخِرَةِ مِنَ الْخاسِرين.

اس کا دین قبول نہیں کیا جائے گااور روزِ آخر وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

ثُمَّ... وَ اَنْتُمْ تَزْعُمُونَ اَنْ لا اِرْثَ لى؟

پھر، کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں پیغمبرؐ کی وارثہ نہیں ہوں؟

أَفَحُكْمَ الْجاهِلِيَّةِ تَبْغونَ؟ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ

کیا تم جاہلیت کے قوانین کی طرف لوٹنا چاہتے ہو؟ خدا سے بہتر قاضی کون ہے

حُكْماً لِقومٍ يوقِنونَ أَفَلا تَعْلَمونَ؟ بَلى قَدْ تَجَلّى لَكُمْ

یقین رکھنے والوں کے لیے؟ ،کیا تم نہیں جانتے بلکہ تمھارے لیےواضح نہیں ہے

Presented by Ziaraat.Com

كَالشَّمْسِ الضَّاحِيَةِ اَنّى اِبْنَتُهُ اَيّهَا الْمُسْلِمُونَ!

روزِ روشن کی طرح کہ میں نبیؐ کی بیٹی ہوں؟اے مسلمانوں!

أأُغْلِبُ عَلى اِرْثى؟ يَابْنَ اَبى قُحافَةَ!

کیا تم لوگ میری میراث ہڑپ رہے ہو؟اے ابنِ ابو قحافہ(ابوبکر)!

أَفِي كِتابِ اللهِ تَرِثُ اَباكَ وَ لااَرِثُ اَبى؟

کیا قرآن کے مطابق تو اپنے باپ کا وارث ہے اور میں اپنے بابا کی وارثہ نہیں ہوں؟

لَقَدْ جِئْتَ شَيئاً فَرِياًعَلَى اللهِ وَ عَلى رَسُوْلِهِ

تو ایک ایسی بات کر رہا ہے جو خدا اور اس کے رسولؐ پر بہتان ہے

اَفَعَلى عَمْدٍ تَرَكْتُمْ كِتابَ اللهِ وَ نَبَذْتُمُوهُ وَراءَ ظُهُورِكُمْ،

تم نے عمداً کتابِ الٰہی کو ترک کرکے پسِ پشت پھینک دیا ہے؟

إذْيَقُولُ «وَ وَرِثَ سُلَيمانُ داوُدَ»[۱]

جب کہ پروردگار فرماتا ہے کہ نبی داؤدؑ نبی سلیمانؑ کے وارث تھے

وَقالَ فيما اقْتَصَّ مِنْ خَبَرِ زَكَرِيا اِذْ قالَ:

اور فرماتا ہے اس قصے کہ بارے میں کہ نبی زکریاؑ نے فرمایا:

۱۔سورۂ نمل:۱۶

Presented by Ziaraat.Com

«فَهَبْ لی مِنْ لَدُنْكَ وَلِياً یرِثُنی وَ یرِثُ مِنْ الِ یعْقُوبَ

”تواب مجھے ایک ایسا ولی اور وارث عطا فرمادے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو“

وَقالَ «یوصیكُمُ اللہ فی اَوْلادِكُمْ

اور فرماتا ہے کہ خدا تمھاری اولاد کے بارے میں تمھیں ہدایت کرتا ہے کہ

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیینِ»[1]

ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے

فزَعَمْتُم أنْ لَا حَظَّ وَ لَا أَرْثَ لِی مِنْ اَبِی

تمھیں لگتا ہے کہ میرے بابا سے مجھ تک کوئی حصّہ اور میراث نہیں پہنچی؟

أَفَخَصَّكُمُ اللهُ بِآیَةٍ اَخْرَجَ مِنْها أَبی؟

یا تمھیں لگتا ہے کہ اللہ نے ان آیات سے میرے والد کو مستثنا کر دیا ہے؟

اَمْ تَقولونَ أَهْلَ مِلَّتَیْنِ لا یَتوارَثانِ؟

کیا تم لوگ کہتے ہو کہ دو مختلف مذاہب آپس میں وارث نہیں بنتے؟

اَمْ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِخُصوصِ الْقرآنِ وَعُمومِهِ مِنْ أَبی وَ ابْنِ عَمّی؟

آیا تم قرآن کو میرے بابا اور میرے چچازاد علیؑ سے بہتر سمجھتے ہو؟

---

[1] سورۂ نسا: ۳

Presented by Ziaraat.Com

فَدونَكَها مَرحولَةً مَخطولَةً مَرمومَةً،

پس تم ناقۂ خلافت کو تھام لو جس کی ناک میں نکیل اور گردن میں رسی ڈال دی گئی ہے

تَلقاكَ يَوْمَ حَشْرِكَ فنِعْمَ الحَكَمُ اللهُ

لیکن روزِ قیامت تم سے ملاقات کروں گی کہ پس بہترین قضاوت کرنے والا خدا ہے

وَ الزَّعيمُ محمدٌ وَالموعِدُ القيامَةُ وَ عِنْدَ السّاعَةِ

اور محمدؐ بہترین پیشوا ہے۔ میرا تجھ سے قیامت کے دن کا وعدہ ہے

يَخسَرُ المُبْطِلونَ ولِكُلِّ نَبأٍ مُسْتَقَرٌّ

کہ جس دن اہلِ باطل خسارہ اٹھائے گیں۔اور تمام نشانیاں پوری ہوں گی

وَسوفَ تَعْلَمونَ مَنْ يَأتيهِ عذابٌ يُخْزيهِ

اورعن قریب تم لوگ جان جاؤ گے کہ کس پر رسوا کردینے والا عذاب آتا ہے

ويَحِلُّ عَلَيْهِ عذابٌ مقيمٌ

اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔

پھر جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا اپنے بابا کی قبر کے طرف متوجہ ہوئیں اور ہند (اثاثہ کی بیٹی) کے اشعار پڑھے:

وَقالَتْ قَدْكانَ بَعْدَكَ اَنْباءٌ وَهَنْبَثَةٌ
لَوْ كُنْتَ شاهِدَها لَمْ تَكْثِرِ الخُطَبُ
اِنّا فقَدْنَاكَ فَقْدَ الاَرْضِ وابِلَها
وَاخْتَلَّ قَوْمُكَ فَاشْهَدْهُمْ وَلاتَغِبُ

بابا! آپ کے بعد بڑی نئی نئی خبریں اور مصیبتیں سامنے آئیں، کہ اگر آپ سامنے ہوتے تو مصائب کی یہ کثرت نہ ہوتی، ہم نے آپ کو ویسے ہی کھو دیا جیسے زمین ابرِ کرم سے محروم ہو جائے، اور اب آپ کی قوم بالکل ہی منحرف ہوگئی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

یہ خطبہ جو ہم نے مختصراً نقل کیا ہے دلیل کے طور پر کافی ہے۔

صاحبِ **کتاب السقیفہ** اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا بیمار ہوئیں تو مہاجرین و انصار کی عورتیں آپ کی عیادت کے لیے آئیں۔ انھوں نے آپ کی احوال پرسی کرتے ہوئے کہا کہ آپ کی بیماری کا کیا حال ہے؟ حضرتِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے ان کے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا:

میں نے آج اس حالت میں صبح کی ہے کہ تمھاری دنیا سے بے زار ہوں، تمھارے مردوں کی دشمن ہوں، میں نے انھیں اس طرح سے دور کیا ہے جیسا کہ فاسد خرما تھوک دیا جاتا ہے اور میں نے انھیں آزمانے کے بعد ان سے دشمنی کی ہے۔ برا ہو تلوار کی دھار کے کند ہونے کا اور محنت و مشقت کے بعد کھیل کود میں لگ جانے کا۔ سنگِ خارا پر سر مارنا برا ہے اور نیزوں کا ڈھیلا ہو جانا اور آرا کا فاسد ہونا اور خواہشات کی پھسلن کتنی بری ہے۔ ان کے نفسوں نے بہت برا توشہ آگے کے لیے روانہ کیا ہے جس کی وجہ سے خدا ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے بخدا حکومت و سلطنت نے ان کی گردن میں اپنا پھندا ڈال دیا ہے، ان پر اپنا بوجھ لاد دیا ہے اور دنیا نے ان پر اپنی ذلت ڈال دی ہے۔ خدا ظالموں کی ناک کاٹے!، انھیں بے دست و پا کرے اور انھیں اپنی رحمت سے دور رکھے۔

ان کے لیے افسوس ہے کہ آخر ان لوگوں نے خلافت کو رسالت کے لنگر سے کیوں دور کر دیا؟ اور ان لوگوں نے خلافت کو نبوت و رہنمائی اور روح الامین کے اترنے کے مقام پر دنیا و دین کے ماہر افراد سے کیوں دور کر دیا ہے؟

آگاہ رہو! تمھارے مردوں کے کردار کا نقصان واضح ہے۔ آخر یہ لوگ ابوالحسن سے کیوں ناراض ہیں؟

خدا کی قسم! یہ لوگ ابوالحسن کی تلوار کے بے دریغ استعمال سے ناراض ہیں۔ یہ لوگ ابوالحسن سے اس لیے ناراض ہیں کیوں کہ وہ اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہ لوگ ان

Presented by Ziaraat.Com

کی سخت جنگ اور ان کے عذاب کی طرح حملوں اور خدا کے بارے میں ان کی جرأت و ہمت کی وجہ سے ناراض ہیں۔

آؤ اور میری بات غور سے سنو! جب تک تم زندہ رہو گے تب تک زمانہ تمھیں نئی نئی چیزیں سکھاتا رہے گا اور اگر تم تعجب کرو تو ان کی باتیں بہت عجیب ہیں۔

اے کاش! میں معلوم کر سکتی کہ ان لوگوں نے علی کو چھوڑ کر کس کا سہارا لیا ہے اور کس ستون پر بھروسہ کیا ہے اور انھوں نے کس حلقۂ رسن کو پکڑا ہے اور یہ لوگ اولادِ رسول علیہم السلام کو چھوڑ کر کس کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں اور یہ لوگ کس سے وابستہ ہوئے ہیں؟

وہ سرپرست کتنا برا ہے اور وہ ساتھی کتنا برا ہے کہ جس کی پناہ میں یہ لوگ آئے ہیں اور یقیناً ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے۔ انھوں نے ہم پر ظلم کیا ہے اور ہماری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ خدا کی قسم! انھوں نے بازوؤں کے پروں کے بدلے دُم کے پروں کو پکڑا ہے۔ ان لوگوں نے گردن کے قریب پیٹھ کے بالائی حصے کی بجائے پچھلے حصے کو منتخب کیا ہے۔ خدا اس قوم کے خیر خواہ کی ناک کو خاک آلود کرے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ آگاہ رہو! یہ ہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن انھیں اس کا شعور نہیں ہے۔

أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَّا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ۔

اور جو حق کی ہدایت کرتا ہے وہ واقعا قابلِ اتباع ہے یا جو ہدایت کرنے کے قابل بھی نہیں ہے؟ مگر یہ کہ خود اس کی ہدایت کی جائے تو آخر تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ اور تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟۔

مجھے اپنی جان کی قسم! خلافت کی اونٹنی حاملہ ہو چکی ہے، اس کے بچے جننے تک انتظار کر لو پھر پیالے بھر بھر کر تازہ خون مہلک اور زہر اس کے تھنوں سے دوہ لینا۔

میں نے یہاں تک کلام کے نقل کرنے میں اکتفا کیا ہے، کیوں کہ باقی کلام بھی اسی نوعیت کا ہے، اگر کوئی اس میں غور کرے اور انصاف سے فیصلہ کرے تو حقیقت واضح ہے، جان لو کہ یہ خطبۂ

Presented by Ziaraat.Com

جنابِ زہرا سلام اللہ علیہا مخالفین کی کتب میں بھی منقول ہے، پھر بھی راہِ حق کی ہدایت نہیں حاصل کر پاتے، اور وہ عمر و ابوبکر کے کفر کو معلوم نہیں کر سکتے، اللہ تعالی ان کے دلوں کو کبھی ہدایت نہ دے۔ چنانچہ خطبۂ شقشقیہ جو امیر المومنینؑ کا کلام ہے اس کو بھی اہلِ سنّت کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، جن میں سے ایک راوی شیخِ صدوقؒ کی کتاب معانی الاخبار میں عبداللہ عسکری ہیں، ان شا اللہ ہم اس کو ساتویں فصل میں ذکر کریں گے۔

صاحبِ کشف الغمۃ نے شریک سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ ابوبکر پر واجب تھا کہ وہ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا سے شریعت کے مطابق عمل کرتے، کم سے کم وہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا ان کے دعوے کے لیے حلف لیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہی حیاتِ مبارکہ میں فدک آپؑ کو عطا کر دیا تھا، کیوں کہ حضرتِ علیؑ، حضرتِ امِّ ایمن رضی اللہ عنہا نے گواہی دے دی تھی، باقی ایک چوتھائی رہ جاتی تھی، دو گواہوں کے بعد ردّ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

پھر یا وہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی تصدیق کرتا یا حلف لیتا اور حکم لگاتا۔

شریک کہتا ہے کہ اللہ اس طرح کے امر میں مددگار ہے یا وہ جاہل تھا یا اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا۔

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ بات کی تائید میں، بہت زیادہ تامّل وغور فکر کر کے ابوبکر کا یہ فعل حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ، اور اس کے دیگر کارنامے دیکھتے ہوئے کسی شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ قضاوت و فیصلے میں محض بہانے بازی کر رہا تھا اس کے پسِ پردہ ارادے کچھ اور تھے۔

ابوبکر نے جس وجہ سے بھی فدک وعوالی سے انکار کیا ہو مگر ان سب سے بڑھ کر عمر نے وہ مکتوب جلا دیا جو ابوبکر نے لکھ کر دیا تھا جب اس کو فدک وعوالی نہ دینے کی کوئی وجہ نظر نہیں آ رہی تھی، اللہ تعالی ان دونوں پر اور ان کے پیروکاروں پر تا قیامت لعنت بھیجے۔

صاحبِ کشف الغمۃ نے ذکر فرمایا ہے کہ روایت ہے کہ عائشہ وحفصہ نے گواہی دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہم انبیا کا ترکہ میراث نہیں ہوتا"۔ ان کے ساتھ مالک بنِ اویس نصری نے بھی گواہی دی تھی، جب عثمان خلیفہ ہوا تو عائشہ نے اس سے کہا کہ مجھے

Presented by Ziaraat.Com

وہی دو جو ابوبکر و عمر دیا کرتے تھے، تو عثمان نے کہا کہ اس کے لیے کتاب وسنّت میں میرے پاس کوئی دلیل نہیں، لیکن ابوبکر و عمر اپنی خوشی سے آپ کو دیا کرتے تھے، اور میں اس طرح نہیں کرسکتا، تو عائشہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے میری میراث دو، عثمان نے کہا کہ کیا تم نے اور مالک بن اویس نصری نے گواہی نہیں دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث نہیں ہے، کہ جس کی وجہ سے جناب زہرا سلام اللہ علیہا کی میراث کا دعوا باطل کروادیا تھا، اور اب اپنے لیے مانگ رہی ہو، میں نہیں دوں گا۔

جب عثمان نماز کے لیے آیا تو عائشہ نے آواز بلند کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیصِ مبارک بلند کی کیوں کہ وہ عثمان کو اذیت دے رہی تھی تو عثمان منبر پر گیا اور کہا کہ اللہ تعالی نے عائشہ و حفصہ کی مثال قرآنِ مجید میں بیان فرمائی ہے:

امْرَاَتَ نُوحٍ وَامْرَاَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا۔

زوجۂ نوح اور زوجۂ لوط کی مثال بیان کی ہے کہ یہ دونوں ہمارے نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں لیکن انھوں نے خیانت کی۔[1]

عائشہ نے کہا کہ اے نعثل! اے دشمنِ خدا اور رسول، تمھارا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعثل رکھا تھا جو یمن میں رہنے والا یہودی تھا۔ پس عائشہ اور عثمان کے درمیان مدبھیڑ ہوگئی، عائشہ نے قسم کھائی کہ جس شہر میں عثمان رہے گا میں وہاں نہیں رہ سکتی اور وہ مکہ چلی گئی۔

اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ابنِ اعثم صاحبِ **الفتوح** نے نقل کیا ہے کہ عائشہ نے کہا کہ نعثل کو قتل کرو، اللہ نعثل کو قتل کرے جس نے سنّتِ رسول اللہ کو بوسیدہ کردیا ہے حال آں کہ ابھی تک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرتہ بھی پرانا نہیں ہوا تھا، اور مکہ کی طرف چلی گئیں۔

مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ ایک عورت نے شادی کے بعد چھ ماہ میں بچہ پیدا کیا،

---

[1] ۔سورۂ تحریم:۱۰

Presented by Ziaraat.Com

اس کے شوہر نے عثمان سے کہا اور عثمان نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا، پس امیر المومنینؑ نے مداخلت کی اور فرمایا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا۔

اور اس کے حمل اور دودھ بڑھائی کا کل زمانہ تیس مہینے کا ہے۔[1]

نیز ارشادِ باری ہے:

وفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ۔

اور اس کی دودھ بڑھائی بھی دو سال میں ہوئی ہے۔[2]

اور مولاؑ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم عثمان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے باعث اس خاتون کو رجم کروانے کا حکم دے۔

عثمان کا یہ قول ظاہر کرتا ہے کہ وہ شریعت کو مذاق سمجھتا ہے، جس سے اس کا کفر ظاہر ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ ایک نفسِ محترمہ اور بے گناہ کے قتل کا اقدام کیا ہے۔ جس کے بارے میں اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا۔

اور جو بھی کسی مومن کو قصداً قتل کر دے گا اس کی سزا جہنّم ہے۔ اسی میں ہمیشہ رہنا ہے اور اس پر خدا کا غضب بھی ہے اور خدا لعنت بھی کرتا ہے اور اس نے اس کے لیے عذاب عظیم بھی مہیّا کر رکھا ہے۔[3]

پس نصِّ قرآنی کے مطابق ملعون واقع ہوا ہے۔

الجمع بين الصحيحين میں ہے کہ عثمان اور مولا علیؑ ایک ساتھ حج کر رہے تھے، عثمان

۱۔ سورۂ احقاف: ۱۵

۲۔ سورۂ لقمان: ۱۴

۳۔ سورۂ نساء: ۹۳

Presented by Ziaraat.Com

نے حجِ تمتع سے منع کیا اور امیر المومنینؑ نے انجام دے دیا تو عثمان نے کہا کہ میں لوگوں کو منع کر رہا ہوں اور آپ وہی کام کر رہے ہیں تو مولا علیؑ نے فرمایا کہ میں کسی کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت نہیں چھوڑ سکتا۔

صحیح مسلم میں سعید بن مسیّب سے منقول ہے کہ وہ کہتا ہے کہ عسفان میں مولا علیؑ اور عثمان ایک ساتھ تھے، عثمان نے متعے اور عمرے سے منع کیا۔ مولا علیؑ نے فرمایا کہ اس چیز سے کیوں منع کر رہے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہے، عثمان نے کہا کہ ہم کو چھوڑ دو۔ مولا علیؑ نے فرمایا کہ نہیں چھوڑ سکتا۔ جب مولا علیؑ نے اس طرح دیکھا تو متعہ وعمرہ کا اعلان کر دیا۔

الجمع بين الصحيحين میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "منٰی" وغیرہ میں نمازِ سفر قصر (دو رکعت) پڑھتے تھے، اسی طرح ابوبکر وعمر اور عثمان بھی اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں لیکن بعد میں وہ پوری نماز (چار رکعت) پڑھتے تھے۔

ابنِ اثیر نے **کامل التواریخ** میں نقل کیا ہے کہ پہلا شخص جس نے عثمان کے اس فعل پر اعتراض کیا وہ مولا علیؑ ہیں، باقی لوگوں نے بس اس کو عیب سمجھا (لیکن عثمان کے سامنے کچھ کہہ نہ سکے)۔

مولا علیؑ نے عثمان سے کہا کہ نہ کچھ نیا ہوا ہے اور نہ ہی تمھارا عہد پرانا ہے، میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا، اور ابوبکر وعمر بھی قصر نماز پڑھتے تھے، تم بھی اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں قصر ہی پڑھتے تھے، میں نہیں جانتا ایسا کیا ہوا؟۔ عثمان کا یہ فعل اور اس طرح کے دیگر افعال ظاہر کرتے ہیں، کہ عثمان کس طرح شریعت کی تغیّر وتبدیلی پر جرائت کر سکتا تھا اپنی طرف سے جو کہ یہ اللہ سبحانہ کے خلاف جنگی اقدام ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی مخالفت ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

ساتویں فصل

(تبرّا مصادرِ اہلِ تشیع میں)

Presented by Ziaraat.Com

اس فصل میں ہم علمائے امامیہ کے یہاں موجود ان روایات کو مختصراً بیان کریں گے جو ان ظالموں کے کفر اور ان پر لعن وطعن کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ روایات امامیہ منابع میں موجود روایات کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

شیخ طوسیؒ نے تہذیب میں اپنی سند سے حسین بن ثویر اور ابی سلمہ سراج سے روایت کیا ہے، دونوں کہتے ہیں کہ ہم نے امامِ صادقؑ سے سنا ہے وہ ہر فرض نماز کے بعد چار مرد اور چار عورتوں پر تیمی، عدوی، عثمان، معاویہ عائشہ، حفصہ، ہند، معاویہ کی بہن ام الحکم پر لعنت فرماتے تھے، حال آں کہ مشہور ہے کہ امیر المومنینؑ وِتر کے قنوت میں قریش کے دو بتوں جس سے مراد ابوبکر وعمر ہوتے تھے لعنت کیا کرتے تھے۔

نیز وارد ہوا ہے کہ وِتر میں دشمنانِ خدا پر لعنت کرنا مستحب ہے۔

شیخ محمد بن شہر آشوبؒ نے اپنی کتاب مثالب (مناقب) میں نقل کیا ہے کہ امام صادقؑ سے ابوبکر وعمر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ:

كَانَا اِمَامَيْنِ قَاسِطَيْنِ عَادِلَيْنِ كَانَا عَلَى الْحَقِّ وَ مَاتَا عَلَيْهِ فَرَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

وہ دونوں راہنما وقاسط اور عادل تھے حق پر تھے اور حق پر ان کی موت ہوئی، روزِ قیامت ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

جب مجلس میں (دشمن ومنافقین چلے گئے) خلوت ہوئی تو اصحاب نے عرض کیا کہ اے فرزندِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؑ نے یہ کس طرح فرمایا؟ تو آپؑ نے جواب دیا کہ جی ہاں! میں نے جو کہا کہ وہ دو امام ہیں تو میری نظر اس آیہ مبارکہ پر تھی کہ:

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ۔

اور ہم نے ان لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دینے والا امام قرار دے دیا ہے اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔[1]

۱۔ سورۂ قصص: ۴۱

Presented by Ziaraat.Com

اور جو کہا کہ "قاسط " تھے تو میری نظر اس آیۂ مبارکہ پر تھی:

وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا۔

اور نافرمان تو جہنم کے کندے ہو گئے ہیں۔[1]

اور جو کہا کہ "عادل تھے" تو میری نظر میں یہ آیۂ مبارکہ تھی:

الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ۔

کفر اختیار کرنے والے دوسروں کو اس کے برابر قرار دیتے ہیں۔[2]

اور جو کہا کہ "حق پر تھے" تو یہاں پر حق سے مراد حضرت علیؑ تھے، (عَلَى الْحَقِّ، میں لفظ "عَلیٰ" خلاف کے معنا میں استعمال ہوا ہے، یعنی وہ دونوں مولا علیؑ کے مخالف تھے، جیسے عربی میں "اَلدُّعَاءُ لَهُ" کا معنا ہے کہ اُس کے لیے دعا کرنا اور "اَلدُّعَاءُ عَلَيْهِ" کا معنا ہے اس کے لیے بددعا کرنا۔ مترجم)

امامؑ کا فرمان تھا کہ:

وَمَاتَا عَلَيْهِ۔

اسی حال میں ہی ان دونوں کی موت ہوئی۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں نے توبہ نہیں کی، بلکہ ان کی موت اس حالت میں ہوئی کہ جب وہ ظالم تھے۔ باقی جو میں نے کہا کہ:

فَرَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

اس سے مراد یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سبحانہ کی رحمت ہیں، (ہر کسی کے لیے خواہ وہ عمر وابوبکر ہی کیوں نہ ہوں) آنحضرتؐ ان دونوں سے مولا علیؑ کے حق میں انصاف فرمائیں گے، اور یہ جملہ اس آیۂ مبارکہ سے ماخوذ ہے کہ:

---

[1]۔ سورۂ جن: ۱۵

[2]۔ سورۂ انعام: ۱

Presented by Ziaraat.Com

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ۔

اور ہم نے آپ کو عالمین کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔[۱]

شیخ طوسیؒ نے التھذیب میں روایت نقل کی ہے کہ حارث بن مغیرہ بصری سے وہ کہتا ہے کہ میں امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؑ کے پاس بیٹھا، اس وقت ایک پریشان حال شخص آیا اور اجازت طلب کی، امامؑ نے ان کو اذنِ دُخول دیا، وہ اپنے گھٹنوں کے بل آیا اور پھر کہا کہ میں آپؑ پر قربان جاؤں میں آپؑ سے ایک مسئلے کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہوں، اور میرا مقصد صرف اپنی گردن کو آتشِ جہنم سے آزاد کرانا ہے، گویا امامؑ پر اس کی حالت دیکھ کر رقت طاری ہوگئی، دوزانو ہو کر بیٹھے اور فرمایا کہ اے پریشان حال شخص! پوچھو جو پوچھنا چاہتے ہو، جو کچھ پوچھو گے اس کا جواب دوں گا، اس نے کہا کہ میں آپؑ پر قربان جاؤں، مجھے فلاں فلاں کے بارے میں بتائیں؟

آپؑ نے فرمایا کہ خمس وانفال اور پاکیزہ مال کتابِ خدا میں ہمارے لیے قرار دیا گیا تھا، اللہ کی قسم! وہ دونوں پہلے تھے جنھوں نے اللہ کا دیا ہوا حق ہم سے روکا۔ وہی تھے جنھوں نے دوسروں کو ہماری گردنوں پر سوار کیا، ہمارا خون قیامت تک ان کی گردنوں پر ہیں، اور لوگ تا روزِ قیامت ہمارے اوپر ظلم کی وجہ سے حرام میں مبتلا رہیں گے۔ اس شخص نے تین بار کہا:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں۔[۲]

ربِّ کعبہ کی قسم ہم لوگ ہلاک ہوگئے، پس حضرتؑ اپنے تکیہ سے ہٹے اور دعا فرمائی، مگر ہمارے سمجھ میں کچھ نہیں آیا سوائے اس کے کہ ہم نے سنا امامؑ نے فرمایا کہ:

اَللّٰهُمَّ إِنَّا أَحْلَلْنَا ذٰلِكَ لِشِيعَتِنَا۔

اے میرے اللہ! ہم نے اپنے شیعوں کے لیے اس کو حلال قرار دیا ہے۔

۱۔ سورۂ انبیا: ۱۰۷

۲۔ سورۂ بقرہ: ۱۵۶

Presented by Ziaraat.Com

بعدازآں ہماری طرف رُخِ مبارک کرکے فرمایا کہ اے پریشان حال شخص! حضرتِ ابراہیمؑ کی فطرت پر ہمارے اور ہمارے شیعوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ فلاں فلاں سے مراد ابوبکر وعمر ہیں اللہ تعالی ان دونوں پر لعنت کرے، کیوں کہ وہی دونوں ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اہلِ بیتؑ کو خمس سے محروم کیا تھا، اس میں کوئی دورائے نہیں ہے، مگر حدیث میں ان دونوں کے نام سے کنایہ کیا گیا ہے، تقیہ کی رعایت کرتے ہوئے، جیسا کہ اس زمانے کا تقاضا تھا۔

شیخ امین الدین ثقۃ الاسلام ابوعلی طبرسیؒ نے اپنی تفسیر میں اللہ تعالی کے قول:

فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۔

پھرایک منادی آواز دے گا کہ ظالمین پر خدا کی لعنت ہے۔[1]

کے ذیل میں امامِ رضاؑ سے روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ مؤذن (اعلان کرنے والے) امیر المومنینؑ ہوں گے۔ اور کہا کہ علی بنِ ابراہیمؒ نے اپنی تفسیر میں کہا کہ میرے والد نے حدیث بیان کی محمد بنِ فضیل سے اس نے امامِ رضاؑ سے نقل کی، جس کو ابو القاسم نے اپنے سند سے محمد بنِ حنفیہ سے اس نے مولا علیؑ سے کہ مولاؑ فرماتے ہیں کہ وہ اعلان کرنے والا (مؤذن) میں ہوں گا، اس نے اپنی سند سے ابنِ عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مولا علیؑ کے کتاب اللہ میں ایسے نام ہیں جن کو لوگ نہیں جانتے، اللہ سبحانہ کا ارشاد:

فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ

پھرایک منادی آواز دے گا کہ ظالمین پر خدا کی لعنت ہے۔[2]

کے ذیل میں روایت ہے کہ مولا علیؑ اعلان فرمائیں گے کہ آگاہ ہوجاؤ! اللہ تعالی کی لعنت

۱۔ سورۂ اعراف: ۴۴

۲۔ سورۂ اعراف: ۴۴

Presented by Ziaraat.Com

ہے ان لوگوں پر جنھوں نے میری ولایت کو جھٹلایا اور میرے حق کو کم سمجھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت بھی ابوبکر وعمر وعثمان کے ملعون ہونے پر دلالت کر رہی ہے، کیوں کہ انھوں نے ولایتِ علیؑ کو جھٹلا کر خود کو خلافت کے لیے پیش کیا تھا، حق مولا علیؑ کا تھا، اور یہ امر سب سے بڑا مصداق ہے کہ انھوں نے مولا علیؑ کے حق کو کم سمجھا، نیز عمر نے جو حضرتِ ابنِ عباسؓ سے کہا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ لوگوں نے مولا علیؑ کو کم سمجھا تھا اور ان کو ولایت نہیں دی۔ نیز عمر نے اسی روایت میں ابنِ عباسؓ سے کہا تھا کہ تمھارے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔ (جس کا اشارہ ابنِ عباسؓ کے بچے کی طرف سمجھے تھے) اس طرح کی مثالوں کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے بہت زیادہ ہیں۔

شیخِ طوسیؒ نے التھذیب میں اپنی سند سے ابوصامت سے اس نے ابوعبداللہ سے روایت کی ہے کہ گناہانِ کبیرہ میں سب سے بڑے گناہ سات ہیں کہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینا، نفسِ محترمہ کا قتل کرنا، یتیموں کا مال کھانا، والدین سے عاق ہونا، پاکیزہ خواتین پر تہمت لگانا، جنگ سے فرار ہونا، اللہ سبحانہ کی نازل کردہ چیزوں کا انکار کرنا۔

جہاں تک شرک کی بات ہے تو تم لوگوں تک پہنچ چکا ہے جو اللہ سبحانہ نے ہمارے بارے میں نازل فرمایا ہے اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، پس اس کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پلٹاؤ۔

قتلِ نفسِ محترمہ: پس حسینؑ اور اصحابِ امامِ حسینؑ جن کو شہید کر دیا گیا۔

یتیموں کا مال کھانا: کہ انھوں نے ہمارے اوپر ظلم کیا اور ہمارا حق کھا گئے۔

والدین سے عاق ہونا: کہ جس کے بارے میں اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ:

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۗ

بے شک نبی تمام مومنین سے ان کے نفس کے بہ نسبت زیادہ اولا ہے اور ان کی بیویاں ان سب کی مائیں ہیں۔[1]

---

[1] سورۂ احزاب: ٦

Presented by Ziaraat.Com

آنحضرتؐ ان کے والد تھے وہ ان کی ذریت وقرابت داروں کے حق میں عاق ہو گئے۔

جنگ سے فرار ہونا: امیر المومنینؑ کی اطاعت کی حالت میں بیعت کی اور پھر فرار ہو گئے۔

اللہ سبحانہ کے نازل کردہ امور کا انکار: انھوں نے مولا علیؑ کے حق کا انکار کر دیا، اور اس میں کسی کو کوئی شک نہیں ہے، اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ:

إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا ۔

اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کر لو جن سے تمھیں روکا گیا ہے تو ہم دوسرے گناہوں کی پردہ پوشی کر دیں گے اور تمھیں باعزّت منزل تک پہنچا دیں گے۔[1]

میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں کی طرف اس طرح کے بدترین افعال کی نسبت دی گئی وہ ابوبکر و عمر اور عثمان ہیں، کیوں کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے انفال وخمس اور ان کے حقوق کو غصب کیا، ابوبکر و عمر اور پھر عثمان نے بھی بعد میں وہی کیا، اور امام حسینؑ کی شہادت کی نسبت ان لوگوں کی طرف دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے ظلم کی بنیاد رکھی اور پھر بات یہاں تک پہنچی کہ امامِ حسینؑ کی شہادت کی نوبت آ گئی۔ کیوں کہ جب ابوبکر نے اپنے آپ کو خلیفہ بنوالیا تو قریش کے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور ان کے دلوں میں مولا علیؑ کے بارے میں بغض و کینہ بھرا ہوا تھا، اور وہ تمام امور جیسا کہ ارث، خمس وغیرہ سے روک دیا، اور پھر توہین و اہانت تک آ گئے، گھر کو آگ لگائی، محسنؑ شہید ہوئے۔

شیخِ طوسیؒ نے اپنی سند سے علی بنِ اسباط سے روایت کی ہے کہ حضرتِ موسائے کاظمؑ جب مہدی (عباسی خلیفہ) کے پاس تشریف لے کر آئے تو دیکھا کہ وہ لوگوں کو ظلماً لیا ہوا مال کو واپس کر رہا ہے، تو آپؑ نے فرمایا کہ جو ہمارا مال غصب کیا گیا وہ نہیں واپس کرو گے؟ مہدی نے پوچھا کہ آپؑ سے کیا حق لیا گیا ہے؟ فرمایا کہ جب اللہ تبارک وتعالی نے آنحضرتؐ کو فدک پر فتح

---

[1] سورۂ نسا: ۳۱

Presented by Ziaraat.Com

عطا فرمائی تو آیت نازل فرمائی کہ:

وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ۔

عمر اور ابوبکر پر لعنت کرنے کا معصومین علیہم السلام کا دستور۔

امام جعفرِ صادقؑ فرماتے ہیں:

نَحْنُ مَعَاشِرَ بَنِی هَاشِمٍ نَأْمُرُ كِبَارَنَا وَصِغَارَنَا بِسَبِّهِمَا وَالْبَرَاءَةِ مِنْهُمَا۔

ہم بنی ہاشم کے لوگ اپنے بچوں اور بڑوں کو عمر اور ابوبکر سے برائت اور ان دونوں پر لعنت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ (بحار الانوار، مجلسی، ج ۴۱، ۳۲۳؛ رجال، کشی)

قرابت داروں کو ان کا حق دو۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ جبرئیلؑ سے سوال کیا کہ "قُرْبیٰ" کون ہیں؟ تو آپؐ کی طرف وحی کی گئی کہ فدک حضرتِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو دیں۔ آپؐ نے جنابِ سیدہؑ کو بلایا اور فرمایا کہ اے فاطمہؑ! اللہ تعالی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فدک آپؑ کو دوں، جنابِ سیدہؑ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اللہ تعالی سے اور آپؐ سے اس چیز کو قبول کرتی ہوں، تب وہاں پر جنابِ سیدہؑ کے وکلا کام کرتے رہتے تھے، جب ابوبکر نے خود کو خلیفہ بنوایا تو ان وکلا کو وہاں سے نکلوا دیا، جنابِ سیدہؑ ابوبکر کے پاس آئیں اور سوال کیا، ابوبکر نے جنابِ سیدہؑ سے کہا کہ کوئی کالا یا لال ایسا لے کر آئیں جو آپؑ کی گواہی دے، جنابِ سیدہؑ امیر المومنینؑ، امامِ حسنؑ، امامِ حسینؑ اور امِّ ایمن کو لے کر آئیں انھوں نے گواہی دی، تو اس نے ملکیت لکھ کر دی، جنابِ سیدہؑ وہ مکتوب لے کر نکل رہی تھیں، تو عمر نے کہا کہ آپؑ کے پاس یہ کیا ہے، فرمایا کہ ابنِ ابی قحافہ نے مجھے لکھ کر دیا ہے، اس نے کہا مجھے دکھاؤ، آپؑ نے منع فرمایا، تو اس نے ہاتھ سے

[۱]۔ سورۂ اسراء: ۲۶

Presented by Ziaraat.Com

چھین لیا اور دیکھ کر پھاڑ دیا، اور کہا کہ یہ تمھارے باپ نے لشکر کی مدد سے حاصل نہیں کیا تھا اور اس کو ایسے ہی چھوڑ کر چلے گئے۔

مہدی نے کہا کہ مجھے اس کی حدود بیان فرمائیں، امامؑ نے فرمایا کہ اس کی حد بہت زیادہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ عمر کے اس فعل میں ظلم، غلبہ پرستی، اور عاق ہونا شامل ہے، اس کا یہ کہنا کہ "تمھارے باپ"، اس میں توہین واستہزا ہے، نیز مکتوب کو پھاڑ دینا ظاہر کرتا ہے وہ اس نے ہلکا سمجھا اور حقیر جانا۔

اس کا مطلب کم سے کم کفر ہے، ابوبکر کا عمر کے کہنے پر حقِ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے اعتراف کے بعد اپنے ظلم کی طرف رجوع کرنا اعتراف کرنے کے بعد وہ حق جنابِ سیدہؑ کا ہے، اور ملکیت لکھ کر دینا صاحبانِ عقل کے لیے حق واضح وآشکار ہے۔

شیخ محمد بن یعقوب کلینیؒ نے اپنی کتاب الکافی میں اس موضوع پر بہت سی چیزیں نقل فرمائی ہیں، جن میں صریح لعنت کی احادیث موجود ہیں، اور ائمہ علیہم السلام کی طرف سے اس امر پر رغبت دلائی گئی ہے، امید ہے کہ اللہ تعالی سے کہ ہم اپنا وعدہ پورا کرنے میں کامیاب رہے، ساتھ میں اللہ سبحانہ کی توفیق سے ہم چند چیزیں اور بھی نقل کرتے ہیں۔

امیر المومنینؑ کا خطبہ جو شقشقیہ کے نام سے معروف ومشہور ہے جو کہ اہلِ سنّت کے طرق

Presented by Ziaraat.Com

سے بھی مروی ہے:

أَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ تَقَمَّصَهَا فُلَانٌ وَإِنَّهُ لَيَعْلَمُ

خدا کی قسم ! فلان (ابوبکر) نے پیراہنِ خلافت پہن لیا حال آں کہ وہ جانتا تھا

أَنَّ مَحَلِّي مِنْهَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحَى

کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی میں اس کے دستے کا ہوتا ہے

يَنْحَدِرُ عَنِّي السَّيْلُ وَلَا يَرْقَى إِلَيَّ الطَّيْرُ

میں وہ پہاڑ ہوں جس سے سیلِ علم جاری ہوتا ہے اور کوئی پرندہ میرے مقام تک پر نہیں مار سکتا

فَسَدَلْتُ دُونَهَا ثَوْباً وَطَوَيْتُ عَنْهَا كَشْحاً

پس میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی

وَطَفِقْتُ أَرْتَئِي بَيْنَ أَنْ أَصُولَ بِيَدٍ جَذَّاءَ

اور میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ کیا اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں؟

أَوْ أَصْبِرَ عَلَى طَخْيَةٍ عَمْيَاءَ يَهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ

یا اس بھیانک تیرگی پر صبر کرلوں جس میں بوڑھا بالکل ضعیف

وَيَشِيبُ فِيهَا الصَّغِيرُ وَيَكْدَحُ فِيهَا مُؤْمِنٌ

اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور مؤمن اس میں جدوجہد کرتا ہے

حَتَّى يَلْقَى رَبَّهُ فَرَأَيْتُ أَنَّ الصَّبْرَ عَلَى هَاتَا أَحْجَى

یہاں تک کہ اپنے خدا کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مجھے اس اندھیرے پر صبر ہی قرینِ عقل نظر آیا

Presented by Ziaraat.Com

فَصَبَرْتُ وَفِي الْعَيْنِ قَذًى وَفِي الْحَلْقِ شَجًا

پس میں نے صبر کیا حال آں کہ آنکھ میں چبھن تھی اور حلق میں پھندا لگا ہوا تھا۔

أَرَى تُرَاثِي نَهْباً حَتَّى مَضَى الْأَوَّلُ لِسَبِيلِهِ

میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا۔یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی

فَأَدْلَى بِهَا إِلَى فُلَانٍ بَعْدَهُ

اور اپنے بعد خلافت فلاں(عمر) کو دے گیا۔

پھر مولا علیؑ نے بطورِ تمثیل اعشا کا یہ شعر پڑھا:

شَتَّانَ مَا يَوْمِي عَلَى كُورِهَا

کہاں میرا دن کہ ناقے کے پالان پر گزرتا ہے

وَيَوْمُ حَيَّانَ أَخِي جَابِرِ

اور کہاں حیان، برادرِ جابر کا دن

فَيَا عَجَباً بَيْنَا هُوَ يَسْتَقِيلُهَا فِي حَيَاتِهِ

تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبک دوش ہونا چاہتا تھا

إِذْ عَقَدَهَا لِآخَرَ بَعْدَ وَفَاتِهِ

لیکن ساتھ ساتھ اپنے بعد دوسرے کے لیے بنیادیں استوار کرتا گیا

لَشَدَّ مَا تَشَطَّرَا ضَرْعَيْهَا

بے شک ان دونوں نے ایک ساتھ جان لگا کر خلافت کے تھنوں کو نچوڑا

فَصَيَّرَهَا فِي حَوْزَةٍ خَشْنَاءَ

Presented by Ziaraat.Com

پھر اس نے خلافت کو سخت ملکیت میں دے دیا

یَغْلُظُ كَلْمُهَا وَيَخْشُنُ مَسُّهَا

جس کی زبان گندی اور گرفت کھردری تھی

وَيَكْثُرُ الْعِثَارُ فِيهَا وَالِاعْتِذَارُ مِنْهَا

اور اس نے مشکلات اور معذرت خواہیوں کو بڑھا دیا

فَصَاحِبُهَا كَرَاكِبِ الصَّعْبَةِ

اور صاحبِ خلافت ایک سرکش اونٹنی کی مانند تھا

إِنْ أَشْنَقَ لَهَا خَرَمَ

کہ اگر مہار کھینچی جائے تو اس کی ناک کا درمیانی حصہ ہی شگافتہ ہو جاتا ہے

وَإِنْ أَسْلَسَ لَهَا تَقَحَّمَ

اور اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیا جائے تو مصیبت میں پڑ جائے

فَمُنِيَ النَّاسُ لَعَمْرُ اللَّهِ بِخَبْطٍ وَشِمَاسٍ وَتَلَوُّنٍ وَاعْتِرَاضٍ

خدا کی قسم! لوگ کجروی، سرکشی، بے چینی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے

فَصَبَرْتُ عَلَى طُولِ الْمُدَّةِ وَشِدَّةِ الْمِحْنَةِ

میں نے اس طویل مدت اور شدید مصیبت پر صبر کیا

حَتَّى إِذَا مَضَى لِسَبِيلِهِ جَعَلَهَا فِي جَمَاعَةٍ

یہاں تک کہ دوسرا بھی اپنی راہ لگا، اور خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر گیا

زَعَمَ أَنِّي أَحَدُهُمْ فَيَا لَلَّهِ وَلِلشُّورَى

Presented by Ziaraat.Com

اور مجھے بھی اس جماعت کا ایک فرد خیال کیا۔ اے اللہ! یہ کیسی شورا تھی؟

مَتَى اعْتَرَضَ الرَّيْبُ فِيَّ مَعَ الْأَوَّلِ مِنْهُمْ

ان میں سب سے پہلے کے مقابلہ میں ہی میرے استحقاق وفضیلت میں کب شک تھا

حَتَّى صِرْتُ أُقْرَنُ إِلَى هَذِهِ النَّظَائِرِ

جو اب ان لوگوں میں میں بھی شامل کر لیا گیا ہوں

لَكِنِّي أَسْفَفْتُ إِذْ أَسَفُّوا وَطِرْتُ إِذْ طَارُوا

لیکن جب انھوں نے مجھے شامل کیا تو شامل ہو گیا اور جب اڑے تو اڑا

فَصَغَى رَجُلٌ مِنْهُمْ لِضِغْنِهِ

ان میں سے ایک شخص تو کینہ وعناد کی وجہ سے مجھ سے منحرف ہو گیا

وَمَالَ الْآخَرُ لِصِهْرِهِ مَعَ هَنٍ وَهَنٍ

اور دوسرا مادی اور بعض ناگفتہ بہ باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گیا۔

إِلَى أَنْ قَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ نَافِجاً حِضْنَيْهِ بَيْنَ نَثِيلِهِ وَ مُعْتَلَفِهِ

یہاں تک کہ اس قوم کا تیسرا شخص پیٹ پھلائے گوبر اور چارے کے درمیان کھڑا ہوا

وَقَامَ مَعَهُ بَنُو أَبِيهِ يَخْضَمُونَ مَالَ اللَّهِ

اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بند اٹھ کھڑے ہوئے جس نے اللہ کے مال کو اس طرح ہڑپا

خِضْمَةَ الْإِبِلِ نِبْتَةَ الرَّبِيعِ إِلَى أَنِ انْتَكَثَ عَلَيْهِ فَتْلُهُ

جس طرح اونٹ ہرے بھرے کھیت چرتا ہے یہاں تک کہ اس کی بٹی ہوئی رسی کے بل کھل گئے

وَأَجْهَزَ عَلَيْهِ عَمَلُهُ وَانْكَبَّ بِهِ بِطْنَتُهُ

Presented by Ziaraat.Com

اوراس کی بداعمالیوں نے اسی کا کام تمام کر دیا اور شکم پری نے اسے منہ کے بل گرا دیا

فَمَا رَاعَنِی إِلاَّ وَالنَّاسُ إِلَیَّ کَعُرْفِ الضَّبُعِ

اس وقت مجھے لوگوں کے ہجوم نے دہشت زدہ کر دیا جو بجو کے گروہ کی مانند

یَنْثَالُونَ عَلَیَّ مِنْ کُلِّ وَجْهٍ

میری جانب ہر طرف سے لگاتار بڑھ رہا تھا

حَتَّی لَقَدْ وُطِئَ الْحَسَنَانِ وَشُقَّ عِطْفَایَ

یہاں تک کہ حسنؑ اور حسینؑ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے تھے

مُجْتَمِعِینَ حَوْلِی کَرَبِیضَةِ الْغَنَمِ

وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلّے کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے

فَلَمَّا نَهَضْتُ بِالْأَمْرِ نَکَثَتْ طَائِفَةٌ

مگر اس کے باوجود جب میں امر خلافت کو لے کر اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی

وَمَرَقَتْ أُخْرَی وَقَسَطَ آخَرُونَ

اور دوسرا دین سے نکل گیا اور تیسرے گروہ نے فسق اختیار کر لیا

وَکَأَنَّهُمْ لَمْ یَسْمَعُوا اللَّهَ سُبْحَانَهُ

گویا انھوں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہی نہ تھا

یَقُولُ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِینَ

کہ "یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے قرار دیا ہے

لا یُرِیدُونَ عُلُوًّا فِی الْأَرْضِ وَ لا فَساداً وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِینَ

Presented by Ziaraat.Com

جو دنیا میں نہ بلندی چاہتے ہیں نہ فساد کرتے ہیں اور متقین کا ہی اچھا انجام ہے۔"

بَلَى وَاللهِ لَقَدْ سَمِعُوهَا وَوَعَوْهَا

ہاں! خدا کی قسم! ان لوگوں نے اس کو سنا تھا اور یاد کیا تھا

وَلَكِنَّهُمْ حَلِيَتْ لَهُمُ الدُّنْيَا فِي أَعْيُنِهِمْ وَرَاقَهُمْ زِبْرِجُهَا

لیکن ان کی نگاہوں میں دنیا کا جمال کھب گیا اور اس کی سج دھج نے انھیں لبھا لیا

وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ

دیکھو اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں

لَوْلَا حُضُورُ الْحَاضِرِ وَقِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُودِ النَّاصِرِ

اگر بیعت کرنے والوں اور مدد کرنے والوں کی موجودگی سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوئی ہوتی

وَمَا أَخَذَ اللَّهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ أَلَّا يُقَارُّوا عَلَى كِظَّةِ ظَالِمٍ

اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علما سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری

وَلَا سَغَبِ مَظْلُومٍ لَأَلْقَيْتُ حَبْلَهَا عَلَى غَارِبِهَا

اور مظلوم کی لعنت پر سکون سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا

وَلَسَقَيْتُ آخِرَهَا بِكَأْسِ أَوَّلِهَا

اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اوّل کو سیراب کیا تھا

وَلَأَلْفَيْتُمْ دُنْيَاكُمْ هَذِهِ أَزْهَدَ عِنْدِي مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ

اور تم فانی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابلِ اعتنا پاتے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جب حضرتؑ خطبہ پڑھتے ہوئے اس مقام تک پہنچے تو ایک عراقی باشندہ آگے بڑھا اور ایک نوشتہ حضرت کے سامنے پیش کیا کہ آپ اسے دیکھنے

Presented by Ziaraat.Com

لگے . جب فارغ ہوئے تو ابنِ عباسؓ نے کہا یا امیر المومنینؑ! آپ نے جہاں سے خطبہ چھوڑا تھا. وہیں سے اس کا سلسلہ آگے بڑھائیں .حضرتؑ نے فرمایا کہ ابنِ عباسؓ! یہ تو شقشقہ (گوشت کا وہ نرم لوتھڑا, جو اونٹ کے منہ سے مستی و ہیجان کے وقت نکلتا ہے) تھا جو ابھر کر دب گیا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی اس کلام ارجمند میں غور وفکر کرے جو فوقِ کلامِ مخلوق اور کم تراز کلامِ خالق ہے،اور مولا علیؑ کے اس جملے پرغور کرے کہ:

وَ طَفِقْتُ أَرْتَئِي بَيْنَ أَنْ أَصُولَ بِيَدٍ جَذَّاءَ أَوْ أَصْبِرُ عَلَى طَخْيَةٍ عَمْيَاءَ۔

اور میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ کیا اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں؟ یا اس بھیانک تیرگی پر صبر کروں۔

میں سوچتا رہا کہ مصلحت کس طرف ہے، کیا اس ہاتھ سے لڑوں جس کو کسی کی حمایت

امامِ جعفرِ صادقؑ سے کچھ لوگوں نے کہا کہ مولا ایک شخص ہے جو آپ کا محب تو ہے لیکن آپ کے دشمنوں سے بے زار نہیں ہے۔مولاؑ فرماتے ہیں کہ تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو کیوں کہ ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی ہم سے محبت رکھے اور ہمارے دشمنوں سے بے زار نہ ہو۔

(بحار، مجلسی، ج ۲۷، ۵۸۔)

حاصل نہیں ہے، یا تاریک اور دھندلے زمانے میں صبر کروں۔جاننا چاہیے کہ اگر حمایت کرنے والے موجود ہوتے تو مولا علیؑ ضرور جنگ کرتے۔پس اگر کوئی اس چیز کا مستحق ہے کہ امیر المومنینؑ اس سے جنگ کرے تو ضرور با ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس سے جنگ کریں گے،اور یہ شخص سوائے کافر کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

نیز کلامِ امامؑ ہے کہ:

Presented by Ziaraat.Com

حُضُورُ الْحَاضِرِ۔

اگر پیروکار اور مددگار جنگ کے دوران دشمن کے سامنے موجود ہوتے جن کی مدد سے حجّتِ الٰہی تمام ہوتی تو مظلوم کی مدد اور ظالم کی سرکوبی کے لیے امام ضرور قیام فرماتے۔

لَأَلْقَيْتُ حَبْلَهَا عَلَى غَارِبِهَا۔

تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا۔

یہ کنایہ ہے خلافت سے۔ اس عبارت کے معنا واضح ہیں کہ امامؑ نے ان لوگوں کے ساتھ جنگ کو ترک نہیں کیا تھا مگر اس لیے کہ امامؑ کا کوئی ساتھ دینے والا نہیں تھا۔

ایک اور مقام پر مولاؑ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَعْدِيكَ عَلَى قُرَيْشٍ فَإِنَّهُمْ قَدْ قَطَعُوا رَحِمِي، وَ أَكْفَئُوا إِنَائِي، وَ أَجْمَعُوا عَلَى مُنَازَعَتِي حَقّاً كُنْتُ أَوْلَى بِهِ مِنْ غَيْرِي، وَ قَالُوا أَلاَ إِنَّ فِي الْحَقِّ أَنْ نَأْخُذَهُ وَ فِي الْحَقِّ أَنْ نَمْنَعَهُ، فَاصْبِرْ مَغْمُوماً أَوْ مُتْ مُتَأَسِّفاً. فَنَظَرْتُ فَإِذَا لَيْسَ لِي رَافِدٌ وَ لاَ ذَابٌّ وَ لاَ مُسَاعِدٌ إِلاَّ أَهْلَ بَيْتِي، فَضَنِنْتُ بِهِمْ عَنِ الْمَنِيَّةِ، فَأَغْضَيْتُ عَلَى الْقَذَى، وَ جَرِعْتُ رِيقِي عَلَى الشَّجَا وَ صَبَرْتُ عَلَى الْأَذَى وَ طِبْتُ نَفْسِي عَلَى كَظْمِ الْغَيْظِ وَ مَا هُوَ أَمَرُّ مِنَ الْعَلْقَمِ وَ آلَمُ مِنْ حَزِّ الشِّفَارِ۔

خدایا! میں قریش سے انتقام لینے پر تجھ سے مدد کا خواستگار ہوں کیوں کہ انھوں نے میری قرابت و عزیزداری کے بندھن توڑ دیے اور میرے ظرف (عزت و حرمت) کو اوندھا کر دیا اور اس حق میں کہ جس کا میں سب سے زیادہ اہل ہوں جھگڑا کرنے کے لیے انکار کیا اور یہ کہنے لگے کہ یہ بھی حق ہے کہ آپ کو اس سے روک دیا جائے تو غم و حزن کی حالت میں صبر کیجیے یا رنج و اندوہ سے مر جایئے۔ میں نے نگاہ دوڑائی تو مجھے اپنے اہلِ بیتؑ کے سوا نہ کوئی معاون نظر آیا اور نہ کوئی سینہ سپر اور نہ ہی کوئی معین دکھائی دیا تو میں نے انھیں موت کے منہ میں دینے سے بخل کیا۔ آنکھوں میں خس و

Presented by Ziaraat.Com

خاشاک تھا مگر میں نے چشم پوشی کی حلق میں (غم ورنج کے) پھندے تھے مگر میں لعابِ دہن نگلتا رہا اور غم وغصہ پی لینے کی وجہ سے ایسے حالات پر صبر کیا جو حنظل (اندرائن) سے زیادہ تلخ اور دل کے لیے چھریوں کے کچوکوں سے زیادہ الم ناک تھے۔

اس کلام میں بھی واضح دلالت ہے کہ اگر مولاؑ کے پاس حمایت کرنے والے لوگ موجود ہوتے تو وہ ضرور جنگ کرتے، چنانچہ امامؑ کا ارشاد ہے کہ "میں نے نگاہ دوڑائی تو مجھے اپنے اہلِ بیت کے سوا نہ کوئی معاون نظر آیا اور نہ کوئی سینہ سپر اور معین دکھائی دیا"۔ مولاؑ کا یہ جملہ ہمارے دعوے پر صریحاً دلالت کررہا ہے۔

مولا علیؑ کے کلام میں سے ہے:

وَا عَجَبَاهُ أَ تَكُونُ الْخِلَافَةُ بِالصَّحَابَةِ وَالْقَرَابَةِ.

ہائے! کتنی عجیب بات ہے کہ خلافت صرف صحابیت کی بنا پر مل سکتی ہے لیکن اگر صحابیت اور قرابت دونوں جمع ہو جائیں تو نہیں مل سکتی ہے۔

سید رضیؒ فرماتے ہیں کہ اس معنا میں حضرتؑ کا یہ شعر بھی ہے۔

فَإِنْ كُنْتَ بِالشُّورَى مَلَكْتَ أُمُورَهُمْ
فَكَيْفَ بِهَذَا وَالْمُشِيرُونَ غُيَّبٌ
وَإِنْ كُنْتَ بِالْقُرْبَى حَجَجْتَ خَصِيمَهُمْ
فَغَيْرُكَ أَوْلَى بِالنَّبِيِّ وَأَقْرَبُ

اگر تم نے شورا سے اقتدار حاصل کیا ہے، تو یہ شورا کیسا ہے؟ جس میں تمام مشیر ہی غائب تھے، اور اگر تم نے قرابت سے اپنی خصوصیت کا اظہار کیا ہے، تو تمھارا غیر تم سے زیادہ رسولِ اکرمؐ کے لیے اولا اور اقرب ہے۔

مولا علیؑ کے کلام میں اس موضوع پر بہت مواد موجود ہے، اگر کوئی بحث وتحقیق کرے وہ اپنی مراد پالے گا، اور ہم یہاں اس موضوع کے درپے نہیں تھے کہ مولا علیؑ کے تمام اقوال کو یہاں پر جمع کریں، جو کچھ ہم نے یہاں ذکر کیا ہے وہ طالبِ حق کے لیے کافی ہے۔ اگر کوئی مذکورہ دلائل

Presented by Ziaraat.Com

و بیانات سے مطمئن نہیں ہوا ہے تو اس کا کوئی علاج دنیا میں موجود نہیں ہے کیوں کہ اس کا مرض بہت بڑھ چکا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com

خاتمہ

Presented by Ziaraat.Com

بحثِ اوّل (عائشہ کے بارے میں):

یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ عائشہ نے مولا علیؑ کے خلاف بغاوت کی تھی، طلحہ وزبیر کے ساتھ بصرہ گئی اور امیر المومنینؑ کی طرف مقرر کیے گئے عامل کو قتل کیا اور مسلمانوں کے بیت المال میں تصرف کیا، نیز اہلِ بصرہ کو امیر المومنینؑ کی اطاعت سے باہر کیا، ان پر حق و باطل کو مشتہ کردیا، امیر المومنینؑ کے خلاف تحریک چلائی کہ مولاؑ نے عثمان کو قتل کیا ہے اور وہ مولاؑ سے طلحہ وزبیر کے ساتھ مل کر انتقام لے گی جب کہ طلحہ وزبیر دونوں نے ہی مولا علیؑ کی بیعت کر رکھی تھی جو انھوں نے بعد میں توڑ دی، اور پھر جو کچھ ان دونوں نے کیا سو کیا، کتبِ تواریخ میں دن ورات کی طرح واضح و روشن ہے کہ کس طرح طلحہ، عثمان کا سر چاہنے والوں میں پیش پیش تھے، نیز انھوں نے حملہ کیا، اور عائشہ تو عثمان کے قتل کے لیے ترغیب دلاتی رہی، اور کہتی تھی کہ نعثل کو قتل کرو، خدا نعثل کو قتل کرے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت کو پامال کردیا جب کہ ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرہن بھی پرانا نہیں ہوا۔

جب عائشہ مکہ گئیں، اور ان کو عثمان کے قتل کی خبر دی گئی، اور بتایا گیا کہ لوگوں نے امیر المومنینؑ کی بیعت کرلی ہے، پیشانی پر چوڑیں پڑ گئیں، اور دل کا کینہ باہر نکل آیا، اور عثمان کے خون کا بدلہ لینے کا اعلان کردیا!

شیعہ وسنی دونوں نے ہی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیر کو خبر دی تھی کہ تم آنے والے زمانے میں علیؑ سے جنگ کروگے اور اس پر ظلم کروگے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجات سے فرمایا کہ تم میں سے اونٹنی والی کون ہوگی جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے جب وہ علیؑ کے ساتھ جنگ کرنے جارہی ہوگی، اور وہ اس پر ظلم کرے گی، یہ قصہ بھی مشہور ہے، سب جانتے ہیں بیان کرنے کی ضرورت تک نہیں ہے، جب امیر المومنینؑ کو ان کے خروج کا علم ہوا تو آپؑ نے ان کے خلاف مدینے سے لشکر تیار فرمایا، جب آپؑ بصرہ کے قریب پہنچے تو طلحہ وزبیر کی طرف خط لکھا:

Presented by Ziaraat.Com

أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ عَلِمْتُمَا وإِنْ كَتَمْتُمَا - أَنِّي لَمْ أُرِدِ النَّاسَ حَتَّى أَرَادُونِي - ولَمْ أُبَايِعْهُمْ حَتَّى بَايَعُونِي - وإِنَّكُمَا مِمَّنْ أَرَادَنِي وبَايَعَنِي - وإِنَّ الْعَامَّةَ لَمْ تُبَايِعْنِي لِسُلْطَانٍ غَالِبٍ ولَا لِعَرَضٍ حَاضِرٍ - فَإِنْ كُنْتُمَا بَايَعْتُمَانِي طَائِعَيْنِ - فَارْجِعَا وتُوبَا إِلَى اللَّه مِنْ قَرِيبٍ - وإِنْ كُنْتُمَا بَايَعْتُمَانِي كَارِهَيْنِ - فَقَدْ جَعَلْتُمَا لِي عَلَيْكُمَا السَّبِيلَ بِإِظْهَارِكُمَا الطَّاعَةَ - وإِسْرَارِكُمَا الْمَعْصِيَةَ - ولَعَمْرِي مَا كُنْتُمَا بِأَحَقِّ الْمُهَاجِرِينَ - بِالتَّقِيَّةِ والْكِتْمَانِ - وإِنَّ دَفْعَكُمَا هَذَا الأَمْرَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَدْخُلَا فِيه - كَانَ أَوْسَعَ عَلَيْكُمَا مِنْ خُرُوجِكُمَا مِنْه - بَعْدَ إِقْرَارِكُمَا بِه. وقَدْ زَعَمْتُمَا أَنِّي قَتَلْتُ عُثْمَانَ - فَبَيْنِي وبَيْنَكُمَا مَنْ تَخَلَّفَ عَنِّي وعَنْكُمَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ - ثُمَّ يُلْزَمُ كُلُّ امْرِئٍ بِقَدْرِ مَا احْتَمَلَ - فَارْجِعَا أَيُّهَا الشَّيْخَانِ عَنْ رَأْيِكُمَا - فَإِنَّ الآنَ أَعْظَمَ أَمْرِكُمَا الْعَارُ - مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَجَمَّعَ الْعَارُ والنَّارُ - والسَّلَامُ.

امابعد! اگر چہ تم دونوں چھپا رہے ہو لیکن تمھیں بہر حال معلوم ہے کہ میں نے خلافت کی خواہش نہیں کی بلکہ لوگوں نے مجھ سے خواہش کی ہے اور میں نے بیعت کے لیے اقدام نہیں کیا ہے جب تک انھوں نے بیعت کرنے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا ہے۔ تم دونوں بھی انھیں افراد میں شامل ہو جنھوں نے مجھے انتخاب کیا تھا اور میری بیعت کی تھی اور عام لوگوں نے بھی میری بیعت نہ کسی سلطنت کے رعب دبدبے سے کی ہے اور نہ ہی مالِ دنیا کی لالچ میں کی ہے۔ پس اگر تم دونوں نے میری بیعت اپنی خوشی سے کی تھی تو اب خدا کی طرف رجوع کرو اور فوراً توبہ کرلو۔ اور اگر مجبوراً کی تھی تو تم نے اپنے اوپر میرا حق ثابت کر دیا کہ تم نے اطاعت کا اظہار کیا تھا اور نافرمانی کو دل میں چھپا کر رکھا تھا۔ اور میری جان کی قسم تم دونوں اس راز داری اور دل کی باتوں کے چھپانے میں مہاجرین سے زیادہ سزاوار نہیں تھے اور تمھارے لیے بیعت سے نکلنے اور اس کے اقرار کے بعد انکار کر دینے سے زیادہ آسان روزِ اوّل ہی اس کا انکار کر دینا تھا۔ تم لوگوں کا ایک خیال یہ بھی ہے کہ میں نے

Presented by Ziaraat.Com

عثمان کو قتل کیا ہے تو میرے اور تمھارے درمیان وہ اہلِ مدینہ موجود ہیں جنھوں نے ہم دونوں سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ اس کے بعد ہر شخص اس کا ذمے دار ہے جو اس نے ذمے داری قبول کی ہے۔ بزرگوارو! یہ موقع غنیمت ہے اپنی رائے سے باز آجاؤ کہ آج تو صرف ننگ و عار کا خطرہ ہے لیکن اس کے بعد عار و نار دونوں جمع ہوجائیں گے، والسلام!۔

اور عائشہ کو خط لکھا کہ:

اما بعد! کیوں کہ تم گھر سے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معصیت کر کے نکلی ہو، ایک ایسی چیز کو طلب کررہی ہو جو تمھاری طرف سے آغاز کیا گیا تھا، تم گمان کرتی ہو کہ تم عثمان کے خون کا بدلہ مانگ رہی ہے جو کہ بنی امیہ میں سے تھا اور تم بنی تیم بنِ مرہ سے تعلق رکھتی ہو، میری جان کی قسم جو چیز تم کو بلا اور معصیت پر ابھار رہی ہے وہ گناہ قتلِ عثمان سے بھی بہت بڑا ہے، میں غضب ناک نہیں ہوں گا جب تک کہ تم نہیں ہوگی، اے عائشہ! واپس جاؤ اپنے گھر اور اپنے پردے میں رہو، والسلام!۔

اور جو جواب آیا وہ یہ تھا:

اے ابوطالبؑ کے بیٹے! امرِ عتاب سے ظاہر ہوگیا، ہم ہرگز تمھاری اطاعت میں داخل نہیں ہوں گے، جو تم کرنا چاہتے ہو وہ کرلو، والسلام۔

گزشتہ بحثوں میں ہم نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علیؑ! تمھاری جنگ میری جنگ ہے اور تمھاری صلح میری صلح ہے۔ بے شمار طُرُق سے روایت ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے محبت فقط و فقط مؤمن کرے گا، اور بغض فقط و فقط منافق رکھے گا، وہ شخص جھوٹا ہے جس کا گمان ہے کہ مجھے دوست رکھتا ہے اور تم سے بغض رکھتا ہو۔

کوئی شک نہیں ہے کہ یہ فعل ان کی طرف سے موجبِ لعنت ہے بلکہ موجبِ کفر ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ اللہ تعالی سے جنگ ہے، اور اللہ سبحانہ سے جنگ کرنے والا کافر ہے، مگر یہ کہ اہلِ سنّت یہ جواب دیں کہ اللہ تعالی سے بھی اجتہاد کر کے جنگ کرنا جائز ہے، چنانچہ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ عائشہ، زبیر، معاویہ اور طلحہ نے مولا علیؑ سے جنگ اجتہاد کر کے کی

Presented by Ziaraat.Com

تھی، کیوں کہ یہ دعوا ہی بے ہودہ و واہیات ہے لہٰذا اس کو ردّ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اجتہادِ ظنّی اس وقت ہوتا ہے جہاں پر دلیلِ قطعی موجود نہ ہو، تو اس جنگ کے بارے میں اجتہاد کیسے جائز ہوسکتا ہے جس کے خلاف سنّتِ رسول اللہ واحادیث موجود ہوں۔

حال آں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سریحاً فرمایا کہ مولا علیؑ سے جنگ کرنے والے ظالم ہیں، وہ بھلا مجتہد ہوسکتے ہیں؟ لیکن اہلِ بدعت روئے زمین پر بے وقوف ترین مخلوق ہیں، باقیوں کی نسبت سے زیادہ اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں بے شرم و بے حیا ہیں، بسا اوقات کہتے ہیں کہ زبیر نے توبہ کرلی تھی! کیوں کہ وہ فریقین کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ یہ بات واضح باطل ہے کہ کیوں کہ حقیقتِ توبہ یہ ہے کہ معصیت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکے اور پھر اطاعت میں داخل ہو جس کی معصیت کر کے وہ خارج ہوا تھا، اور اظہارِ ندامت کرنا گزشتہ صورتِ حال پر، جن کو گم راہ کیا تھا ان کے سامنے حقیقت کو واضح کرنا۔ یہ توبہ نہیں ہے کہ جنگ کی چنگاری لگائی، فتنے کی آگ بھڑکا کر لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال دیے، نوبت جنگ تک آگئی، لوگ آمنے سامنے آگئے تلواریں لے کر، وہ سب کو اسی حال میں چھوڑ کر لاتعلق ہوجاتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

اور آگاہ ہوجاؤ بعض اہلِ بدعت سمجھتے ہیں کہ شیعہ امامیہ عائشہ پر اس تہمت کی بنا پر لعن طعن کرتے ہیں جو اس پر منافقوں کی طرف سے لگائی تھی، اور ان میں سے اکثر لوگ جانتے بھی ہیں کہ ہمارا مسئلہ وہ تہمت نہیں ہے، لیکن ان کا ہدف فتنہ پردازی کرنا ہے جیسا کہ اعدائے دین کی روش رہی ہے، اللہ تعالی کی پناہ کہ اہلِ حق اس طرح کی سوچ رکھتے ہوں، شیعہ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ زوجاتِ انبیا کا کردار کے حوالے سے پاک پاکیزہ ہوتی ہیں۔

بحث دوم (اجتہاد و تقلید):

ہر وہ شخص جو علمِ فقہ جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ اہلِ سنّت نے مذاہب کو چار فقہا ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے اقوال میں منحصر کردیا ہے، تمام لوگوں پر انھوں نے واجب قرار دے دیا ہے کہ وہ ان چاروں میں سے کسی ایک کی ہی تقلید کرسکتے ہیں، اور اجتہاد کی اجازت

Presented by Ziaraat.Com

نہیں دی، اور اگر کوئی اجتہاد کرنا بھی چاہے تو وہ بھی انھیں میں سے کسی ایک نہج پر چلتے ہوئے اجتہاد کرے جو کہ خود دراصل تقلید کی ایک نوعیت ہے، انھوں نے اپنے اس دعوے پر کوئی بھی دلیل ذکر نہیں کی ہے، اور نہ ہی کوئی جعلی حدیث گھڑنے کی ضرورت محسوس کی، جیسا کہ ان لوگوں کی ہمیشہ کی طرح عادت ہوتی ہے، حال آں کہ صریح کتابِ الٰہی اور سنّتِ رسول اللہ اس دعوے کے بطلان پر دلالت کررہے ہیں، کتابِ الٰہی میں ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۔

صاحبانِ ایمان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب کے سب جہاد کے لیے نکل پڑیں تو ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کے لیے کیوں نہیں نکلتی ہے کہ علمِ دین حاصل کرے اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو اسے عذابِ الٰہی سے ڈرائے کہ شاید وہ اسی طرح ڈرنے لگیں۔[1]

آیۂ مبارکہ وجوبِ کفائی کے طور پر اجتہاد کے وجوب پر دلالت کررہی ہے، اور اشخاص اور زمان ومکان کی کوئی تخصیص نہیں ہے، تو پھر ان چاروں کے مجتہد ہونے اور دیگر کے مقلد رہنے پر تخصیص کہاں سے آئی۔

اگر سنّت کی بات کریں تو تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

مَنْ اِجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ، وَمَنْ اِجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ وَاحِدٌ۔

جو شخص اجتہاد کرے اور صحیح رائے پالے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو خطا کرے اس کے لیے ایک اجر ہے۔

پس "مَنْ" عربی زبان میں عموم پر دلات کرتا ہے، پس اس تخصیص پر دلالت کرنے والی چیز کہاں سے آئی ہے؟ جو کہ مضحکہ خیز خرافات میں سے ایک ہے۔ اگر اجماع کی بات کریں جو انھوں نے کیا ہے کہ اجتہاد ان چاروں میں ہی منحصر ہے، تو سوال یہ ہے کہ واجبِ کفائی کا ترک

---

[1]۔ سورۂ توبہ: ۱۲۲

Presented by Ziaraat.Com

کس طرح جائز ہوسکتا ہے، جس کو عمداً بجانہ لانا فسق ہے، بجائے اس کے کہ اسے بجالانا ممنوع ہے۔ لیکن یہ لوگ عقل والی تو بات ہی نہیں کرتے، اور جنھوں نے اس اجماع کی مخالفت کی ہے اس کے قول کو معتبر ہی نہیں جانتے، حال آں کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ آیت و حدیث دونوں ہی اجتہاد کے جواز پر دلالت کر رہے ہیں۔ اور جو حدیث انھوں نے روایت کی ہے:

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِي عَلَى الضَّلَالِ۔

میری امت گم راہی پر اجماع نہیں کرسکتی۔

اجماع کے حجت ہونے پر وہ حدیث شیعہ امامیہ کو بھی شامل ہے کیوں کہ امت میں وہ بھی شامل ہیں، اور وہ بھی اسلام کے معترف ہیں، تو اتنی بڑی مخالفت کے باجود وہ کس طرح اجماع کا دعوا کرسکتے ہیں کہ اب سے بابِ اجتہاد بند ہوگیا ہے؟ پھر امامت ان لوگوں کے پاس ایک شرعی وفقہی مسئلہ ہے اس کی مخالفت کرنے والا کافر نہیں ہے اور نہ ہی فاسق ہے، جیسا کہ ان کے علما میں سے بہت سو نے اس چیز کی صراحت کی ہے۔

ان لوگوں کی افترا پردازی بھی عجیب ہے، شیعوں کی روایات قبول نہیں کرتے، اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اہلِ بدعت اگر بدعتِ کفر کا مرتکب نہ ہو تو اس کی گواہی جائز ہے۔ سوال یہ ہے کہ شہادت و گواہی اور روایت میں فرق کیا ہے؟ بلکہ بابِ روایت وسیع ہے، بلکہ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اگر آپ ان کی کتبِ حدیث کی چھان بین کریں تو آپ کو ایک فیصد بھی روایاتِ اہلِ بیتؑ نظر نہیں آئیں گیں، باوجود اس کے کہ پوری امّت اہلِ بیتِ رسول اللہ علیہم السلام کے فضل، علم، تقوا و زہد اور ان کے بلند مرتبہ ہونے کے قائل ہیں، پھر آپ کو کتنے ایسے علما ملیں گے اس مسلک کے جن کو ائمہؑ ہدا کے نام تک پتہ نہیں ہوں گے، کیا انھوں نے ائمۂ اہلِ بیتؑ کو ابو ہریرہ، مغیرہ بن شعبہ، ولید بن عقبہ اور ان کی طرح کے لوگوں سا بھی نہیں سمجھا کہ انھیں لوگوں کے اقوال و افعال انھیں کے جھوٹ اور من گھڑت کہانیاں ان لوگوں کی زبانوں پر ازبر ہیں، اگر کوئی ذکر کرنے والا ان کے سامنے ائمۂ اہلِ بیتؑ میں سے کسی کا نام بھی لے لے تو ان کے منہ کھل جاتے

Presented by Ziaraat.Com

ہیں جیسا کہ اس شخص نے کوئی کفر بکا ہے!

کیا ان لوگوں کا یہ عمل کسی دانا وعقل مند انسان کی نظر میں اہلِ بیتؑ سے منحرف اور لاتعلق ہونے کی واضح نشانی نہیں ہے، کیا اس عمل ورویہ سے اہلِ بیتؑ سے بغض وکینہ کا اظہار نہیں ہوتا۔

حیف ہے ایسے لوگوں پر جنھوں نے امام محمدِ باقرؑ اور امامِ جعفرِ صادقؑ کو ابوحنیفہ سا بھی نہیں سمجھا جس کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ اس نے دوبار کفر سے توبہ کی تھی، یہ روایت میں نے اپنے بعض شافعی مشائخ سے سنی جس زمانے میں ان کے پاس میں حدیث سنتا تھا۔

حال آں کہ ان کے فقہا سے دین کے بارے میں ایسی ایسی واہیات باتیں منقول ہیں کہ اگر کوئی منصف مزاج ان میں غور کرے تو مجالس وفضل وعلم میں ان کے نام لینے سے بھی شرمائے گا، اگر کوئی ان کے بیچ میں کہہ دے کہ" قال الصادقؑ" یعنی امامِ صادقؑ نے یوں فرمایا، تو اس کی طرف یوں لپکیں گے کہ گویا اس کی جان کے درپے ہیں، اور اسی وقت ہی اس کو جھٹلائیں گے، ایسا ردِّ عمل دیں گے جیسا کہ وہ دینِ قویم میں سے ہے ہی نہیں، ان لوگوں کے اس طرح اعمال، برہان اور قاطع ہیں اس بات پر کہ جس چیز کو یہ لوگ دین کہتے ہیں اس کو قرآن وسنّت سے مطابقت کولازمی نہیں سمجھتے، اور نہ ہی نجات دہندہ تصور کرتے ہیں، کیا خوب صورت بات کی ہے ہمارے سید شریف مرتضیٰؒ نے، انھوں نے ہر شخص کی تکفیر کا حکم لگادیا جو بھی حق (جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا) کی مخالفت کرے۔

اب جب ہم اپنی مراد تک پہنچ گئے ہیں، یہ رسالہ جس میں مقصد مطالب کو اختصار سے پیش کرنا تھا، ہم اس مقدار کو کافی سمجھتے ہیں، اپنی بات کو وہیں پر ختم کرتے ہیں جہاں سے شروع کیا تھا (یعنی) اللہ سبحانہ کی حمد وثنا ہے اس ذاتِ بابرکت کی جس نے ہم کو توفیق دی کہ اہلِ باطل کے آرا واقوال کو ردّ کرتے ہیں اور اللہ سبحانہ کے دوستوں سے محبت کرتے ہیں۔

ہم محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام پر درود وسلام کا اعلان کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کے لیے لعنت و رسوائی کی خواہش کرتے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

حالِ تضرع میں اللہ سبحانہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارا خاتمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآلِ محمد علیہم السلام کی راہ پر ہو اور ہمیں دنیا و آخرت میں ان کے شیعوں میں سے قرار دے، ان کے دیدار کے وقت ہمارے اوپر اپنی یہ عنایت فرمائے کہ ہماری نگاہ کو روشن کرے اور ہم کو خوابِ غفلت سے بے دار فرمائے، شبِ تنہائی اور عجیب وحشت میں ہمارا مونس و ساتھی ہو اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔ یہ رسالہ ۱۶ ذی الحجہ ۹۱۷ ھجری کو مشہدِ امامِ رضا میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

Presented by Ziaraat.Com